# خلفائے راشدینؓ

شاہ معین الدین احمد ندوی

# فہرست مضامین خلفائے راشدین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ سید المرسلین وعلیٰ آلہ وخلفائہ الراشدین

اس بات سے پہلے کہ خلفائے راشدین کے حالات لکھے جائیں ضرورت ہے کہ خلافت راشدہ
کا مفہوم وضاحت سے سمجھ لیا جائے۔ خلافت کے لغوی معنی جانشینی اور کسی کی جگہ پر اس کے بعد بیٹھنے کے ہیں
یہ لفظ خود اپنے مفہوم و منشا کو ظاہر کرتا ہے کہ وہ ایک اصل کا سایہ یا ایک آئینہ کا عکس اور ایک حقیقی جسم
کی قائم مقامی ہے۔ اسی کو امام کے لفظ سے بھی کبھی تعبیر کیا جاتا ہے اور یہ دونوں لفظ خلیفہ اور امام
ایک ہی شخص کی دو مختلف حیثیتوں کو ظاہر کرتے ہیں۔ اپنے پیشرو کے نائب اور قائم مقام ہونے کے لحاظ سے
وہ خلیفہ اور اپنے زمانہ کے پیروؤں کے لحاظ سے وہ امام اور پیشوا ہے۔ اسی بنا پر درحقیقت خلافت راشدہ
پیغمبر کی قائم مقامی اور اس کے بعد اس کی امت کی پیشوائی ہے۔ صحیحین میں یہ حدیث ہے کہ آنحضرت
صلعم نے فرمایا کہ تم سے پہلے بنی اسرائیل میں انبیاء و پیغمبر سیاست کرتے تھے جب ایک پیغمبر مرتا تھا
تو دوسرا پیغمبر پیدا ہوتا تھا لیکن پیغمبری اب ختم ہو گئی تم میں خلفاء ہوں گے

اس سے واضح ہوتا ہے کہ خلافت پیغمبری کی نیابت اور قائم مقامی ہے اور نبوت کے بعد
اسلام میں یہ سب سے بڑا درجہ و منصب ہے۔ اسی لیے ان امور میں جن کی نسبت پیغمبر کی وحی اور فیصلہ
موجود نہ ہو اس کا حکم اور فیصلہ بھی واجب الاطاعت ہے۔ آپ نے فرمایا کہ میرے بعد میرے ہدایت
پائے ہوئے جانشینوں کی پیروی کرو۔ اسی لیے ایک پیغمبر کے انتخاب کے لیے ظاہری حیثیت سے
اس کی سیاسی و انتظامی استعداد و صلاحیت کو دیکھا جائے اس سے بہت زیادہ اس کے اندر پیغمبرانہ
صحبت کی اثر پذیری اور اس کے روحانی و علمی و اخلاقی فضائل و مناقب کی تلاش کرنی چاہیے

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی راے کے مطابق نازل ہوئی ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ کیسے محدث
صادق تھے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی نسبت فرمایا کہ جس سے فرشتے شرماتے ہیں کیا میں اس سے
نہ شرماؤں ہر نبی کے رفیق ہوتے ہیں اور جنت میں میرا رفیق عثمان ہے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی نسبت
ارشاد ہوا کہ کیا تم یہ پسند نہیں کرتے کہ میرے ساتھ تم کو وہی نسبت حاصل ہو جو ہارون کو موسیٰ کے ساتھ
تھی کل میں جھنڈا ایسے شخص کو دوں گا جو اللہ اور اس کے رسول کو محبوب رکھتا ہے اور اس کو اللہ اور
اس کے رسول محبوب رکھتے ہیں رسول اللہ صلعم نے ان بزرگوں کے ایسے اوصاف بیان فرمائے
ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ وہی خلافت کے مستحق تھے چنانچہ آپ نے فرمایا کہ میری امت
میں سب سے زیادہ رحم دل ابوبکر ہیں خدا کے بارے میں سب سے زیادہ سخت ہونے والے عمر سب سے زیادہ حیادار
عثمان اور سب سے بڑے قاضی علی بن ابی طالب ہیں ایک حدیث میں ہے کہ اگر تم لوگ ابوبکر
کو امیر بناؤ گے تو ان کو امین دنیا کا حقیر سمجھنے والا اور آخرت کا شائق پاؤ گے اگر عمر کو امیر بناؤ گے تو
ان کو قوی امین پاؤ گے جو خدا کے بارے میں ملامت کا خوف نہ کریں گے اور اگر علی کو امیر بناؤ گے
اور میرا خیال ہے کہ تم لوگ ایسا نہ کرو گے تو ان کو ہدایت کرنے والا اور ہدایت یافتہ پاؤ گے ان
صفات کے ساتھ چونکہ منصب نبوت سے تعلق رکھتے تھے آپ نے اپنی زندگی میں ان سے وہ کام
لیے ہیں مثلاً حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو متعدد موقعوں پر اپنی جگہ امام بنایا ہے اور ان کو امیر الحج مقرر
فرمایا ہے سلطنت کے معاملے میں ہمیشہ شیخین سے مشورے لیے ہیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بعض
غزوات کا امیر بنایا ہے اور صدقات مدینہ کا عامل مقرر فرمایا ہے حضرت عثمان سے صلح حدیبیہ کے
زمانے میں سفیر کا کام لیا ہے اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو یمن کا قاضی مقرر کر کے بھیجا ہے

خداوند تعالیٰ نے رسول اللہ صلعم سے جو وعدے کیے تھے وہ ان کے زمانے میں پورے
ہوئے مثلاً آیۂ ... میں وعدہ ہے کہ ان کو امر بالمعروف و نہی عن المنکر اور تمکین و تقرب ملک سے موعود کیا

پورے ہوتے ہوئے یہاں مکنا لھم فی الارض الخ اور وعد اللہ الذین آمنوا منکم الخ میں کئے گئے تھے۔ اسلام کے مقابل میں یہودیت نصرانیت اور مجوسیت کے مغلوب ہو جانے سے لیظہرہ علی الدین کلہ کی بشارت پوری ہوئی اور فتوحات کی کثرت نے آیہ مثلھم فی التورٰۃ ومثلھم فی الانجیل الخ کی موعودہ خیر و برکت کو پورا کیا۔ آیہ من یرتد منکم عن دینہ میں جس جنگ کی طرف اشارہ ہے اور وہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے زمانہ میں ہوئی۔ ان علینا جمعہ وقرآنہ میں قرآن مجید کے جمع و تدوین کی طرف اشارہ ہے اور یہ مقدس کام حضرت ابوبکر حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم کی کوششوں سے انجام پایا۔ قتال خوارج کی نسبت حدیث میں آیا ہے کہ اگر میں ان کو پاتا تو عاد کی طرح قتل کرڈالتا۔ اور ان کی جنگ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے زمانہ میں ہوئی۔

اس بنا پر خود رسول اللہ صلعم کی تصریح کے مطابق ان کا قول و فعل حجت تھا۔ چنانچہ آپ نے فرمایا کہ تم پر میری سنت اور میرے بعد خلفائے راشدین کی سنت کا اتباع فرض ہے۔ حضرت ابن مسعودؓ اور حضرت حذیفہؓ سے روایت ہے کہ میرے بعد کے لوگوں میں ابوبکر و عمر کی تقلید کرو۔ غرض اس قسم کے بیشمار فضائل ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ خدا اور رسول کی مرضی کے مطابق خلافت کے حقیقی اور اس کی تعریف کا صحیح مصداق صرف خلفائے راشدین تھے۔ اور ان کے کارنامے زندگی بھی جو اس کتاب میں مذکور ہیں اسکی تصدیق کرینگے۔

# حضرت ابوبکر صدیقؓ

## خلیفۂ اول

## رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

**نام، نسب، خاندان** عبداللہ نام، ابوبکر کنیت، صدیق اور عتیق لقب، والد کا نام عثمان اور کنیت ابو قحافہ، والدہ کا نام سلمیٰ اور ام الخیر کنیت، والد کی طرف سے پورا سلسلہ نسب یہ ہے: عبداللہ بن عثمان بن عامر بن عمرو بن کعب بن سعد بن تیم بن مرہ بن کعب بن لوی القرشی التیمی، اور والدہ کی طرف سے سلسلہ نسب یہ ہے: ام الخیر بنت صخر بن عامر بن کعب بن سعد بن تیم بن مرہ۔ اس طرح حضرت ابوبکرؓ کا سلسلہ نسب چھٹی پشت میں مرہ پر آنحضرت صلعم سے مل جاتا ہے۔

**حضرت ابوبکرؓ کے والدین** ابو قحافہ عثمان بن عامر شرفائے مکہ میں سے تھے اور نہایت معمر تھے، ابتداءً جیسا کہ بڑے بوڑھوں کا قاعدہ ہے وہ اسلام کی تحریک کو بازیچۂ اطفال سمجھتے تھے؛ چنانچہ حضرت عبداللہ کا بیان ہے کہ جب آنحضرت صلعم نے ہجرت فرمائی تو میں آپ کی تلاش میں حضرت ابوبکرؓ کے گھر آیا، وہاں ابو قحافہ موجود تھے، انہوں نے حضرت علیؓ کو اس طرف سے گذرتے ہوئے دیکھ کر نہایت برہمی کے ساتھ کہا کہ ان بچوں نے میرے لڑکے کو بھی خراب کر دیا۔[1]

ابو قحافہ فتح مکہ تک نہایت استقلال کے ساتھ اپنے آبائی مذہب پر قائم رہے، فتح مکہ کے بعد جب رسول اللہ صلعم مسجد حرام میں تشریف فرما تھے تو وہ اپنے فرزند حضرت ابوبکر صدیقؓ کے ساتھ بارگاہ نبوت میں حاضر ہوئے، آنحضرت صلعم نے ان کے ضعف پیری کو دیکھ کر فرمایا کہ انہیں کیوں تکلیف دی؟ میں خود ان کے پاس پہنچ جاتا، اس کے بعد آپ نے نہایت

[1] طبقات ابن سعد قسم اول جز ثالث صفحہ ۱۲۰ و اسد الغابہ جلد ۳ صفحہ ۲۲۱

آنحضرت نے ان کے سینہ پر ہاتھ پھیرا اور کلمات طیبات تلقین کرکے مشرف باسلام فرمایا۔[1]

حضرت ابو قحافہؓ نے بہت بڑی عمر پائی، آنحضرت صلعم کے بعد اپنے فرزند ارجمند حضرت ابوبکرؓ کے بعد بھی چند دنوں تک زندہ رہے۔ آخر عمر میں نہایت ضعیف ہو گئے تھے، آنکھوں کی بصارت جاتی رہی تھی۔ سنہ ۱۴ ہجری میں ۹۷ برس کی عمر میں وفات پائی۔[2]

حضرت ابوبکرؓ کی والدہ

حضرت ام الخیرؓ سلمیٰ بنت صخر کو ابتداء ہی میں حلقہ بگوشانِ اسلام میں شامل ہونے کا شرف حاصل ہوا۔ اُن سے پہلے صرف اُنتالیس آدمی مسلمان ہوئے تھے، یہ قلیل جماعت بااعلان اپنے اسلام کا اظہار نہیں کرسکتی تھی اور نہ مشرکین و کفار کو بانگ دہل دین حق کی دعوت دے سکتی تھی، لیکن حضرت ابوبکرؓ کا مذہبی جوش اس بے بسی پر نہایت مضطرب تھا۔ آپ نے ایک روز نہایت اصرار کے ساتھ آنحضرت صلعم سے اجازت لیکر مجمع عام میں شریعت حقہ کے فضائل دل پذیر تقریر کی اور کفار و مشرکین کو شرک و بت پرستی چھوڑ کر اسلام قبول کرنے کی دعوت دی۔ کفار و مشرکین جن کے کان کبھی ان الفاظ سے مانوس نہ تھے نہایت برہم ہوئے اور حضرت ابوبکر صدیقؓ کو نہایت بے دردی اور سنگدلی کے ساتھ اس قدر مارا کہ بالآخر بنو تیم کو باوجود مشرک ہونے کے اپنے قبیلے کے ایک فرد کو اس حال میں دیکھکر ترس آگیا اور اُنھوں نے عام مشرکین کے پنجۂ ظلم سے چھڑا کر ان کو مکان تک پہنچا دیا۔ شب کے وقت بھی حضرت ابوبکرؓ باوجود درد و تکلیف کے اپنے والد و رشتہ داروں کو اسلام کی دعوت دیتے رہے، پھر آخر رسول اللہ صلعم کا پتہ دریافت کرکے اپنی والدہ کے ساتھ ارقم بن ارقم کے مکان میں آئے اور آنحضرت صلعم سے عرض کی کہ میری والدہ حاضر ہیں، ان کو راہ حق کی ہدایت کیجئے۔ آنحضرت صلعم نے انہیں اسلام کی دعوت دی اور وہ مشرف باسلام ہو گئیں۔[3]

حضرت ام الخیرؓ نے بھی طویل عمر پائی، چنانچہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کی خلافت تک زندہ رہیں لیکن اپنے شوہر سے پہلے وفات پائی۔

[1] الاصابہ جلد ۴ صفحہ ۲۲۲ [2] الاصابہ جلد ۸ صفحہ ۲۲۴ [3] ایضاً بحوالہ طبرانی

رقیق القلب تھے قرآن پاک کی تلاوت فرماتے تو آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے لوگ بچے
گریہ و بکا کو دیکھ کر جمع ہو جاتے اور اس پر اثر منظر سے نہایت متاثر ہوتے۔[۱]

مکی زندگی: آنحضرت صلعم نے بعثت کے بعد کفار کی ایذا رسانی کے باوجود تیرہ برس تک مکہ میں
تبلیغ و دعوت کا سلسلہ جاری رکھا۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ اس سب سختی کی زندگی میں جان و مال
سے ساتھ دیتے۔ غرض ہر حیثیت سے آپ کے دست و بازو اور رنج و راحت میں شریک رہے آنحضرت
صلعم روزانہ صبح و شام حضرت ابوبکرؓ کے گھر تشریف لے جاتے اور دیر تک مجلس رہتی تھی، موسم حج میں
قبائل عرب اور عام مجمعوں میں تبلیغ و ہدایت کے لیے جاتے تو یہ بھی ہمرکاب ہوتے اور اپنی
نسب دانی اور کثرت ملاقات کے باعث لوگوں سے آپ کا تعارف کراتے۔[۲]

مکہ میں ابتداءً جن لوگوں نے داعی توحید کو لبیک کہا ان میں کثیر تعداد غلاموں اور لونڈیوں
کی تھی جو اپنے مشرک آقاؤں کے پنجۂ ظلم و ستم میں گرفتار رہنے کے باعث طرح طرح کی اذیتوں میں
مبتلا تھے۔ حضرت ابوبکرؓ نے ان مظلوم بندگان توحید کو ان کے جفاکار مالکوں سے خرید کر آزاد
کر دیا۔ چنانچہ حضرت بلالؓ، عامر بن فہیرہؓ، نذیرہ، نہدیہ، جاریہ بنی مؤمل اور بنت نہدیہ وغیرہ نے
اسی صدیقی جود و کرم کے ذریعہ سے نجات پائی۔

کفار جب کبھی آنحضرت صلعم پر دست تعدی دراز کرتے تو یہ مخلص جان نثار خطرہ میں پڑ کر
خود سینہ سپر ہو جاتا۔ ایک دفعہ آپ خانہ کعبہ میں تقریر فرما رہے تھے مشرکین اس تقریر سے سخت
برہم ہوئے اور اس قدر مارا کہ آپ بیہوش ہو گئے۔ حضرت ابوبکرؓ نے بڑھ کر کہا خدا تم سے سمجھے،
کیا تم صرف اس لیے ان کو قتل کر دو گے کہ یہ ایک خدا کا نام لیتے ہیں۔ اسی طرح ایک روز

---

[۱] بخاری باب ہجرۃ النبی صلعم و اصحابہ الی المدینہ [۲] ایضاً [۳] کنز العمال جلد ۶ فضائل ابی بکر الصدیقؓ ص ۳۱۹

[۴] فتح الباری ج ۷ ص ۱۱۳

آنحضرت صلعم نماز پڑھ رہے تھے کہ اسی حالت میں عقبہ بن معیط نے اپنی چادر سے گلوے مبارک میں پھندا ڈال دیا، اس وقت اتفاقاً حضرت ابوبکرؓ پہونچ گئے اور اس ناہنجار کی گردن پکڑ کر خیر الانام علیہ السلام سے علیحدہ کیا اور فرمایا "کیا تم اسکو قتل کروگے جو تمہارے پاس خدا کی نشانیاں لایا ہے اور کہتا ہے کہ میرا رب اللہ ہے"[1]

آنحضرت صلعم اور حضرت ابوبکرؓ میں رشتۂ مصاہرت مکہ ہی میں قائم ہوا یعنی حضرت ابوبکرؓ کی صاحبزادی حضرت عائشہؓ آنحضرت کے نکاح میں آئیں، لیکن رخصتی ہجرت کے دو سال بعد ہوئی۔[2]

ہجرت حبشہ کا قصد اور واپسی! ابتداءً مشرکین قریش نے مسلمانوں کی قلیل جماعت کو چنداں اذیت نہ دی لیکن جب انہوں نے دیکھا کہ روز بروز ان کی تعداد بڑھتی جاتی ہے اور اسلام کا حلقۂ اثر وسیع ہوتا جاتا ہے تو نہایت سختی سے انہوں نے اس تحریک کا سدباب کرنا چاہا، ایذا و تکلیف رسانی کی تمام ممکن صورتیں عمل میں لانے لگے، آنحضرت صلعم نے جب اپنے جاں نثاروں کو ان مصائب میں مبتلا پایا تو فرزندان توحید کو حبش کی طرف ہجرت کی اجازت دی اور بہت سے مسلمان حبش کی طرف روانہ ہوگئے، حضرت ابوبکر صدیقؓ بھی باوجود وجاہت مالی اور امتیاز خاندانی کے اس دار و گیر سے محفوظ نہ تھے، چنانچہ حضرت طلحہ بن عبید اللہؓ ان کی دعوت و تبلیغ سے حلقہ بگوش اسلام ہوئے تو حضرت طلحہؓ کے چچا نوفل بن خویلد نے ان دونوں کو ایک ساتھ باندھ کر مارا اور حضرت ابوبکرؓ کے خاندان بنو تیم نے کچھ حمایت نہ کی، ان اذیتوں سے مجبور ہو کر آپ نے آنحضرت صلعم سے اجازت لی اور رخت سفر باندھ کر عازم حبش ہوئے، جب آپ مقام برک الغماد میں پہونچے تو ابن الدغنہ

[1] بخاری باب ما لقی النبی صلعم واصحابہ من المشرکین بمکہ۔ [2] باب تزویج النبی صلعم عائشہ۔ [3] طبقات ابن سعد قسم اول جزو ثالث صفحہ ۱۵۳ یہ واقدی کی روایت ہے۔

انہیں قارہ سے ملاقات ہوئی اُس نے پوچھا ابوبکر کہاں کا قصد ہے؟ آپ نے فرمایا کہ قوم نے
مجھے جلاوطن کر دیا ہے اب ارادہ ہے کہ کسی اور ملک کو چلا جاؤں اور آزادی سے خدا کی
عبادت کروں۔ ابن دغنہ نے کہا کہ تم سا آدمی جلاوطن نہیں کیا جا سکتا۔ تم مفلس بے نوا کی دستگیری
کرتے ہو، قرابت داروں کا خیال رکھتے ہو، مہمان نوازی کرتے ہو، مصیبت زدوں کی اعانت
کرتے ہو، میرے ساتھ واپس چلو اور اپنے وطن ہی میں اپنے خدا کی عبادت کرو۔ چنانچہ آپ
ابن الدغنہ کے ساتھ پھر واپس آئے۔ ابن الدغنہ نے قریش میں پھر کر اعلان کر دیا کہ آج سے
ابوبکر میری امان میں ہیں، ایسے شخص کو جلاوطن نہ کرنا چاہیے جو محتاجوں کی خبرگیری کرتا ہے، قرابت
کا خیال رکھتا ہے، مہمان نوازی کرتا ہے اور مصائب میں لوگوں کے کام آتا ہے۔ قریش نے ابن الدغنہ
کے امان کو تسلیم کیا لیکن قریش نے کہا ابوبکر کو کہہ دو کہ جب اور جس طرح بھی چاہے اپنے گھر میں نمازیں
پڑھیں اور قرآن کی تلاوت کریں لیکن گھر سے باہر نماز پڑھنے کی اُن کو اجازت نہیں۔ لیکن جیسا کہ
پہلے ذکر آ چکا ہے حضرت ابوبکر صدیقؓ نے عبادت الٰہی کے لیے اپنے صحن خانہ میں ایک مسجد
بنالی تھی کفار کو اس پر بھی اعتراض ہوا اور انھوں نے ابن الدغنہ کو کہہ دیا کہ ہم نے تمہاری
ذمہ داری پر ابوبکر کو اس شرط پر امان دی تھی کہ وہ اپنے مکان میں چھپ کر اپنے مذہبی فرائض ادا کریں
لیکن اب وہ صحن خانہ میں مسجد بنا کر اعلان کے ساتھ نماز پڑھتے ہیں اس سے ہم کو خوف ہے کہ
ہماری عورتیں اور بچے متاثر ہو کر اپنے آبائی مذہب سے برگشتہ ہو جائیں اس لیے تم انہیں
مطلع کر دو کہ اس سے باز آئیں ورنہ تم کو ذمہ داری سے بری سمجھیں۔ ابن الدغنہ نے حضرت
ابوبکر صدیقؓ سے جا کر کہا تم جانتے ہو کہ میں نے کس شرط پر تمہاری حفاظت کی ذمہ داری لی تھی
یا تو تم اس پر قائم رہو یا مجھے ذمہ داری سے بری سمجھو، میں نہیں چاہتا کہ عرب میں مشہور ہو کہ میں نے
کسی کے ساتھ بدعہدی کی۔ لیکن حضرت ابوبکرؓ نے نہایت استغنا کے ساتھ جواب دیا کہ مجھے

"تمام دنیا کی حاجت نہیں میرے لیے خدا اور اس کے رسول کی پناہ کافی ہے۔"

ہجرتِ مدینہ و معیت صدیق

تھا۔ مشرکین کا دستِ ستم روز بروز دراز ہوتا گیا تو آپ نے پھر دوبارہ ہجرت کا قصد کیا۔ اس وقت تک مدینہ کی سرزمین نورِ اسلام سے منور ہو چکی تھی اور وہ مسلمانوں کو نہایت خلوص و محبت کے ساتھ اپنے دامن میں پناہ دے رہی تھی اس لیے اس دفعہ آپ نے مدینہ ہی کو منزلِ مقصود قرار دیا اور ہجرت کی تیاری شروع کر دی لیکن بارگاہِ نبوت سے حکم ہوا کہ ابھی عجلت نہ کرو، امید ہے کہ خدائے پاک کی طرف سے مجھے بھی ہجرت کا حکم ہوگا۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے نہایت تعجب سے پوچھا "میرے ماں باپ آپ پر فدا، کیا آپ کو بھی ہجرت کا حکم ہوگا؟" ارشاد ہوا "ہاں" عرض کی "یا رسول اللہ! مجھے ہمراہی کا شرف نصیب ہو" فرمایا "ہاں[1] تم ساتھ چلو گے۔" غرض اس بشارت کے بعد ارادہ ملتوی ہو گیا اور چار ماہ تک منتظر رہے۔

حضرت عائشہؓ کا بیان ہے کہ آنحضرت صلعم صبح و شام حضرت ابوبکر صدیقؓ کے گھر تشریف لایا کرتے تھے لیکن ایک روز منہ چھپائے ہوئے خلاف معمول ناوقت تشریف لائے اور فرمایا کوئی ہو تو ہٹا دو، میں کچھ باتیں کرنا چاہتا ہوں، حضرت ابوبکرؓ نے عرض کی کہ گھر والوں کے سوا کوئی اور نہیں ہے، غرض اطمینان ہو گیا تو آنحضرت صلعم اندر تشریف لائے اور فرمایا کہ مجھے ہجرت کا حکم ہو گیا، حضرت ابوبکرؓ نے عرض کی "ہمراہی کی تمنا" ارشاد ہوا "ہاں تیار ہو جاؤ" وہ تو چار ماہ سے اسی انتظار میں تھے فوراً تیار ہو گئے، ام المومنین حضرت عائشہؓ اور حضرت اسماءؓ نے جلدی جلدی رختِ سفر درست کیا، حضرت اسماءؓ کو جلدی میں توشہ دان باندھنے کے لیے کوئی چیز نہیں ملی تو انہوں نے اپنا کمربند پھاڑ کر باندھا اور اسی خدمت سے ذات النطاقین کا خطاب پایا
حضرت ابوبکر صدیقؓ نے پہلے ہی سے دو اونٹ تیار کر رکھے تھے، ایک آنحضرت صلعم کی خدمت میں

[1] بخاری ج ۱ باب ہجرۃ النبی صلعم و اصحابہ الی المدینہ۔

بسر ہوئے اور یہ تمام کارروائیاں اس احتیاط سے عمل میں آئیں کہ قریش کو ذرا بھی خبر نہ ہوئی۔

اس عرصہ میں کفار بھی اپنی کوششوں سے غافل نہ تھے جس روز آنحضرت صلعم نے ہجرت فرمائی ہے اس روز قریش کی مجلس شوریٰ سے آپ کے قتل کا خونی صادر ہو چکا تھا اور تمام ضروری تدبیریں عمل میں آ چکی تھیں یعنی قتل وغیرہ ہو چکے تھے، در رات بھر کاشانہ اقدس کا محاصرہ رہا لیکن جب وقت سحر خود بخود اندر داخل ہوئے تو دیکھا کہ بستر مقدس سے خالی تھا، وہاں سے حضرت ابو بکر صدیقؓ کے دروازے پر پہنچے اور حضرت اسماءؓ سے ان کے والد کو دریافت کیا انھوں نے لاعلمی ظاہر کی تو ابو جہل نے غضبناک ہو کر زور سے ایک طمانچہ مارا اور وہاں سے یقین ہو گیا کہ وہ دونوں ایک سنسان بیابان سے روانہ ہو گئے۔

قریش نے ناکامی سے برہم ہو کر اسی وقت اعلان کیا کہ جو شخص محمد کو گرفتار کر کے لائے گا اس کو سو اونٹ انعام میں دیے جائیں گے۔ چنانچہ متعدد بہادروں نے نہایت جوش اور ولولہ سے تلاش میں آپ کی جستجو شروع کی کہ اطراف میں کوئی آبادی، ویرانہ، جنگل، پہاڑ اور سنسان میدان ایسا نہ ہوگا جس کا چپہ چپہ نہ چھان ڈالا گیا ہو۔ یہاں تک کہ ایک جماعت غار کے پاس بھی پہنچ گئی۔ اس وقت حضرت ابو بکر صدیقؓ کو نہایت اضطراب ہوا، حضرت! وہ اس قدر قریب ہیں کہ اگر وہ ذرا بھی نیچے کی طرف نگاہ کریں گے تو ہم دیکھ لیے جائیں گے۔ آنحضرت صلعم نے آپ کو تسلی دی اور فرمایا کہ مطلق غمزدہ نہ ہو صرف دو شخص نہیں ایک تیسرا بھی تھا: یعنی خدا بھی ہمارے ساتھ ہے۔ اس تسلی آمیز فقرہ سے حضرت ابو بکر صدیقؓ کو اطمینان ہو گیا اور ان کا مضطرب دل امداد غیبی کے یقین سے پر ہو گیا اور زوال خطرہ کے بعد سکون و استقلال سے لبریز ہو گیا۔ خدا کی قدرت دیکھو کہ جو شخص

سلہ بخاری ج ۱ باب بنیان الکعبہ باب ہجرۃ النبی و اصحابہ الی المدینہ۔ سلہ سیرۃ ابن ہشام ج ۱ ص ۲۹۱ و مسلم ج ۲ فضائل ابی بکر صدیق۔

اس وقت یہ شعر وردِ زبان تھا:

| | |
|---|---|
| کل امرئ مصبح فی اہلہ | والموت ادنیٰ من شراک نعلہ |

جو آدمی اس حالت کے ساتھ اپنے اہل و عیال میں صبح کرتا ہے کہ موت جوتے کے تسمے سے بھی قریب تر ہوتی ہے
حضرت عائشہؓ نے یہ حال دیکھا تو آنحضرت صلعم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور کیفیت عرض کی۔ رسول اللہ صلعم نے اسی وقت دعا کے لیے ہاتھ اٹھایا اور فرمایا:

| | |
|---|---|
| اللھم حبب الینا المدینۃ کحبنا مکۃ | اے خدا! تو مکہ کی طرح بلکہ اس سے بھی زیادہ مدینہ کی محبت ہمارے |
| او اشد وصححھا وبارک لنا فی صاعہا ومدہا | دلوں میں پیدا کر اس کو ہر بیماری سے پاک فرما اس کے صاع |
| وانقل حماہا فاجعلہا بالجحفۃ[1] | و مد میں برکت دے اور یہاں کے وبائی بخار کو جحفہ میں منتقل کر دے |

دعا مقبول ہوئی حضرت ابوبکرؓ بیماری سے اٹھ کھڑے ہوئے اور مدینہ کی ہوا مہاجرین کے لیے مکہ سے بھی زیادہ خوش آیند ہو گئی۔

**مواخات** مدینہ پہنچنے کے بعد آنحضرت صلعم نے مہاجرین و انصار کی باہمی اجنبیت و بیگانگی دور کرنے کے لیے ایک دوسرے سے بھائی چارہ کرا دیا۔ اس مواخات میں طرفین کے اعزاز و مرتبہ کا خاص طور پر لحاظ کیا گیا چنانچہ حضرت ابوبکرؓ کی برادری حضرت خارجہ بن زہیرؓ سے قائم کی گئی جو مدینہ میں ایک معزز شخصیت کے آدمی تھے۔[2]

**تعمیر مسجد** مدینہ اسلام کے لیے آزادی کی سرزمین تھی فرزندانِ توحید جو کفار کے خوف سے ادھر ادھر منتشر ہو گئے تھے آہستہ آہستہ اس مرکز پر جمع ہونے لگے اور اب آزادی و اجتماع کے ساتھ حقیقی خدا پرستی کا موقع حاصل ہوا۔ اس بنا پر رسول اللہ صلعم کو سب سے پہلے تعمیر مسجد کا خیال پیدا ہوا۔ اس کے لیے جو زمین منتخب ہوئی وہ دو یتیم بچوں کی ملکیت تھی گو اُن کے اولیا بلا قیمت

[1] بخاری باب مقدم النبی صلعم و اصحابہ المدینہ [2] اسد الغابہ تذکرہ خارجہ بن زہیر

صلح حدیبیہ میں جو معاہدہ ہوا بظاہر وہ کفار کے حق میں زیادہ مفید تھا اسی بنا پر حضرت عمرؓ
نہایت مضطرب ہوئے اور حضرت ابو بکر صدیقؓ سے کہا کہ اس کا مقصد کیونکر صلح کی جاتی ہے؟
حضرت ابو بکرؓ محرم اسرار نبوت تھے فرمایا کہ آنحضرت صلعم خدا کے رسول برحق ہیں آپ اس کی
نافرمانی نہیں کر سکتے ۔ ۔ وہ ہر وقت آپ کا معین و ناصر ہے[۱]

اس معاہدہ کے باعث قریش کی طرف سے گونہ اطمینان ہوا تو سنہ ۷ھ میں خیبر پر فوج کشی ہوئی
پہلے حضرت ابو بکرؓ سپہ سالار تھے لیکن درحقیقت یہ کارنامہ حضرت علیؓ کے لیے مقدر ہو چکا تھا خیبر
حضرت علیؓ کے ہاتھ پر مفتوح ہوا اور حضرت ابو بکرؓ اسی سال ماہ شعبان میں بنی کلاب کی سرکوبی کیلئے
مامور ہوئے وہاں سے کامیابی کے ساتھ واپس آئے تو بنو فزارہ کی تنبیہ کے لیے ایک جماعت کے
ساتھ روانہ کیے گئے اور بہت سے قیدی اور مال غنیمت کے ساتھ واپس آئے[۲]

قریش مکہ کی عہد شکنی کے باعث سنہ ۸ھ میں رسول اللہ صلعم نے دس ہزار کی جمعیت سے
مکہ کا قصد فرمایا اور فتح کیا نہایت جاہ و جلال سے داخل ہوئے حضرت ابو بکرؓ بھی ہمراہ تھے اور مکہ میں پہنچکر
اپنے والد ابو قحافہ عثمان بن عامر کو دربار نبوت میں پیش کیا آنحضرت صلعم نے نہایت شفقت کے ساتھ
ان کے سینہ پر ہاتھ پھیر کر نور ایمان سے مشرف فرمایا[۳]

فتح مکہ سے واپسی کے وقت ہوازن سے جنگ ہوئی جو غزوۂ حنین کے نام سے مشہور ہے
حضرت ابو بکرؓ اس میں بھی ثابت قدم اصحاب کی صف میں شامل تھے حنین سے بڑھ کر طائف کا
محاصرہ ہوا حضرت ابو بکرؓ کے فرزند حضرت عبداللہؓ اسی محاصرہ میں عبداللہ بن محجن ثقفی کے تیر سے
زخمی ہوئے اور یہ زخم کاری بالآخر حضرت ابو بکرؓ کے اوائل خلافت میں ان کی شہادت کا باعث ہوا[۴]

۱ بخاری کتاب الشروط ۔ باب الشروط فی الجہاد ۔ ۲ اسد الغابہ ۔ بخاری باب مناقب علی بن ابی طالب
۳ طبقات جلد ۲ ۔ ۔ ۔ ۔ اسد الغابہ ترجمہ ابو قحافہ عثمان بن عامر ۔ ۴ اسد الغابہ
ترجمہ عبداللہ بن ابی بکر الصدیقؓ

سنہ ۹ھ میں افواہ پھیلی کہ قیصر روم عرب پر حملہ آور ہونا چاہتا ہے چونکہ مسلسل جنگوں کے باعث
یہ نہایت عسرت و تنگ حالی کا زمانہ تھا اس لیے رسول اللہ صلعم نے جنگی تیاریوں کے لیے صحابہ کرام
کو انفاق فی سبیل اللہ کی ترغیب دی چنانچہ تمام صحابہ نے حسب حیثیت اس میں شرکت کی حضرت
عثمانؓ نے بہت کچھ دیا لیکن اس موقع پر بھی حضرت ابوبکرؓ نے پیشقدمی کی اور جو کچھ تھا سب لاکر آنحضرت
صلعم کے سامنے ڈال دیا آپ نے دریافت فرمایا کہ تم نے اہل وعیال کے لیے کیا چھوڑا ہے عرض کیا
ان کے لیے اللہ اور اس کا رسول بس ہے۔ غرض انہیں سرمایوں سے ایک عظیم الشان فوج تیار
ہو گئی اور حدود شام کی طرف بڑھی لیکن تبوک پہنچکر خبر غلط نکلی اور سب لوگ واپس آگئے۔

امارت حج

اسی سال یعنی سنہ ۹ھ میں آنحضرت صلعم نے حضرت ابوبکرؓ کو امارت حج کے منصب
پر مامور فرمایا اور ہدایت کی کہ منیٰ کے عظیم الشان اجتماع میں اعلان کر دیں کہ اس سال کے
بعد کوئی مشرک حج نہ کرے اور نہ کوئی برہنہ شخص خانہ کعبہ کا طواف کرے۔ چونکہ سورۂ برأت
اسی زمانہ میں نازل ہوئی تھی اور حضرت علیؓ حج کے موقع پر اس کو سنانے کے لیے بھیجے
گئے تھے اس لیے بعضوں کو یہ شک پیدا ہو گیا ہے کہ امارت حج کی خدمت بھی حضرت ابوبکرؓ
سے لیکر حضرت علیؓ ہی کو تفویض کی گئی تھی لیکن یہ شبہ غلط ہے کیونکہ یہ دو مختلف خدمتیں تھیں
چنانچہ خود حضرت علیؓ کی ایک روایت سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ اس شرف
کے تنہا مالک تھے۔

---

[1] ابو داؤد کتاب الزکوٰۃ فضل عمر۔ [2] طبقات ابن سعد حصہ مغازی۔ [3] بخاری باب حج ابی بکر
بالناس فی سنہ تسع۔ [4] فتح الباری ج ۸ صفحہ ۲۴۰

# آنحضرت صلعم کی وفات

اور

# حضرت ابوبکر صدیقؓ کی خلافت

سنہ ۱۰ ہجری میں رسول اللہ صلعم حجۃ الوداع کے لیے تشریف لے گئے حضرت ابوبکرؓ بھی ساتھ تھے اس سفر سے واپس آنے کے بعد آپ نے ایک مفصل خطبہ دیا اور فرمایا "خدا نے ایک بندہ کو دنیا اور عقبیٰ کے درمیان اختیار دیا تھا لیکن اس نے عقبیٰ کو دنیا پر ترجیح دی" حضرت ابوبکرؓ یہ سنکر رونے لگے تو لوگوں کو سخت تعجب ہوا کہ یہ رونے کا کون سا موقع تھا لیکن درحقیقت انکی فراست اس کنایہ کی تہ تک پہونچ گئی تھی اور وہ سمجھ گئے تھے کہ بندہ سے مراد خود ذات نبوی صلعم ہے چنانچہ اس تقریر کے بعد ہی آنحضرت صلعم بیمار ہوئے اور مرض روز بروز بڑھتا گیا یہانتک کہ مسجد میں تشریف لانے سے بھی معذور ہوگئے تو حکم ہوا کہ ابوبکرؓ امامت کی خدمت انجام دیں حضرت عائشہؓ کو خیال ہوا کہ لوگ امامت کا منصب حضرت ابوبکرؓ کو ملا دیکھینگے تو وہ منحوس خیال ہو جائیں گے اسلیے انھوں نے خود اور حفصہؓ کی تحریک سے حضرت حفصہؓ نے بارگاہ نبوت میں عرض کی کہ ابوبکرؓ نہایت رقیق القلب ہیں اس لیے یہ منصب حضرت عمرؓ کو عطا کیا جائے لیکن آنحضرت صلعم نے ابوبکرؓ کی امامت کے لیے اصرار کے ساتھ حکم دیا اور برہم ہوکر فرمایا "تم وہی ہو جنھوں نے یوسف کو دھوکا دینا چاہا تھا"[1]

حضرت ابوبکرؓ کو جب اس حکم نبوی کی اطلاع ہوئی تو انھوں نے حضرت عمرؓ سے فرمایا کہ تم پڑھاؤ انھوں نے کہا آپ مجھ سے زیادہ مستحق ہیں غرض اس روز حضرت ابوبکر ہی نماز

[1] بخاری باب فضائل صدیق ص ۵۱۶ جلد ۱ و بخاری باب اہل العلم والفضل احق بالامامۃ ص ۹۳ جلد ۱

پڑھاتے رہے۔ ایک روز بدستور معمول نماز پڑھا رہے تھے کہ رسول اللہ صلعم تشریف لائے۔
حضرت ابوبکرؓ نے آنحضرت صلعم کو دیکھ کر پیچھے ہٹنا چاہا لیکن آپ نے اشارہ سے منع فرمایا،
اور خود اُن کے داہنے پہلو میں بیٹھ کر نماز ادا کی۔[1]

۱۲ ربیع الاول دوشنبہ کے روز جس دن آنحضرت صلعم نے وفات پائی حضرت
ابوبکرؓ حسب معمول نماز پڑھا رہے تھے آنحضرت صلعم نے حجرہ کا پردہ اٹھا کر دیکھا اور خوش ہوکر مسکرائے
تو حضرت ابوبکرؓ نے اس خیال سے کہ شاید آپ نماز کے لیے تشریف لانا چاہتے ہیں پیچھے ہٹنا چاہا،
لیکن اشارہ سے حکم ہوا کہ نماز پوری کرو اور حجرہ کا پردہ گرا دیا۔[2] چونکہ اس روز بظاہر آنحضرت صلعم کے
مرض میں افاقہ معلوم ہوتا تھا اس لیے حضرت ابوبکرؓ نماز کے بعد اجازت لیکر مقام سنح کو چلے گئے جہاں
اُن کی زوجہ محترمہ حضرت حبیبہ بنت خارجہ رہتی تھیں تشریف لے گئے۔[3]

حضرت ابوبکر صدیقؓ سنح سے واپس آئے تو رسول اللہ صلعم کا وصال ہوچکا تھا اور مسجد کے
دروازہ پر ایک ہنگامہ برپا تھا لیکن وہ کسی سے کچھ نہ بولے اور سیدھے حضرت عائشہؓ کے مکان
میں داخل ہوکر اپنے محبوب آقا کے نورانی چہرہ کو بے نقاب کیا پیشانی پر بوسہ دیا اور رو کر کہا،[4]

بابی انت وامی واللہ لا یجمع اللہ علیک — میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں خدا کی قسم آپ پر دو موتیں
موتتین اما الموتۃ التی کتبت علیک فقد — جمع نہ کرے گا جو موت آپ کے لیے مقدر تھی وہ
متہا ثم لن تصیبک بعدہا موتۃ ابدا — آپ کو آچکی اب اس کے بعد کبھی آپ کو موت نہ آئے گی۔

پھر چادر ڈال کر باہر تشریف لائے یہاں حضرت عمرؓ تقریر کر رہے تھے اور قسم کھا کھا کر رسول
کے انتقال سے انکار کر رہے تھے حضرت ابوبکرؓ نے یہ حال دیکھا تو فرمایا عمر تم چپ رہو لیکن

[1] بخاری باب من قام الی جنب الامام ... [2] بخاری باب اہل العلم والفضل احق بالامامۃ [3] ...
[4] باب الدخول علی المیت بعد الموت الخ

حضرت ابو بکرؓ حضرت عمرؓ کو ساتھ لیے ہوئے سقیفہ بنی ساعدہ میں پہونچے انصار نے دعویٰ
کیا کہ ایک امیر ہمارا ہو اور ایک تمھارا، ظاہر ہے کہ اس دو عملی کا نتیجہ کیا ہوتا؟ ممکن تھا کہ مسند خلافت
مستقل طور پر حضرات انصار ہی کے سپرد کر دی جاتی لیکن دقت یہ تھی کہ قبائل عرب خصوصاً
قریش ان کے سامنے گردن اطاعت خم نہیں کر سکتے تھے، پھر انصار میں بھی دو گروہ تھے
اوس اور خزرج اور ان میں باہم اتفاق نہ تھا غرض ان دقتوں کو پیش نظر رکھکر حضرت ابو بکرؓ
نے کہا امرا ہماری جماعت سے ہوں اور وزرا تمھاری جماعت سے، اس پر حضرت حباب
بن المنذر انصاری بول اٹھے "نہیں واللہ کی قسم نہیں! ایک امیر ہمارا ہو اور ایک تمھارا"
حضرت ابو بکرؓ نے یہ جوش و خروش دیکھا تو نرمی و آشتی کے ساتھ انصار کے فضائل و محاسن کا
اعتراف کر کے فرمایا "صاحبو! مجھے آپکے محامد سے انکار نہیں، لیکن درحقیقت تمام عرب قریش کے
سوا اور کسی کی حکومت تسلیم ہی نہیں کر سکتا، پھر مہاجرین اپنے تقدم اسلام اور رسول اللہ صلعم سے
خاندانی تعلقات کے باعث نسبتاً آپ سے زیادہ استحقاق رکھتے ہیں یہ دیکھو عبیدہ بن الجراح
اور عمر بن الخطاب موجود ہیں ان میں سے جسکے ہاتھ پر چاہو بیعت کر لو" لیکن حضرت عمرؓ نے
پیش دستی کر کے خود حضرت ابو بکرؓ کے ہاتھ میں ہاتھ دیدیا اور کہا "نہیں! بلکہ ہم آپ کے ہاتھ پر بیعت
کرتے ہیں کیونکہ آپ ہمارے سردار اور ہم لوگوں میں سب سے بہتر ہیں اور رسول اللہ صلعم آپ کو
سب سے زیادہ عزیز رکھتے تھے"[1] چونکہ اس مجمع میں حضرت ابو بکرؓ سے زیادہ کوئی بااثر بزرگ اور
معمر نہ تھا اس لیے اس انتخاب کو سب نے استحسان کی نگاہ سے دیکھا اور تمام خلقت بیعت کیلیے
ٹوٹ پڑی اس طرح یہ اٹھتا ہوا طوفان دفعۃً رک گیا اور لوگ رسول اللہ صلعم کی تجہیز و تکفین میں مشغول
ہو گئے۔

[1] بخاری جلد ۱ صفحہ [illegible]

اس فرض سے فارغ ہونے کے بعد دوسرے روز مسجد میں بیعت عامہ ہوئی اور حضرت ابوبکر صدیقؓ نے منبر پر بیٹھ کر ان الفاظ میں اپنے آئندہ طرز عمل کی توضیح فرمائی

| | |
|---|---|
| ایہا الناس فانی قد ولیت علیکم ولست | صاحبو! میں تم پر حاکم بنایا گیا ہوں حالانکہ میں تم لوگوں میں |
| بخیرکم فان احسنت فاعینونی وان اسأت | سب سے بہتر نہیں ہوں، اگر میں اچھا کام کروں تو میری اعانت کرو |
| فقومونی الصدق امانۃ والکذب خیانۃ | اور اگر برائی کی طرف جاؤں تو مجھے سیدھا کر دو۔ سچائی امانت |
| والضعیف فیکم قوی عندی حتی ازیح | اور کذب خیانت ہے۔ تمہارا ضعیف فرد بھی میرے |
| علتہ ان شاء اللہ والقوی فیکم | نزدیک قوی ہے یہاں تک کہ میں اس کا حق دلوا دوں |
| ضعیف عندی حتی آخذ الحق منہ ان شاء اللہ | ان شاء اللہ۔ اور تمہارا قوی فرد بھی میرے نزدیک ضعیف ہے |
| لا یدع قوم الجہاد فی سبیل اللہ الا ضربہم | یہاں تک کہ میں اس سے حق دلوا دوں۔ جو قوم جہاد فی سبیل اللہ چھوڑ |
| اللہ بالذل ولا تشیع الفاحشۃ فی قوم قط الا عمہم | دیتی ہے خدا اس کو ذلیل و خوار کر دیتا ہے اور جس قوم میں |
| اللہ بالبلاء اطیعونی ما اطعت اللہ ورسولہ | بدکاری پھیلتی ہے خدا اس پر مصیبت نازل کرتا ہے۔ اگر میں خدا اور رسول کی |
| فاذا عصیت اللہ ورسولہ فلا طاعۃ لی | اطاعت کروں تو میری اطاعت کرو لیکن جب خدا اور رسول کی نافرمانی |
| علیکم قوموا الی صلاتکم یرحمکم اللہ[1] | کروں تو تم پر میری اطاعت نہیں، نماز کے لئے |

حضرت علیؓ کی بیعت: گو تمام مسلمانوں نے حضرت ابوبکرؓ کے ہاتھ پر بیعت کر لی تھی اور وہ باقاعدہ مسند خلافت پر متمکن ہو گئے تھے مگر حضرت علیؓ اور ان کے ساتھ بعض دوسرے صحابہ نے کچھ دنوں تک بیعت میں تاخیر کی۔ اس توقف نے تاریخ اسلام میں عجیب و غریب بحث پیدا کر دی ہے جن کی تفصیل کے لئے اس اجمال کی گنجائش نہیں۔ ممکن ہے کہ حضرت علیؓ رسول اللہ صلعم سے اپنے مخصوص تعلقات کی بنا پر خلافت کے آرزومند ہوں اور اس انتخاب کو اپنی حق تلفی سمجھتے ہوں، تاہم ان کا یہ توقف

[1] طبقات ابن سعد ج ۳ ق ۱ ص ۱۲۹

دل نفسانیت سے پاک تھا اس لیے کسی طرح قیاس میں نہیں آتا کہ محض اسی لڑائی کو جو ایک
جمہور مسلمانوں سے اختلاف پر مائل ہوا ہو اس بنا پر دیکھنا چاہیے کہ خود حضرت علیؓ نے اس
توقف کی کیا وجہ بیان کی ہے ابن سعد کی روایت ہے؛

عن محمد بن سیرین قال لما بویع ابوبکر ابطأ علی فی بیعته وجلس فی بیته فبعث الیه ابوبکر ما ابطأ بک عنی اکرهت امارتی قال علی ما کرهت امارتک ولکن آلیت ان لا ارتدی بردائی الا الی صلوٰۃ حتی اجمع القرآن[1]

محمد بن سیرین کی روایت ہے کہ جب ابوبکر کی بیعت ہوگئی تو علیؓ نے بیعت میں دیر کی اور خانہ نشین رہے ابوبکرؓ نے کہلا بھیجا کہ کس چیز نے آپ کو میری بیعت سے باز رکھا کیا آپ میری امارت کو ناپسند کرتے ہیں؟ علیؓ نے کہا میں آپکی امارت کو ناپسند نہیں کرتا لیکن میں نے قسم کھالی ہے کہ جب تک قرآن جمع نہ کرلوں نماز کے سوا اپنی چادر نہیں اوڑھونگا

اس روایت سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ بیعت میں دیر ہو جانے کی حقیقی وجہ کیا تھی؟

ایک وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ باغ فدک اور مسئلہ وراثت کے جھگڑوں نے (جس کا تذکرہ آئندہ آئیگا)
خلیفہ اول کی طرف سے حضرت فاطمہؓ کے دل میں کسی قدر ملال پیدا کر دیا تھا اس لیے ممکن ہے
کہ حضرت علیؓ نے محض اُن کے پاس خاطر سے بیعت میں دیر کی ہو چنانچہ جب ان کا انتقال ہوگیا تو
حضرت علیؓ نے حضرت ابوبکرؓ کو بلا کر اُن کے فضل و شرف کا اعتراف فرمایا اور کہا کہ خدا نے
آپ کو جو درجہ عطا کیا ہے ہم اس پر حسد نہیں کرتے لیکن خلافت کے معاملہ میں ہماری حق تلفی ہوئی
کیونکہ رسول اللہ صلعم سے قرابت یا رشتہ داری کی بنا پر ہم اس میں اپنا حصہ رکھتے تھے حضرت علیؓ
نے اس کو کچھ اس انداز سے کہا کہ خلیفہ اول کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے اور جواب دیا قسم ہے
اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ میں اپنے رشتہ داروں سے رسول اللہ صلعم کے

[1] طبقات ابن سعد ج ۳ ق ۱ ص ۱۰۱

رشتہ داروں کو زیادہ عزیز رکھتا ہوں۔ ہاں آنحضرتؐ کی متروکہ جائداد کا جھگڑا اس میں میں نے رسول اللہ صلعم کے طرز عمل سے سرمو انحراف نہیں کیا۔ غرض اصلاح و صفائی کے بعد شکوہ و گلہ سے دونوں آئینۂ دل صاف ہو گیا اور بعد نماز ظہر حضرت ابوبکرؓ نے مجمع عام میں حضرت علیؓ کی طرف سے عذر خواہی کی اور حضرت علیؓ نے خاندان رسالت میں ان کے فضل و شرف کا اعتراف کیا۔

## خلافت

حضرت ابوبکر صدیقؓ کو مسند آرائے خلافت ہوتے ہی اپنے سامنے متعدد مشکلات اور خطرات کا ایک پہاڑ نظر آنے لگا۔ ایک طرف مدعیان نبوت اٹھ کھڑے ہوئے تھے دوسری طرف مرتدین اسلام کی ایک جماعت علم بغاوت بلند کیے ہوئے تھی۔ منکرین زکوٰۃ نے علیحدہ شورش بپا کر رکھی تھی۔ ان دشواریوں کے ساتھ حضرت اسامہ بن زیدؓ کی مہم بھی درپیش تھی جن کو آنحضرت صلعم نے اپنی حیات ہی میں شام پر حملہ آور ہونے کا حکم دیا تھا۔ اس مہم کے متعلق صحابہ کرامؓ نے رائے دی کہ اس کو ملتوی کر کے پہلے مرتدین و کذاب مدعیان نبوت کا قلع قمع کیا جائے لیکن خلیفۂ اول کی جرأت طبیعت نے گوارا نہ کیا کہ ارادۂ نبوی اور حکم رسالتمآب صلعم معرض التوا میں پڑ جائے اور جو علم رسول اللہ صلعم کی ایما سے روم کے مقابلہ کے لیے بلند کیا گیا تھا اس کو کسی دوسری جانب حرکت دی جائے۔ چنانچہ آپ نے برہم ہو کر فرمایا۔ خدا کی قسم اگر مدینہ اس طرح آدمیوں سے خالی ہو جائے کہ درندے آکر میری ٹانگ گھسیٹنے لگیں جب بھی میں اس مہم کو روک نہیں سکتا۔[1]

اسامہ بن زید کی مہم

غرض خلیفۂ اول نے خطرات و مشکلات سے [illegible] حضرت اسامہؓ کو

[1] بخاری باب غزوۂ خیبر جلد ۲ تاریخ الخلفاء ص [illegible]

ان کی نبوت پھیلتی جاتی تھی چنانچہ طلیحہ بن خویلد نے اپنے اطراف میں علم نبوت بلند کیا تھا بنو غطفان اسکی مدد پر تھے اور عیینہ بن حصن فزاری ان کا سردار تھا۔ اسی طرح اسود عنسی نے یمن میں اور مسیلمہ بن حبیب نے یمامہ میں نبوت کا دعوی کیا تھا۔ مرد تو مرد یہ ایسا مرض عام ہو گیا تھا کہ عورتوں کے سر میں بھی نبوت کا سودا سما گیا تھا چنانچہ سجاح بنت حارث تمیمیہ نے نہایت نمود و طمطراق کے ساتھ نبوت کا دعوی کیا تھا اور اشعث بن قیس اس کا داعی خاص تھا۔ سجاح نے آخر میں اپنی نبوت مضبوط کرنے کے لیے مسیلمہ سے شادی کر لی تھی۔ خلاصہ یہ کہ یہ مرض اسطرح تمام عرب میں پھیل گیا تھا۔ اور اس کے انسداد کی نہایت سخت ضرورت تھی۔ اس بنا پر حضرت ابوبکر صدیق رضؓ نے خاص طور پر اسی کی طرف توجہ کی اور صحابہ کرامؓ سے مشورہ کیا کہ اس مہم کے لیے کون شخص زیادہ موزوں ہوگا۔ حضرت علیؓ کا نام لیا گیا لیکن وہ اس وقت تک تمام تعلقات دنیاوی سے کنارہ کش تھے اس لیے قرعہ انتخاب حضرت خالد بن ولیدؓ کے نام نکلا چنانچہ وہ ۱۱ھ میں حضرت ثابت بن قیس انصاریؓ کے ساتھ مہاجرین و انصار کی ایک جمعیت لیکر مدعیان نبوت کی سرکوبی کے لیے روانہ ہوئے [1]

حضرت خالد بن ولیدؓ نے سب سے پہلے طلیحہ کی جماعت پر حملہ کرکے اسکے متبعین کو قتل کیا۔ اور عیینہ بن حصن کو گرفتار کرکے دوسرے تیس قیدیوں کے ساتھ مدینہ روانہ کیا اور عیینہ بن حصن نے مدینہ پہنچکر اسلام قبول کر لیا لیکن طلیحہ شام کی طرف بھاگ گیا اور وہاں سے عذر خواہی کے طور پر دو شعر لکھ بھیجے اور تجدید اسلام کرکے حلقہ مومنین میں داخل ہو گیا۔

مسیلمہ کذاب کی بیخ کنی کے لیے حضرت شرحبیل بن حسنہؓ روانہ کیے گئے لیکن قبل اس کے کہ وہ حملہ کی ابتدا کریں حضرت خالد بن ولیدؓ کو ان کی اعانت کے لیے روانہ کیا

---

[1] تاریخ طبری صفحہ ۱۸۰۰ تا ۱۸۹۰ تاریخ یعقوبی جلد ۲ ص ۱۴۸

بزرگ نے حضرت ابوبکر صدیقؓ سے کہا کہ آپ ایک ایسی جماعت کے خلاف کس طرح جنگ کر سکتے ہیں جو توحید و رسالت کا اقرار کرتی ہے اور صرف زکوٰۃ کی منکر ہے، لیکن خلیفہ اول کا عزم متزلزل ارادہ و استقلال اختلاف آراء سے مطلق متاثر نہ ہوا، اور صاف کہدیا خدا کی قسم اگر ایک بکری کا بچہ بھی جو رسول اللہ صلعم کو دیا جاتا تھا کوئی دینے سے انکار کرے گا تو میں اُسکے خلاف جہاد کروں گا۔ اس تشدد کا نتیجہ یہ ہوا کہ تھوڑی ہی تنبیہ کے بعد تمام منکرین خود زکوٰۃ لے کر بارگاہ خلافت میں حاضر ہوئے اور پھر حضرت عمرؓ کو بھی حضرت صدیقؓ کی اصابت رائے کا اعتراف کرنا پڑا۔

**جمع و ترتیب قرآن** مدعیان نبوت و مرتدین اسلام کے مقابلہ میں بہت سے حفاظ قرآن مجید خصوصاً یمامہ کی خونریز جنگ میں متعدد صحابۂ کرام کام آئے کہ حضرت عمرؓ کو اندیشہ ہو گیا کہ اگر صحابہ کی شہادت کا یہی سلسلہ قائم رہا تو قرآن شریف کا بہت حصہ ضائع ہو جائیگا، اس بنا پر اُنھوں نے خلیفۂ اول سے قرآن شریف کے جمع و ترتیب کی تحریک کی۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ کو پہلے عذر ہوا کہ جس کام کو رسول اللہؐ نے نہیں کیا ہے اُسکو میں کس طرح کروں، حضرت عمرؓ نے کہا کہ یہ کام اچھا ہے، دوران کے بار بار کے اصرار سے حضرت ابوبکر صدیقؓ کے ذہن میں بھی یہ بات آگئی، چنانچہ اُنھوں نے حضرت زید بن ثابتؓ کو جو عہد نبوت میں کاتب وحی تھے قرآن شریف کے جمع کرنے کا حکم دیا، پہلے اُن کو بھی اس کام میں عذر ہوا لیکن پھر اسکی مصلحت سمجھ میں آگئی اور نہایت کوشش و احتیاط کے ساتھ تمام متفرق اجزا کو جمع کر کے ایک کتاب کی صورت میں مدون کیا۔

**ایک غلط فہمی کا ازالہ** قرآن شریف کی جمع و ترتیب کے متعلق ایک عام غلط فہمی ہے کہ عہد نبوی

---

سلہ بخاری ج ۲ ص [illegible] سلہ بخاری جلد ۲ صفحہ [illegible]

میں کلام مجید کی آیتوں اور سورتوں میں باہم کوئی ترتیب نہ تھی اور نہ سورتوں کے نام وضع
ہوئے تھے اس لیے عہد صدیقی میں جو کام انجام پایا وہ انھیں آیات و سور کو باہم مرتب کرنا
تھا لیکن یہ ایک خطرناک غلطی ہے۔ درحقیقت جس طرح قرآن کی ہر ایک آیت الہامی ہے
اسی طرح آیات و سور کی باہمی ترتیب اور سورتوں کے نام بھی الہامی ہیں اور خود صاحب وحی و
الہام کی زندگی میں یہ تمام کام انجام پاچکے تھے چنانچہ ہم اس بحث کو کسی قدر تفصیل کے ساتھ
لکھتے ہیں؛

آیات و سور عہد نبوت میں مرتب ہو چکے تھے

قرآن شریف کی آیتیں ہمیشہ کسی خاص واقعہ اور ضرورت کے
پیش آجانے پر نازل ہوتی تھیں اور صحابہؓ ان کو کھجور کی شاخ، ہڈی، جھلی اور پتھر کی تختی یا کسی اور
قسم کے کاغذ پر لکھ لیتے تھے اور آنحضرت صلعم کی ہدایت کے مطابق خاص طور پر ترتیب دیتے جاتے
تھے جب ایک سورہ ختم ہوجاتی تو علیحدہ نام سے موسوم ہوجاتی تھی اور پھر دوسری شروع ہوجاتی تھی
کبھی ایک ساتھ دو سورتیں نازل ہوتیں اور آنحضرت صلعم دونوں کو الگ الگ لکھواتے جاتے
غرض اس طرح آپ کے زمانہ ہی میں سورتیں مدون و مرتب ہوچکی تھیں اور ان کے نام بھی قرار
پاچکے تھے حدیثوں میں ذکر آتا ہے کہ آنحضرتؐ نے نماز میں فلاں فلاں سورتیں پڑھیں یا فلاں
سورۃ سے فلاں سورۃ تک تلاوت فرمائی، صحیح بخاری میں ہے کہ آنحضرتؐ نے مغرب میں سورۂ
اعراف بھی پڑھی اور حدیثوں میں تصریح آیا ہے کہ آپ نے نماز میں بقرہ آل عمران اور نساء
پڑھی سورۂ فتح اور سورۂ اخلاص کے ذکر سے تو شاید حدیث کی کوئی کتاب خالی ہوگی اس لیے
اب دیکھنا چاہیے کہ حضرت ابوبکرؓ کے زمانہ میں کیا خدمت انجام پائی؛

حضرت ابوبکرؓ نے قرآن کے متفرق اجزاء کو صرف ایک کتابی صورت میں جمع کردیا

علامہ حافظ ابن حجر بخاری کی شرح میں فرماتے ہیں؛

فقد علم مما تقدم ان القرآن کان مجموعاً فی الصحف قولہ [illegible] قرآن شریف میں وسبیہ قول

| یعنی صحف میں جمع فرمایا تاکہ قرآن محفوظ ہو جائے | ثبت في صحفها مجموعة الآي |
| --- | --- |
| قرآن شریف صحیفوں میں لکھا ہوا ضرور تھا لیکن متفرق | وكان القرآن مكتوباً في الصحف لكن كانت |
| تھا حضرت ابوبکرؓ نے ایک جگہ جمع کر دیا پھر ان کے بعد | متفرقة فجمعها ابوبكر في مكان واحد ثم |
| محفوظ رہا یہاں تک کہ حضرت عثمانؓ نے متعدد نسخے | كانت بعد محفوظة الى ان امر عثمان |
| نقل کرا کے دوسرے شہروں میں روانہ کر دیئے | بالنسخ منها فنسخ منها عدة مصاحف وارسل بها الى الامصار[۱] |

اس تصریح سے صاف ظاہر ہو گیا کہ حضرت ابوبکرؓ کے حکم سے حضرت زیدؓ نے حضرت قرآن شریف کے متفرق اجزا کو جمع کر کے ایک کتاب کی صورت میں مدون کر دیا تھا

صحیفۂ صدیقی کب تک محفوظ رہا | حضرت زید بن ثابت کا مدون کیا ہوا نسخہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے خزانہ میں محفوظ رہا، اس کے بعد حضرت عمرؓ کے تصرف میں آیا، حضرت عمرؓ نے ام المومنین حضرت حفصہؓ کے حوالہ فرما دیا اور وصیت کر دی کہ کسی شخص کو نہ دیں البتہ جسکو نقل کرنا یا اپنا نسخہ صحیح کرنا ہو وہ اس سے فائدہ اٹھا سکتا ہے، چنانچہ حضرت عثمانؓ نے اپنے عہد میں حضرت حفصہؓ سے عاریۃً لیکر چند نسخے نقل کرائے اور دوسرے مقامات میں روانہ کئے، لیکن اصل نسخہ بدستور حضرت حفصہؓ کے پاس محفوظ رہا، جب مروان مدینہ کا حاکم ہوا تو اس نے اس نسخہ کو حضرت حفصہؓ سے لینا چاہا لیکن انہوں نے دینے سے انکار کر دیا اور تا حیات اپنے پاس محفوظ رکھا، ان کے انتقال کے بعد مروان نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے لیکر اس کو ضائع کر دیا[۲]

## فتوحات

جزیرہ نمائے عرب کی سرحد دنیا کی دو عظیم الشان سلطنتوں سے ٹکراتی تھی ایک طرف

۱؎ فتح الباری جلد ۹ ص ۱۰ ۲؎ ایضاً ص ۱۰

سنہ ۹ھ میں آنحضرت صلعم نے اسی خطرہ کے تقدم کے خیال سے حضرت اسامہ بن زیدؓ کو شام کی مہم پر مقرر فرمایا تھا

غرض ان تمام واقعات سے یہ ظاہر کرنا مقصود ہے کہ عرب ہمیشہ سے ان دونوں ہمسایہ سلطنتوں کا ہدف رہا تھا خصوصاً اسلام کی روز افزوں ترقی نے انھیں اور بھی مشکوک کر دیا تھا جو اس عربی نونہال کے لیے صد درجہ خطرناک تھا۔ خلیفہ اول نے انھیں اسباب کی بنا پر اندرونی جھگڑوں سے فراغت پاتے ہی بیرونی دشمنوں سے مقابلہ کی تیاریاں شروع کر دیں۔

مہم عراق

اس زمانہ میں ایرانی سلطنت انقلاب حکومت و طوائف الملوکی کے باعث اپنی پہلی عظمت و شان کو کھو چکی تھی۔ یزدگرد شہنشاہ ایران نابالغ تھا اور ایک عورت پوران دخت اس کی طرف سے تخت کیانی پر متمکن تھی عراق کے عربی قبائل جو ہمیشہ ایسے موقعوں سے فائدہ اٹھانے کے عادی تھے نہایت زور شور کے ساتھ اٹھے اور قبیلہ وائل کے دو سردار مثنیٰ شیبانی و سوید عجلی نے تھوڑی تھوڑی سی جمعیت بہم پہنچا کر حیرہ و ابلہ کے نواح میں غارتگری شروع کر دی

مثنیٰ اسلام لا چکے تھے۔ انھوں نے دیکھا کہ وہ تنہا اس عظیم الشان حکومت کا مقابلہ نہیں کر سکتے اس لیے بارگاہ خلافت میں حاضر ہو کر باقاعدہ فوج کشی کی اجازت حاصل کی اور اپنے تمام قبیلہ کو لیکر ایرانی سرحد میں گھس گئے۔ اس وقت تک حضرت خالد بن ولیدؓ یمامہ بنو حنیفہ و مرتدین کی بیخ کنی سے فارغ ہو چکے تھے اس لیے حضرت ابوبکر صدیقؓ نے انکو ایک جمعیت کے ساتھ مثنیٰ کی کمک پر روانہ فرمایا

حضرت خالد بن ولیدؓ نے پہنچنے کے ساتھ ہی جنگ کی صورت بدل دی اور ابتداً کسکر وغیرہ فتح کرتے ہوئے شاہان عجم کے حدود میں داخل ہو گئے۔ یہاں شاہ جابان سے

مقابلہ کیا اور انکو شکست دی پھر حیرہ کے بادشاہ نعمان سے جنگ آزما ہوئے نعمان نے ہزیمت اُٹھا کر دامن بھاگ گیا۔ یہاں سے خورنق پہونچے لیکن اہل خورنق نے مصلحت اندیشی کو راہ دے کر ستر ہزار یا ایک لاکھ درہم خراج پر مصالحت کر لی۔ غرض بطرح حیرہ کا پورا علاقہ زیر نگین ہو گیا۔[1]

حدود شام عراق کا ابھی آغاز ہی ہوا تھا کہ دوسری طرف سرحد شام پر جنگ چھڑ گئی حضرت ابوبکرؓ نے سنہ ۱۳ھ میں صحابہ کرام کے مشورہ لینے کے بعد شام پر کئی طرف سے لشکر کشی کا انتظام کیا اور ہر ایک علاقہ کے لیے مخصوص علیحدہ فوج مقرر کر دی۔ چنانچہ حضرت ابو عبیدہؓ حمص پر، یزید بن ابی سفیانؓ دمشق پر، شرحبیل بن حسنہؓ اردن پر، اور عمرو بن العاصؓ فلسطین پر مامور ہوئے۔ مجاہدین کی مجموعی تعداد ...۲۷ ہزار تھی۔ ان سرداروں کو سرحد سے نکلنے کے بعد قدم قدم پر رومی جتھے ملے جنکو قیصر نے پہلے ہی سے الگ الگ ہر ایک سردار کے مقابلہ میں متعین کر دیا تھا۔ یہ دیکھ کر افسران اسلام نے اپنی کل فوجوں کو یک جا جمع کر لیا اور بارگاہ خلافت کو غنیم کی غیر معمولی کثرت کی اطلاع دے کر مزید کمک کے لیے لکھا۔ چونکہ اس وقت دار الخلافت میں کوئی فوج موجود نہ تھی اس لیے حضرت ابوبکرؓ کو نہایت تردد ہوا اور اسی وقت حضرت خالد بن ولیدؓ کو لکھا کہ مہم عراق کی بازگشت سے تم بھی فوراً شام کی طرف روانہ ہو جائیں۔ چنانچہ وہ فرمان پہونچتے ہی ایک جمعیت کے ساتھ شام کی سرحد کی طرف روانہ ہو گئے۔

حضرت خالد بن ولیدؓ کو راہ میں بہت سی چھوٹی چھوٹی لڑائیاں لڑنی پڑیں چنانچہ جب حیرہ کے علاقہ سے روانہ ہو کر عین التمر پہنچے تو وہاں خود کسریٰ کی ایک فوج سد راہ ہوئی۔

[1] تاریخ یعقوبی ۲ صفحہ ۱۴۴۔

[2] تاریخ طبری و فتوح الشام بلاذری صفحہ ۱۰۷۔

ان میں سب سے اچھا ہے۔ غرض سب کی تشفی کردی اور حضرت عثمانؓ کو بلا کر عہد نامہ خلافت
لکھوانا شروع کیا، ابتدائی الفاظ لکھے جاچکے تھے کہ غش آگیا، حضرت عثمانؓ نے یہ دیکھ کر حضرت
عمرؓ کا نام اپنی طرف سے بڑھا دیا، تھوڑی دیر کے بعد ہوش آیا تو حضرت عثمانؓ سے کہا کہ
پڑھ کر سناؤ، انھوں نے پڑھا تو بے ساختہ اللہ اکبر پکار اٹھے اور کہا تمھیں خدا جزائے خیر دے تم نے
میرے دل کی بات لکھ دی۔ غرض عہد نامہ مرتب ہو چکا تو اپنے غلام کو دیا کہ مجمع عام میں سنائے
اور خود بالاخانہ پر تشریف لیجا کر تمام حاضرین سے فرمایا کہ میں نے اپنے کسی عزیز بھائی کو خلیفہ
مقرر نہیں کیا ہے بلکہ اس کو منتخب کیا ہے جو تم لوگوں میں سب سے بہتر ہے، تمام حاضرین نے
سمعنا واطعنا کہا۔ اس کے بعد حضرت ابوبکر صدیقؓ نے حضرت عمرؓ کو بلا کر چند
نصیحتیں کیں جو ان کی کامیاب خلافت کے لیے نہایت مفید دستور العمل ثابت ہوئیں۔[1]

اس فرض سے فارغ ہونے کے بعد حضرت ابوبکرؓ نے ذاتی اور خانگی امور کی طرف
توجہ کی۔ حضرت عائشہؓ کو عوالی مدینہ یا بحرین کے نواح میں ایک جاگیر دیدی تھی لیکن
خیال آیا کہ اس سے دوسرے وارثوں کی حق تلفی ہوگی اس لیے فرمایا جان پدر! افلاس
و دولت دونوں حالتوں میں تم مجھ کو سب سے زیادہ محبوب رہی ہو لیکن ہوا میں نے تمھیں جو دی ہے
کیا تم اسے اپنے دوسرے بھائی بہنوں کو شریک کرلو گی؟ حضرت عائشہؓ نے بخوشی قبول کیا
بیت المال کے قرض کی ادائیگی کے متعلق وصیت فرمائی اور کہا کہ ہمارے پاس مسلمانوں کے
مال میں سے ایک لونڈی اور دو اونٹنیوں کے سوا کچھ نہیں تھا، میرے مرتے ہی یہ عمرؓ کے پاس
بھیج دی جائیں چنانچہ یہ تمام چیزیں حضرت عمرؓ کے پاس بھیج دی گئیں۔ حضرت عائشہؓ فرماتی
ہیں کہ آپ نے یہ بھی کہا تھا کہ میری تجہیز و تکفین سے فارغ ہو کر دیکھنا کوئی اور چیز تو نہیں ہے اگر

[1] طبقات ابن سعد قسم اول جز ۳ وصیت ابوبکرؓ صفحہ [illegible]

اگر ہو تو اس کو بھی خرچ کر دینا، بعد میں پتہ چلا، گھر کا جائزہ لیا گیا تو بیت المال کی کوئی دوسری چیز کا نشان صدیقی سے برآمد نہیں ہوئی۔[1]

تجہیز و تکفین کے متعلق فرمایا کہ اس وقت جو کپڑا بدن پر ہے اسی کو دھو کر دوسرے دو کپڑوں کے ساتھ کفن دینا، حضرت عائشہؓ نے عرض کی کہ یہ تو پرانا ہے، کفن کے لیے نیا ہونا چاہئے، فرمایا زندہ مردوں کی بہ نسبت نئے کپڑوں کے زیادہ حقدار ہیں، میرے لیے یہی پھٹا پرانا بس ہے، اس کے بعد پوچھا آج کیا دن ہے، لوگوں نے جواب دیا کہ دوشنبہ، پھر پوچھا رسول اللہ صلعم کا وصال کس روز ہوا تھا، کہا گیا کہ دوشنبہ کے روز، فرمایا تو پھر میری آرزو ہے کہ آج ہی رات تک اس عالم فانی سے رحلت کر جاؤں، چنانچہ یہ آخری آرزو بھی پوری ہوئی یعنی دوشنبہ کا دن ختم کر کے منگل کی رات کو ترسٹھ برس کی عمر میں ۲۲ جمادی الاخری سنہ ۱۳ھ کو رہ گزین عالم جاودان ہوئے،[2] انا للہ وانا الیہ راجعون۔

وصیت کے مطابق رات ہی کے وقت تجہیز و تکفین کا سامان کیا گیا، آپ کی زوجہ محترمہ حضرت اسماء بنت عمیسؓ نے غسل دیا، حضرت عمر فاروقؓ نے جنازہ کی نماز پڑھائی، حضرت عثمانؓ، حضرت طلحہؓ، حضرت عبدالرحمن بن ابی بکرؓ اور حضرت عمر فاروقؓ نے قبر میں اتارا اور سرور کائنات کا رفیق زندگی آپ کے پہلو میں مدفون ہو کر دائمی رفاقت کیلیے جنت میں پہنچ گیا۔

## کارنامہائے زندگی

حضرت ابوبکر صدیقؓ کی زندگی عظیم الشان کارناموں سے لبریز ہے خصوصاً انہوں نے سوا دو برس کی قلیل مدت خلافت میں اپنے مساعی جمیلہ سے جو لازوال نقش و نگار چھوڑے وہ قیامت تک محو نہیں ہو سکتے، رسول اللہ صلعم کے بعد سرزمین عرب ایک دفعہ پھر ضلالت و

---

[1] طبقات ابن سعد جلد ۳ صفحہ ۱۴۹، [2] طبقات ابن سعد

گمراہی کا گہوارہ بن گئی تھی مورخ طبری کا بیان ہے کہ قریش و ثقیف کے سوا تمام عرب
اسلام کی حکومت سے باغی تھا۔ مدعیان نبوت کی جماعتیں علیحدہ ملک میں شورش برپا
کر رہی تھیں اور منکرین زکوٰۃ خود مدینہ منورہ کو لوٹ لینے کی دھمکی دے رہے تھے غرض خورشید عالم
غروب ہوتے ہی شمع اسلام بھی چراغ سحری ہو رہی تھی لیکن جانشین رسول صلعم نے اپنی دانشمندی
سیاست اور غیر معمولی استقلال کے باعث نہ صرف اس کو گل ہونے سے محفوظ رکھا بلکہ پھر
اسی مشعل ہدایت سے تمام عرب کو منور کر دیا اس لیے حقیقت یہ ہے کہ آنحضرت صلعم کے بعد
اسلام کو جس نے دوبارہ زندہ کیا اور دنیائے اسلام پر سب سے زیادہ جس کا احسان ہے
وہ یہی ذات گرامی ہے

اس میں شک نہیں ہے کہ خلیفۂ دوم کے عہد میں بڑے بڑے کام انجام پائے اور فتوحات
امور کا فیصلہ ہوا یہاں تک کہ روم و ایران کے فتوحات دیے گئے تاہم اس کی ابتدا بھی
کس نے کی؟ ملک میں امن و امان قائم رکھا نیز خلافت جیسی مرتبۂ عظمیٰ کا
سنگ بنیاد کس نے رکھا۔ اور سب سے زیادہ یہ کہ خود اسلام کو گرداب فتنہ سے کس نے بچایا؟
یقیناً ان تمام سوالوں کے جواب میں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا نام لیا جا سکتا ہے
اور درحقیقت وہی اس کے مستحق بھی ہیں۔ اس لیے ہم کو دیکھنا چاہیے کہ عہد صدیقی کی وہ کونسی
داغ بیل تھی جس پر بعد کو فاروق اعظم نے رفیع الشان عمارت تعمیر کی

نظام حکومت — اسلام میں خلافت یا جمہوری حکومت کی بنیاد سب سے پہلے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ
نے ڈالی چنانچہ خود ان کا انتخاب بھی جمہور کے اتفاق سے ہوا تھا اور عملاً جس قدر بڑے بڑے
کام انجام پائے اس میں کبار صحابہ کے مشورہ کی تعمیل سے شریک تھے یہی وجہ ہے
کہ انہوں نے صاحب تجربہ کار صحابہ کو بھی دارالخلافہ سے جدا ہونے نہ دیا حضرت عمر

کی تھی جن میں حضرت علیؓ کو خود رسول اللہ صلعم نے نامزد کیا تھا لیکن انھوں نے حضرت عمرؓ کو راضی کیا کہ حضرت علیؓ کو رہنے دیں اور مشورہ میں مدد دینے کے لیے چھوڑ جائیں۔[1]

شام پر لشکر کشی کا خیال آیا تو پہلے اس کو صحابہ کی ایک جماعت میں مشورہ کے لیے پیش کیا۔ ان لوگوں کو یہ اہم اور خطرناک کام کرنے میں پس و پیش تھا لیکن حضرت علیؓ نے موافق رائے دی اور پھر اسی پر اتفاق ہوا۔[2] مانعین زکوٰۃ کے مقابلہ میں جہاد، حضرت عمرؓ کے استخلاف اور تمام دوسرے اہم معاملات میں اہل الرائے صحابہ کی رائے دریافت کرلی گئی تھی۔ البتہ عہد فاروقی کی طرح اس وقت تک مجلس شوریٰ کا باقاعدہ نظام نہ تھا تاہم جب کوئی امر اہم پیش آجاتا تھا تو چند ممتاز مہاجرین و انصار جمع کیے جاتے تھے اور ان سے رائے لی جاتی تھی۔ چنانچہ ابن سعد کی روایت ہے۔

| | |
|---|---|
| ان ابا بکر الصدیق کان اذا نزل بہ امر یرید فیہ مشاورۃ اھل الرأی واھل الفقہ دعا رجالا من المہاجرین والانصار دعا عمر وعثمان وعلیا وعبدالرحمن بن عوف ومعاذ بن جبل وابی بن کعب وزید بن ثابت وکل ھؤلاء کان یفتی فی خلافۃ ابی بکر[3] | جب کوئی امر پیش آتا تھا تو حضرت ابوبکر صدیقؓ اہل الرائے اور فقہائے صحابہ سے مشورہ چاہتے تھے اور مہاجرین و انصار میں سے چند ممتاز لوگوں یعنی عمرؓ، عثمانؓ، علیؓ، عبدالرحمنؓ بن عوف، معاذؓ بن جبل، ابیؓ بن کعب اور زیدؓ بن ثابت کو بلاتے تھے۔ یہ سب حضرت ابوبکرؓ کے عہد میں فتوے بھی دیتے تھے۔ |

**ملکی نظم ونسق**

نوعیت حکومت کے بعد سب سے ضروری چیز ملک کے نظم ونسق کو صحیح اصول پر قائم کرنا، عہدوں کی تقسیم اور عہدہ داروں کا صحیح انتخاب ہے۔ حضرت ابوبکرؓ نے عہدِ

---

[1] طبقات ابن سعد حصہ مغازی ص ۔ [2] یعقوبی جلد ۲ صفحہ ۱۴۶ ۔ [3] طبقات ابن سعد قسم ثانی جزء ثالث صفحہ ۱۰۹

بیرونی فتوحات کی ابھی ابتدا ہوئی تھی اس لیے اُن کے دائرۂ حکومت کو صرف عرب پر محدود سمجھنا چاہیے، انھوں نے عرب کو متعدد صوبوں اور ضلعوں پر تقسیم کر دیا تھا، چنانچہ مدینہ، مکہ، طائف، صنعا، نجران، حضرموت، بحرین اور دومۃ الجندل الگ الگ صوبے تھے، ہر صوبہ میں ایک عامل ہوتا تھا جو ہر قسم کے فرائض انجام دیتا تھا، البتہ خاص خاص ادائے فرائض میں تقریباً اکثر صیغوں کے الگ الگ عہدہ دار مقرر کیے گئے تھے، مثلاً حضرت ابو عبیدہؓ شام کی سپہ سالاری سے پہلے افسر مال تھے، حضرت عمرؓ قاضی تھے، اور حضرت عثمانؓ، حضرت زید بن ثابتؓ دربار خلافت کے کاتب تھے۔[1]

عاملوں اور عہدہ داروں کے انتخاب میں حضرت ابوبکرؓ نے ہمیشہ ان لوگوں کو ترجیح دی جو عہد نبوت میں عامل یا عہدہ دار رہ چکے تھے، اور اُن سے انھیں مقامات میں کام لیا جہاں وہ پہلے کام کر چکے تھے، مثلاً عہد نبوت میں مکہ پر عتاب بن اسیدؓ، طائف پر عثمان بن ابی العاصؓ، صنعا پر مہاجر بن امیہؓ، حضرموت پر زیاد بن لبیدؓ اور بحرین پر علاء بن الحضرمیؓ مامور تھے، اس لیے خلیفۂ اول نے بھی ان مقامات پر انھیں لوگوں کو برقرار رکھا۔[2]

حضرت ابوبکرؓ جب کسی کو کسی ذمہ داری کے عہدہ پر مامور فرماتے تو عموماً بلا کر اس کے فرائض کی تشریح کر دیتے اور نہایت مؤثر الفاظ میں سلامت روی و تقویٰ کی نصیحت فرماتے تھے، چنانچہ عمرو بن العاصؓ اور ولید بن عقبہؓ کو قبیلہ قضاعہ پر محصل صدقہ بنا کر بھیجا تو ان الفاظ میں نصیحت فرمائی:

| | |
|---|---|
| اتق اللہ فی السر والعلانیۃ | خلوت و جلوت میں خدا کا خوف رکھو، جو خدا سے ڈرتا ہے خدا |
| فانہ من یتق اللہ یجعل لہ مخرجا | اس کے لیے ایک راہ نکال دیتا ہے اور رزق کا ایسا ذریعہ |

---

[1] تاریخ طبری صفحہ ۲۱۳۶، [2] تاریخ طبری صفحہ ۲۰۸۰، [3] ایضاً صفحہ ۲۰۸۳۔

لینا پڑا ذاتی معاملات میں رفق و ملاطفت اُن کا خاص شیوہ تھا لیکن حکومت و مذہب
میں اس قسم کی مداہنت کو کبھی روا نہ رکھتے تھے چنانچہ حکام سے جب کبھی کوئی نازیبا امر سرزد
ہو جاتا تو نہایت سختی کے ساتھ چشم نمائی فرماتے، یمامہ کی جنگ میں بنو حنیفہ نے جو مسیلمہ کذاب کا
پیرو تھا، حضرت خالد بن ولیدؓ کو دھوکا دیکر مسیلمہ کی تمام قوم کو مسلمانوں کے پنجۂ اقتدار سے
بچالیا حضرت خالدؓ نے اس غداری پر اس کو سزا دینے کے بجائے اس کی لڑکی سے شادی
کرلی چونکہ اس جنگ میں بہت سے صحابہ شہید ہوئے تھے اس لیے حضرت ابوبکر صدیقؓ نے
حضرت خالدؓ کی اس ساعت پرستی پر سخت ناراضگی ظاہر کرکے لکھا،

تبیت علی النساء و عند اطناب — یعنی تمہارے خیمہ کی طناب کے پاس مسلمانوں کا خون بہہ رہا ہے
بیتک دماء المسلمین — اور تم عورتوں کے ساتھ عیش و عشرت میں مصروف ہو۔

مالک بن نویرہ منکر زکوٰۃ تھا حضرت خالد بن ولیدؓ اس کی تنبیہ پر مامور ہوئے لیکن انھوں نے
دربار کی ہدایت سے پہلے ہی اس کو قتل کرواڈالا، مالک کا بھائی شاعر تھا اس نے اس کا نہایت
پردرد مرثیہ لکھا اور ظاہر کیا کہ وہ تائب ہونے کے لیے تیار تھا مگر خالدؓ نے محض ذاتی عداوت سے
قتل کردیا، دربار خلافت تک اس کی اطلاع پہونچی اور اس غلطی پر حضرت خالدؓ گو مورد عتاب
ہوئے تاہم وہ جو کام کر رہے تھے اس کے لیے کوئی دوسرا موزوں نہ تھا اس لیے اپنے
عہدہ پر برقرار رہے۔[1]

ستر عیوب — حضرت ابوبکر صدیقؓ ذاتی طور پر مجرموں کے ساتھ نہایت ہمدردانہ برتاؤ کرتے
تھے، چنانچہ عہد نبوت میں قبیلۂ اسلم کے ایک شخص نے اُن کے سامنے بدکاری کا اعتراف کیا
تو بولے تم نے میرے سوا اور کسی سے بھی اس کا تذکرہ کیا؟ اس نے کہا نہیں فرمایا خدا سے

[1] یعقوبی جلد ۲ صفحہ ۱۴۰ [2] یعقوبی جلد ۲ صفحہ ۱۴۹

اس مساوات پر اعتراض کیا تو فرمایا کہ فضل و سبقت و رتبے اور اس کو رزق کی کمی بیشی سے کیا تعلق ہے؟[1] البتہ اس پر اتنا اضافہ کیا کہ اپنے آخر عہد حکومت میں ایک بیت المال تعمیر کرایا لیکن اس میں بھی کسی بڑی رقم کے جمع ہونے کا موقع نہ آیا یہی وجہ ہے کہ بیت المال کی حفاظت کا کوئی سامان نہ تھا ایک دفعہ کسی نے کہا کہ یا خلیفۂ رسول اللہ صلعم آپ بیت المال کی حفاظت کے لیے کوئی محافظ کیوں نہیں مقرر فرماتے، فرمایا اس کی حفاظت کے لیے ایک قفل کافی ہے۔[2]

خلیفۂ اول کی وفات کے بعد حضرت عمرؓ نے حضرت عبد الرحمن بن عوفؓ حضرت عثمانؓ اور دوسرے صحابہ کو ساتھ لیکر تقاضیح میں بیت المال کا جائزہ لیا تو صرف ایک درہم برآمد ہوا، لوگوں نے کہا "خدا ابو بکر پر رحم کرے" اور بیت المال کے خزانچی کو بلا کر پوچھا کہ شروع سے اس وقت تک خزانہ میں کس قدر مال آیا ہوگا؟ اس نے کہا دو لاکھ دینار۔[3]

فوجی نظام | عہد نبوت میں کوئی باضابطہ فوجی نظام نہ تھا بلکہ جب ضرورت پیش آتی تو صحابۂ کرام خود بخود شوق سے علم جہاد کے نیچے جمع ہو جاتے تھے، حضرت ابو بکرؓ کے عہد میں بھی یہی صورت حال باقی رہی، لیکن انہوں نے اس پر اتنا اضافہ کر دیا کہ جب کوئی فوج کسی مہم پر روانہ ہوتی تو اسکو مختلف دستوں میں تقسیم کر کے الگ الگ افسر مقرر فرماتے، چنانچہ شام کی طرف جو فوج روانہ ہوئی اسمیں اسی طریقہ پر عمل کیا گیا تھا یعنی قومی حیثیت سے تمام قبائل کے افسر اور ان کے جھنڈے الگ الگ تھے،[4] اسی طرح باقاعدہ تعبیت کا رواج بھی عہد خلیفۂ اول کی ایجاد ہے اور سب سے پہلے حضرت خالد بن ولید نے اس عہد میں اس طرح [illegible] دستہ بندی کا صحیح فائدہ یہ ہوا کہ مجاہدین اسلام کو رومیوں کی باقاعدہ فوج سے

[1] طبقات ابن سعد ق ۱ ج ۳ ص ۱۵۱ [2] ایضاً [3] ایضاً [4] فتوح البلدان ص ۱۱۰

اس اعتذار و اقرار بیان سے حضرت صدیقؓ کا آئینۂ دل شبہہ کی طرف سے بالکل صاف ہوگیا اور اس کو مدینہ آنے کی اجازت دیدی لیکن وہ اس وقت پہونچا جبکہ آفتاب صداقت دنیا سے ہمیشہ کے لیے غروب ہوچکا تھا۔

**رسول اللہ صلعم کی وفات کے بعد ایفائے عہد**

رسول اللہ صلعم کے قرضوں کا چکانا اور وعدوں کا پورا کرنا بھی فرائض خلافت میں داخل تھا، حضرت ابوبکرؓ نے اپنی وسعت بھر اس فرض سے سبکدوشی حاصل کی اور جیسے ہی بحرین فتح ہوکر یہاں مال غنیمت مدینہ پہونچا انہوں نے اعلان عام کردیا کہ رسالتمآب کے ذمہ کسی کا کچھ نکلتا ہو یا آپ نے کسی سے کوئی وعدہ فرمایا ہو تو وہ میرے پاس آئے۔ اس اعلان پر حضرت جابرؓ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلعم نے ان کو تین دفعہ دونوں ہاتھوں سے بھر بھر کر دینے کا وعدہ فرمایا تھا، حضرت ابوبکرؓ نے ان کو اسی طرح تین دفعہ دونوں ہاتھوں سے عطا فرمایا[1] نیز حضرت ابوبشیر مازنی کے بیان پر ان کو چودہ سو درہم مرحمت فرمائے[2]

**رسول اللہ صلعم کے اہلبیت اور متعلقین کا خیال**

باغ فدک اور سہم خمس کے تنازعات نے گو رسول اللہ صلعم کے رشتہ داروں میں کسی قدر غلط فہمی پھیلادی تھی خصوصاً حضرت فاطمہؓ کو نہایت رنج تھا، تاہم خلیفۂ اول نے ہمیشہ ان کے ساتھ لطف و محبت کا سلوک قائم رکھا اور وفات کے وقت سیدۂ جنتؓ سے عفو خواہ ہوکر ان کا آئینۂ دل صاف کردیا۔

امہات المومنین کی راحت و آسائش اور آنحضرت صلعم کے حفظ ناموس کا خاص خیال تھا، عکرمہ بن ابی جہل نے حضرموت میں آنحضرت صلعم کی ایک منکوحۂ حرم قتیلہ بنت قیس سے نکاح کرلیا تو انہوں نے چاہا کہ دونوں کو آگ میں جلادیں لیکن حضرت عمرؓ نے باز رکھا اور [illegible] قتیلہ سے صرف نکاح ہوا تھا وہ حرم میں داخل نہیں ہوئی تھیں، اس لیے امہات المومنینؓ

[1] بخاری [illegible] [2] طبقات ابن سعد [illegible]

وخلوص پر اعتماد اس قدر تھا کہ پوشیدہ سے پوشیدہ بات کہتے تھے، ہجرت کے واقعات پر غور کرو تو معلوم ہوگا کہ رازداری کا تمام کام حضرت ابوبکرؓ و ان کے اہل و عیال سے متعلق تھے، حضرت ابوبکرؓ کو ساتھ لیکر غار میں پوشیدہ ہونا، حضرت عبداللہؓ کا رات کے وقت آکر مشرکین کے حالات سے باخبر کرنا، حضرت عامر بن فہیرہؓ کا دودھ کی بکریاں لانا، حضرت اسماءؓ کا کھانا پہونچانا، غرض اس قسم کے تمام امور جن کا تعلق رازداری سے تھا وہ سب خاندان صدیقی کے سپرد تھا۔

حضرت سرور کائنات صلعم کو اپنے اس رفیق جانثار کے ساتھ جو خصوصیت و خلوص تھا اس کا آپ نے بارہا نہایت محبت آمیز پیرایہ میں اظہار فرمایا، چنانچہ وفات سے کچھ دنوں پہلے جو خطبہ ارشاد فرمایا اس میں ارشاد ہوا "ابوبکرؓ صحبت اور مال کے لحاظ سے میرا سب سے بڑا محسن ہے، اگر میں خدا کے سوا کسی کو اپنا دوست بنا سکتا تو ابوبکر کو بناتا، لیکن اسلامی اخوت و محبت افضل ہے، اس کے بعد حکم ہوا کہ ابوبکرؓ کے دروازہ کے سوا مسجد کے احاطہ میں جس قدر دروازے ہیں سب بند کر دیے جائیں"[1] اسی طرح ایک دفعہ حضرت عمرو بن العاصؓ نے پوچھا کہ مردوں میں آپ کو سب سے زیادہ محبوب کون ہے؟ تو ارشاد ہوا ابوبکرؓ[2]

اسی غیر معمولی تقرب و رسوخ کی بنا پر صحابۂ کرام جب آنحضرت صلعم کو برہم دیکھتے تھے تو انہی کی وساطت سے عفو و درگذر کی درخواست پیش کرتے تھے، ایک دفعہ حضرت علیؓ نے ابوجہل بن ہشام کی لڑکی سے نکاح کرنا چاہا، چونکہ یہ سرور کائنات صلعم کی مرضی کے خلاف تھا اس لیے جب وہ بارگاہ نبوت میں حاضر ہوئے تو روئے انور پر برہمی کے آثار نمایاں تھے، یہ دیکھکر حضرت علیؓ تو باہر چلے آئے اور حضرت ابوبکرؓ کو ساتھ لیکر پھر حاضر خدمت

[1] بخاری جلد ۱ مناقب ابوبکرؓ [2] بخاری جلد ۱ صفحہ ۵۱۸ [3] بخاری جلد ۱ صفحہ ۵۰

تمام عرب میں ممتاز تھے۔[1]

حضرت ابوبکرؓ کی نسب دانی سے اکثر موقعوں پر اسلام کو بھی فائدہ پہونچا، آغاز نبوت میں آنحضرت صلعم تبلیغ و اشاعت کے لیے قبائل عرب میں تشریف لے جاتے تھے تو عموماً یہ بھی ہمرکاب ہوتے، اور اپنی نسب دانی کے باعث آپ کا لوگوں سے تعارف کراتے۔[2]

حضرت حسان بن ثابتؓ قریش کی ہجو کیا کرتے تھے، ایک روز رسول اللہ صلعم نے اُن سے بلا کر کہا، "قریش اور ابوسفیان کی مذمت کرتے ہو کیا تمھیں معلوم نہیں ہے کہ میں بھی قریشی ہوں اور ابوسفیان میرا ابن عم ہے"؟ انھوں نے کہا، خدا کی قسم میں حضور کو ان سے علحدہ کر لیتا ہوں جس طرح خمیر سے الگ ہو جاتا ہے، ارشاد ہوا کہ ابوبکرؓ کے پاس جاؤ وہ انساب عرب میں سب سے زیادہ ماہر ہیں، غرض اس روز سے وہ اس فن کی تعلیم کے لیے حضرت ابوبکرؓ کی خدمت میں حاضر ہونے لگے۔[3]

تعبیر رویا | خواب کی تعبیر میں بھی خداداد ملکہ تھا، یہاں تک کہ صحابۂ کرام آنحضرت صلعم کے بعد اُن کو سب سے بڑا معبر سمجھتے تھے، اور اپنا اپنا خواب بیان کرکے تعبیر پوچھتے تھے، ایک دفعہ حضرت خالد بن سعیدؓ نے اسلام قبول کرنے سے پہلے خواب دیکھا کہ وہ دہکتی ہوئی آگ کے کنارہ کھڑے ہیں اور اُن کے والد اُن کو اس میں جھونک رہے ہیں، کہ اتنے میں سرور کائنات تشریف لاتے ہیں اور اُن کی کمر پکڑ کر کھینچ لیتے ہیں، حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اس خواب کو سُنا تو فرمایا "خالد! تمھیں اس کے ذریعہ سے راہ حق کی ہدایت کی گئی ہے، تمھارا باپ تم کو کفر پر مجبور کرتا ہے لیکن آنحضرت صلعم کی اتباع تمھاری نجات کا باعث ہوگی"۔

حضرت عائشہؓ نے آنحضرت صلعم کی وفات سے کچھ پہلے خواب میں تین چاند اپنے

---

[1] تاریخ الخلفاء ص ۷۰ [2] استیعاب جلد ۱ ص ۳۰۰ [3] مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۲۲۲

کیا تم پیدا نہیں ہوئے؟ کیا تمہیں کوئی رنج و صدمہ نہیں پہونچتا؟ اور کیا تمہیں کوئی مصیبت
نہیں ستاتی؟ وہ بولے کیوں نہیں، فرمایا یہ سب بیماریوں ہی کا نتیجہ ہے۔

وہ ہر آیت کی شان نزول اور اس کے حقیقی مفہوم سے آگاہ تھے، نیز مختلف موقعوں پر
انھوں نے جو ایک نکتے حل فرمائے ہیں، اُس سے ان کی دقیقہ سنجی کا اندازہ ہو سکتا ہے، ایک
مجمع عام میں فرمایا "صاحبو! آپ قرآن شریف میں یہ آیت پڑھتے ہوں گے"

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا عَلَیْكُمْ — اے وہ لوگ جو ایمان لائے ہو تم پر صرف اپنے نفس کی
اَنْفُسَكُمْ لَا یَضُرُّكُمْ مَّنْ ضَلَّ اِذَا — ذمہ داری ہے جو گمراہ ہوا وہ تمہیں نقصان نہیں پہنچا سکتا
اهْتَدَیْتُمْ (مائدہ) — جبکہ تم خود ہدایت یاب ہو

حالانکہ میں نے رسول اللہ صلعم سے سنا ہے کہ جب لوگ نا پسندیدہ امور دیکھیں اور اس کی
اصلاح کی فکر نہیں کرتے تو خدا کا عذاب سب کے لیے عام ہو جاتا ہے یعنی اس آیت سے
یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ دوسروں کی اصلاح کا خیال رکھنا ضروری نہیں ہے۔

آیات قرآنی سے استدلال و استنباط احکام و تفریع مسائل میں مجتہدانہ ملکہ رکھتے تھے:
رسول اللہ صلعم کی وفات کے بعد جو تقریر فرمائی اس میں برجستہ اس آیت سے انبیاء کی
وفات پر استدلال کیا ہے۔

وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ — یعنی محمد صرف رسول ہیں اور ان سے پہلے بھی
مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ اَفَاۡىِٕنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ — بہت سے رسول گذر گئے کیا اگر وہ مر جائیں یا شہید ہوں
انْقَلَبْتُمْ عَلٰۤى اَعْقَابِكُمْ (آل عمران) — تو تم الٹے پاؤں پھر جاؤ گے

اس آیت نے یکایک ایمان و اعتقاد کے متزلزل ستونوں کو مستحکم کر دیا اور لوگوں کو
ایسا معلوم ہوا کہ گویا یہ آیت پہلے سے موجود ہی نہ تھی۔

بعض کو دوسرے صحابہؓ نے بھی اس کی تصدیق فرمائی۔ غرض وہ مدارج نبوت میں اپنے خصوصی تقرب کی بنا پر آنحضرت صلعم کے ارشادات، طرز عمل اور اُن کے اسباب و علل سے قدرۃً زیادہ باخبر تھے۔

**ریاست و اجتہاد** ریاست یا خلافت گو نبوت ہی کا ایک پرتو ہے تاہم دونوں میں بہت بڑا فرق ہے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے مسند نشین خلافت ہونے کے ساتھ ہی اس فرق کو جمہور مسلمانوں پر ظاہر کر دیا اور فرمایا کہ رسول اللہ صلعم معصوم تھے نیز خدا نے ان کو وحی سے ممتاز فرمایا تھا اور میں ایک معمولی انسان ہوں اس لیے اگر تم مجھے راہ راست پر دیکھو تو اتباع کرو اور اگر کج ہو جاؤں تو سیدھا کر دو۔[1]

حضرت ابوبکرؓ نے نبوت و خلافت کی اس تفریق کو عملاً قائم رکھا اور کبھی ان امتیازات و حقوق سے کام نہیں لیا جو حضرات انبیاء کے لیے مخصوص ہیں۔ ایک دفعہ ایک مسلمان پر سخت برہم ہوئے، حضرت ابو برزہ اسلمی نے غصہ دیکھ کر عرض کی یا خلیفۂ رسول اللہ اس کی گردن اڑا دیجیے، حضرت ابوبکرؓ نے قتل کا نام سنا تو خاموش ہو گئے، کچھ دیر کے بعد غصہ فرو ہوا تو ابو برزہ سے بلا کر پوچھا، اگر میں اس کو قتل کرنے کا حکم دیتا تو کیا تم درحقیقت اُسکو مار ڈالتے؟ بولے ہاں، فرمایا خدا کی قسم رسول اللہ صلعم کے بعد کسی کو یہ رتبہ حاصل نہیں ہے۔[2] اسی طرح کسی نے خلیفۃ اللہ کہکر خطاب کیا تو بولے مجھے خلیفۃ اللہ نہ کہو میں نائب خدا نہیں بلکہ نائب رسول ہوں اور یہی میرے لیے بس ہے۔[3] غرض خلیفۂ اول کا یہ سب سے بڑا احسان ہے کہ انہوں نے خلافت و نبوت کی سرحدیں الگ کر دیں ورنہ تبلیغ عدم تفریق و امتیاز نے

[1] مسند احمد بن حنبل جلد اول صفحہ ۱۰ و تاریخ الخلفاء صفحہ ۷۰ [2] ابو داؤد کتاب الحدود باب الحکم فیمن سب النبی صلعم
[3] استیعاب تذکرہ ابوبکرؓ

کوئی تصریح نہ تھی نہ آنحضرت صلعم کے طرز عمل سے مدد ملتی تھی مجبوراً قیاس سے کام لینا پڑا لیکن اس کے ساتھ ہی فرمایا یہ میری رائے ہے اگر صحیح ہے تو خدا کی جانب سے ہے اور اگر غلط ہے تو میری طرف سے ہے میں خدا سے طالب مغفرت ہوں۔

**ایک قیاسی مسئلہ**

حضرت ابوبکر صدیقؓ کے قیاسی مسائل میں سب سے زیادہ مشہور دادا کی وراثت کا مسئلہ ہے جس کو با تفصیل درج کرتے ہیں۔ اس سے اُن کی اجتہادی قوت کا اندازہ ہوگا۔

اصل مسئلہ یہ ہے کہ اگر کوئی میت وارثوں میں صرف دادا اور بھائی بہن چھوڑے یعنی اصول میں باپ اور فروع میں کوئی نسبی اولاد نہ ہو تو مستحق وراثت کون ہوگا، دادا یا بھائی بہن؟ حضرت ابوبکر صدیقؓ اور ان کے ساتھ تقریباً چودہ صحابۂ کرام جن میں حضرت عبد اللہ بن عباسؓ اور حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ وغیرہ شامل ہیں دادا کو باپ کے مرتبہ میں قرار دیکر بھائی بہن کو محجوب الارث سمجھتے ہیں لیکن صحابۂ کرام کی ایک بڑی جماعت اس سے اختلاف رکھتی ہے اور بھائی بہن کو اصل وارث قرار دیتی ہے۔ یہ اختلاف درحقیقت مسئلہ کلالہ کی تشریح پر مبنی ہے کیونکہ قرآن شریف میں آیا ہے

يَسْتَفْتُونَكَ قُلِ اللَّهُ يُفْتِيكُمْ فِي الْكَلَالَةِ إِنِ امْرُؤٌ هَلَكَ لَيْسَ لَهُ وَلَدٌ وَلَهُ أُخْتٌ فَلَهَا نِصْفُ مَا تَرَكَ وَهُوَ يَرِثُهَا إِنْ لَمْ يَكُنْ لَهَا وَلَدٌ (نساء ع ۲۴)

لوگ تم سے فتویٰ طلب کرتے ہیں تو کہدو کہ اللہ کلالہ کے بارہ میں تم کو حکم دیتا ہے کہ اگر کوئی ایسا مرد مر جائے جس کی نہ اولاد ہو اور اس کی ایک بہن ہو تو اس کو ترکہ کا نصف ملے گا اور اگر (بہن) مرجائے اور اس کی اولاد نہ ہو تو وہ (بھائی) اس کا وارث ہوگا۔

اس آیت میں اولاد و باپ کی کوئی تصریح نہیں ہے تاہم اس حد تک سب کا اتفاق ہے

اس کی زبان سے کبھی کلمات ناملائمت آلودہ نہ ہوئے پائے حضرت ابوبکر صدیقؓ کا درجۂ تقویٰ اسی فضیلت کے کمال پر تھا کہ رخشت و ناملائم الفاظ سے ہمیشہ پرہیز فرماتے اگر اتفاقاً غیظ و غضب کی حالت میں کوئی سخت کلمہ زبان سے نکل جاتا تو نہایت ندامت و پشیمانی ہوتی اور جب تک اسکی تلافی نہ ہو جاتی چین نہ آتا۔ ایک مرتبہ حضرت عمر فاروقؓ سے کسی نزاع در پیش تھی اثنائے گفتگو میں کوئی سخت جملہ زبان سے نکل گیا۔ لیکن خود ہی ندامت دامنگیر ہوئی اور نہایت اصرار کے ساتھ عفو خواہ ہوئے حضرت عمرؓ نے انکار کیا تو ان کی پریشانی کی کوئی انتہا نہ تھی۔ اسی وقت دامن اٹھائے ہوئے آستانۂ نبوت پر حاضر ہوئے اور وجہ پریشانی بیان کی آنحضرت صلعم نے ان کو تین مرتبہ اس بشارت سے طمانیت دی "ابوبکر! خدا تمھیں بخشدیگا۔ ابوبکر خدا تمھیں بخشدیگا"۔ اسی اثنا میں حضرت عمرؓ کو بھی اپنے انکار سے ندامت ہوئی اور حضرت ابوبکرؓ کو ان کے مکان پر تلاش کرتے ہوئے دربار نبوت میں حاضر ہوئے ان کو دیکھ کر حضور پرنور کا چہرہ متغیر ہونے لگا۔ حضرت ابوبکرؓ نے یہ تیور دیکھے تو دوزانو بیٹھ کر التجا کی "یا رسول اللہ! خدا کی قسم میں ہی ظالم تھا، میری ہی زیادتی تھی" اس طریقے سے گو غیظ و غضب کی طغیانیاں فرو ہوگئی تاہم ارشاد ہوا "میں مبعوث ہوا تو تم نے مجھے جھٹلایا لیکن ابوبکرؓ نے تصدیق کرکے جان و مال سے میری غمخواری کی کیا تم اس کو مجھ سے چھڑا دو گے"۔[1]

حضرت ربیعہ بن جعفرؓ اور حضرت ابوبکر صدیقؓ میں ایک درخت کیلئے باہم اختلاف ہوا۔ حضرت ابوبکرؓ نے اثنائے بحث میں کوئی ایسا جملہ کہدیا جو ان کی ناگواری کا باعث ہوا لیکن جیسے ہی غصہ فرو ہوا کہنے لگے "ربیعہ! تم بھی مجھے کوئی ایسی ہی سخت بات کہدو تاکہ عوض ہو جائے

[1] بخاری جلد اول ص ۱۲۵

میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! کیا چیز ہے جسکو دور فرما رہے ہیں میں تو کچھ نہیں دیکھتا!
ارشاد ہوا کہ یہ فریب دنیا مجسم ہو کر میرے سامنے آئی تھی میں نے اسکو دور کر دیا اسوقت
بچا ہے۔ مجھے یہ واقعہ یاد آگیا اور ڈرا کہ شاید میں اس کے دام تزویر میں پھنس جاؤں۔

حضرت ابوبکرؓ نے اپنی تمام دولت راہ خدا میں لٹا دی یہاں تک کہ زمانۂ خلافت
میں ان پر بیت المال کا چھ ہزار درہم قرض چڑھ گیا۔ لیکن بے نیازی دیکھو کہ مسلمانوں کا
ایک حبہ بھی اپنی ذات پر صرف کرنا یا اولاد کے لیے چھوڑ جانا گوارا نہ ہوا۔ وفات کے
وقت وصیت فرمائی تو سب سے پہلے یہ فرمایا کہ میرا فلاں باغ بیچکر بیت المال کا قرض
ادا کر دیا جائے اور میرے مال میں جو چیز فاضل نظر آئے وہ عمر بن خطاب کے پاس
بھیجدی جائے۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ وفات کے بعد جائزہ لیا گیا تو صرف تین چیزیں
زیادہ نکلیں ایک غلام، ایک لونڈی اور دو اونٹنیاں۔ چنانچہ یہ تمام چیزیں اسیوقت
حضرت عمرؓ کے پاس بھیجدی گئیں۔ خلیفۂ دوم کی آنکھوں سے عبرت کے آنسو نکل آئے
رو کر بولے "ابوبکرؓ خدا تم پر رحم کرے تم نے کسی بزرگی کو نہ چھوڑا اور
کسی کو نکتہ چینی کا موقع نہ دیا"۔

تواضع | نہایت متواضع اور خاکسار تھے اور کسی کام سے اُن کو عار نہ تھا اکثر اوقات
بھیڑ بکریاں تک خود ہی چرا لیتے اور محلہ والوں کی بکریاں دوہ دیتے تھے چنانچہ
منصب خلافت کیلیے جب اُن کا انتخاب ہوا تو سب سے زیادہ محلہ کی ایک لڑکی کو
فکر لاحق ہوئی اور اُس نے حسرت آمیز لہجہ میں کہا "اب ہماری بکریاں کون دوہے گا"
حضرت ابوبکرؓ نے سنا تو فرمایا خدا کی قسم! میں بکریاں دوہوں گا، امید ہے کہ خلافت مجھے

ے اسد الغابہ جلد ۳ صفحہ ۲۲۴ ۔ ے طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث صفحہ ۱۳۲

مخلوق کی خدمتگزاری سے باز نہ رکھے گی۔"[1]

حضرت ابوبکرؓ کپڑے کی تجارت کرتے تھے، خلیفہ منتخب ہونے کے بعد بھی حسب معمول کندھے پر کپڑے کے تھان رکھ کر بازار کی طرف روانہ ہوئے، راہ میں حضرت عمر فاروقؓ اور حضرت ابوعبیدہؓ سے ملاقات ہوئی، انھوں نے کہا "یا خلیفۂ رسول اللہ! کہاں؟" بولے "بازار" انھوں نے کہا اب آپ مسلمانوں کے حاکم ہیں چلیے ہم آپ کے لیے کچھ وظیفہ مقرر کر دیں گے۔"[2]

دار الخلافہ سے کوئی فوجی مہم روانہ ہوتی تو حضرت ابوبکرؓ ضعف و کبر سنی کے باوجود دور تک پاپیادہ ساتھ جاتے، اگر کوئی افسر تعظیماً گھوڑے سے اترنا چاہتا تو روک کر فرماتے "اس میں کیا مضائقہ ہے اگر میں تھوڑی دور تک راہ خدا میں اپنا پاؤں غبار آلود کر لوں، رسول صلعم کا ارشاد ہے کہ جو پاؤں راہ خدا میں غبار آلود ہوتے ہیں خدا ان پر جہنم کی آگ حرام کر دیتا ہے۔"[3]

عجز و تواضع کی انتہا یہ تھی کہ لوگ جانشین رسول کی حیثیت سے تعظیم و توقیر کرتے تو آپ کو تکلیف ہوتی، اور فرماتے کہ مجھے لوگوں نے بہت بڑھا دیا ہے، کوئی مدح و ستایش کرتا تو فرماتے "اے خدا تو میرا حال مجھ سے زیادہ جانتا ہے اور میں اپنی کیفیت ان لوگوں سے زیادہ جانتا ہوں، خدایا تو ان کے حسن ظن سے مجھے بہتر ثابت کر، میرے گناہوں کو بخش دے اور لوگوں کی بیجا تعریف کا مجھ سے مواخذہ نہ کر۔"[4] غایت تواضع سے تکبر و غرور کی علامات سے بھی خوف زدہ ہو جاتے، ایک روز رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ جو شخص تکبر سے اپنا کپڑا کھینچے

---

[1] طبقات ابن سعد قسم اول جزو ثالث صفحہ ۱۳۰، [2] ایضاً، [3] طبری ص ۲۰۱۰، [4] مسند دارمی
باب فضل المشی فی سبیل اللہ [4] اسد الغابہ جلد ۳ صفحہ ۲۱۶

مسند احمد بن حنبل — کسی کا احسان نہیں

تو آبدیدہ ہو کر عرض کرتے "یا رسول اللہ جان و مال سب حضور ہی کے لیے ہے"

آغاز اسلام میں جن لوگوں نے داعی توحید کو لبیک کہا تھا ان میں ایک بڑی تعداد غلاموں اور لونڈیوں کی تھی جو اپنے مشرک آقاؤں کے پنجۂ ستم میں گرفتار تھی، حضرت ابوبکرؓ نے اکثروں کو آزاد کرایا جن میں بعض کے نام یہ ہیں:

بلالؓ، عامر بن فہیرہؓ، زنیرہؓ، جاریہ بنی مومل، نہدیہؓ، بنت نہدیہ، ام عبیسؓ

حضرت ابوبکر صدیقؓ صدقات و خیرات میں ہمیشہ پیش پیش رہتے تھے، حضرت عمرؓ نے بارہا مسابقت کی کوشش کی لیکن وہ کبھی ان کے مقابلہ میں کامیاب نہ ہوسکے، ایک دفعہ رسول اللہ صلعم نے صحابۂ کرام کو صدقہ نکالنے کا حکم دیا، حضرت عمرؓ کے پاس اس وقت معمول سے زیادہ سرمایہ موجود تھا، انھوں نے خیال کیا کہ آج ابوبکرؓ سے سبقت لے جانے کا موقع ہے، غرض وہ اپنا نصف مال لے کر کاشانۂ نبوت پر حاضر ہوئے، آنحضرتؐ نے دریافت فرمایا کہ تم نے اہل و عیال کے لیے کس قدر رہنے دیا ہے؟ بولے "اسی قدر" لیکن حضرت ابوبکرؓ اپنا کل سرمایہ لائے تھے، اس لیے جب ان سے سوال ہوا تو انھوں نے عرض کی "ان کے لیے خدا اور اس کا رسول ہے" اس ایثار و قربانی پر حضرت عمرؓ کی آنکھیں کھل گئیں، بولے "اب میں کبھی ان سے سبقت نہیں لے جا سکتا"[1]

صدقات میں اخفا و اظہار دونوں جائز ہے ان تبدوا الصدقات فنعما ھی وان تخفوھا وتؤتوھا الفقراء فھو خیر لکم لیکن اظہار میں ریا و تفاخر کا احتمال ہے، اس لیے حضرت ابوبکرؓ صدقات میں اخفا کا خاص لحاظ رکھتے تھے، بلکہ ہمیشہ یہ خیال رکھتے تھے کہ کسی

[1] ترمذی باب مناقب ابی بکرؓ

تمام کائنات خدا کی امانت و ودیعت ہے، چنانچہ ایک دفعہ نہایت مخفی طور پر صدقہ لے کر بارگاہ نبوت میں حاضر ہوئے اور عرض کی یا رسول اللہ! اس کے علاوہ خدا کی امانت بھی میرے پاس ہے۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ کی فیاضی کا سلسلہ آخری لمحہ حیات تک جاری رہا، یہاں تک کہ وفات کے وقت بھی آپ نے غرباء و مساکین کو فراموش نہ کیا، اور اپنے مال میں ان کے لیے ایک خمس کی وصیت فرما دی۔

خدمت گذاری: خلق اللہ کی نفع رسانی اور خدمت گذاری میں ان کو خاص لطف حاصل ہوتا تھا، اکثر محلہ والوں کا کام کر دیتے، بیماروں کی تیمارداری فرماتے اور ہاتھ سے ضعیف و ناتوان اشخاص کی خدمت انجام دینے میں ہمیشہ پیش پیش رہتے تھے، اطراف مدینہ میں ایک نہایت ضعیف و نابینا عورت تھی، حضرت عمر فاروقؓ روزانہ علی الصباح اس کے جھونپڑے میں جا کر ضروری خدمات انجام دے آتے تھے، کچھ دنوں کے بعد انہوں نے محسوس کیا کہ کوئی شخص ان سے پہلے اس کار ثواب سے بہرہ یاب ہو جاتا ہے، ایک روز منتظر کچھ رات رہتے ہوئے آئے تو دیکھا کہ خلیفہ رسول یعنی ابوبکر صدیقؓ اس ضعیفہ کی خدمت گذاری سے فارغ ہو کر جھونپڑے سے نکل رہے ہیں، بولے اے خلیفہ رسول اللہ قسم ہے کیا ہر روز آپ ہی سبقت کر جاتے ہیں۔

مذہبی زندگی! حضرت ابوبکرؓ رات رات بھر نمازیں پڑھتے، دن کو اکثر روزے رکھتے، سوتے کم تھے، روز دن ہی میں بسر ہوتا، خضوع و خشوع کا یہ عالم تھا کہ نماز میں لکڑی کی طرح بے حس و حرکت نظر آتے، رقت اس قدر طاری ہوتی کہ روتے روتے ہچکی بندھ جاتی تھی، خوف خدا

۱؎ کنز العمال ج ۶ ص ۳۱۴ ۲؎ ایضاً ص ۳۱۲

معمولی سے معمولی غذا اور موٹے جھوٹے کپڑے پر قناعت کی ہے، مسلمانوں کے مال میں سے میرے پاس ایک حبشی غلام، ایک اونٹ اور اس پرانی چادر کے سوا اور کچھ نہیں ہے، میرے بعد یہ تمام چیزیں عمر بن الخطاب کو واپس دیکر ان سے بری ہو جانا۔[1]

حضرت ابو بکرؓ نے چونکہ اپنی تمام دولت اسلام پر نثار کر دی تھی اس لیے عسرت و ناداری کے باعث ان پر دو دو تین تین وقت فاقے سے گذر جاتے تھے، ایک روز آنحضرت صلعم نے ان کو اور حضرت عمرؓ کو مسجد میں بھوک سے بے قرار دیکھا، فرمایا "میں بھی تمہاری طرح سخت بھوکا ہوں" حضرت ابو الہیثم انصاریؓ کو معلوم ہوا تو انھوں نے اپنے گھر پر کھانے کی دعوت دی۔[2]

**ذریعہ معاش** تجارت اصلی ذریعہ معاش تھی، فرماتے ہیں کہ میں قریش میں سب سے بڑا اور متمول تاجر تھا، جب اسلام میں بھی یہی شغل جاری رہا اور مال تجارت لیکر دور دراز ممالک کا سفر اختیار فرمایا، چنانچہ آنحضرت صلعم کی وفات سے ایک سال پہلے تجارت کے خیال سے بصریٰ تشریف لے گئے تھے۔[3]

خلافت کا بار جب سر پر آیا تو قدرۃً ان کا تمام وقت مسلمانوں کی فلاح و بہبود کے لیے وقف ہو گیا، اس بنا پر صحابہ کرامؓ نے مشورہ کر کے روزانہ آدھی بکری کا گوشت اور اوڑھنے کے لئے اہل و عیال کے کپڑے اور کھانے مقرر کر دیے، حضرت ابو بکرؓ نے اسکو منظور کر کے فرمایا، قوم جانتی ہے کہ میرا کاروبار میرے اہل و عیال کی حاجت روائی سے قاصر نہ تھا، لیکن اب جبکہ مسلمانوں کے کام میں مشغول ہو گیا ہوں تو ابو بکر کا خاندان حسب ضرورت اُن کے مال سے کھائیگا، اور میں ان کا

[1] طبقات ابن سعد ج ۳ ص ۱۳۶، [2] موطا امام مالک ص ۱۳۷۰، [3] سنن ابن ماجہ کتاب الادب باب المزاح، [4] طبقات ابن سعد ج ۳ ق ۱ ص ۱۳۰

سلام کرے گا۔[1]

ابن سعد نے وظیفہ کی تفصیل یہ بیان کی ہے کہ ان کو دو چادریں ملتی تھیں جب وہ پرانی ہو جاتی تھیں تو انھیں واپس کر کے دوسری لے لیتے تھے، سفر کے موقع پر سواری اور خلافت سے پہلے جو خرچ تھا اسی کے موافق اپنے اور اپنے متعلقین کے لیے خرچ لیتے تھے[2]

جاگیر: آنحضرت صلعم نے ان کو خیبر میں ایک جاگیر مرحمت فرمائی تھی، اس کے علاوہ انھوں نے اطراف مدینہ اور بحرین میں دوسری جاگیریں بھی حاصل کی تھیں[3]

حلیہ: حضرت ابوبکرؓ نہایت نحیف و لاغر اندام تھے، چہرہ کم گوشت اور رنگ گندم گون تھا، پیشانی بلند و فراخ اور آنکھیں دھنسی ہوئی تھیں، بالوں میں مہندی کا خضاب کرتے تھے۔

ازدواج و اولاد: حضرت ابوبکرؓ نے مختلف اوقات میں متعدد شادیاں کیں جن بیویوں سے اولاد ہوئی ان کے نام یہ ہیں:

قتیلہ یا قتلہ، ان سے حضرت عبداللہؓ اور حضرت اسماءؓ پیدا ہوئیں

ام رومان، یہ ام المومنین حضرت عائشہؓ اور حضرت عبدالرحمنؓ کی ماں تھیں

اسماء۔ ان سے محمد بن ابی بکرؓ پیدا ہوئے

حبیبہ بنت خارجہ حضرت ابوبکرؓ کی سب سے چھوٹی صاحبزادی ام کلثوم انہی کے بطن سے تھیں[4]

---

[1] بخاری جلد اصفحہ ۵۰۹ [2] طبقات ابن سعد جزو ۳ ق ۱ ص ۱۳۶ [3] ایضاً ص ۱۳۷ [4] طبقات تذکرہ ابوبکر

# امیر المومنین حضرت عمر فاروقؓ

**نام و نسب اور خاندان** عمر نام، ابو حفص کنیت، فاروق لقب، والد کا نام خطاب اور والدہ کا نام ختمہ تھا، پورا سلسلہ نسب یہ ہے، عمر بن الخطاب بن نفیل بن عبد العزیٰ بن رباح بن عبد اللہ بن قرط بن رزاح بن عدی بن کعب بن لوی بن فہر بن مالک۔ چونکہ عدی کے دوسرے بھائی مرہ تھے جو رسول اللہ صلعم کے اجداد سے ہیں اس لحاظ سے حضرت عمرؓ کا سلسلہ نسب رسول اللہ صلعم کی آٹھویں پشت میں جا کر مل جاتا ہے۔

حضرت عمرؓ کا خاندان ایام جاہلیت میں بھی نہایت ممتاز تھا، آپ کے جد اعلیٰ عدی عرب کے باہمی منازعات میں ثالث مقرر ہوا کرتے تھے، اور قریش کو کسی قبیلہ کے ساتھ کوئی ملکی معاملہ پیش آجاتا تو سفیر بن کر جایا کرتے تھے اور یہ دونوں منصب عدی کے خاندان میں نسلاً بعد نسلٍ چلے آرہے تھے، ددھیالی خاندان کی طرح حضرت عمرؓ ننھیال کی طرف سے بھی نہایت معزز خاندان سے تعلق رکھتے تھے، چنانچہ آپ کی والدہ ختمہ ہشام بن مغیرہ کی بیٹی تھیں اور مغیرہ اسی درجہ کے آدمی تھے کہ جب قریش کسی قبیلہ سے نبرد آزمائی کے لیے جاتے تھے تو فوج کا اہتمام انہی کے متعلق ہوتا تھا۔[1]

حضرت عمرؓ ہجرت نبوی سے ۴۰ برس قبل پیدا ہوئے، ایام طفولیت کے حالات پردۂ خفا میں ہیں بلکہ سن رشد کے حالات بھی بہت کم معلوم ہیں، شباب کا آغاز ہوا تو ان شریفانہ مشغلوں میں مشغول ہوئے جو شرفائے عرب میں عموماً رائج تھے یعنی نسب دانی

---

[1] اصابہ ج ۲ ص ۵۱۸ و عقد الفرید باب فضائل العرب

سپہ گری، پہلوانی اور خطابت میں مہارت پیدا کی خصوصاً شہسواری میں کمال حاصل کیا،
اسی زمانہ میں اُنھوں نے لکھنا پڑھنا بھی سیکھ لیا تھا،

تعلیم و تعلم سے فارغ ہونے کے بعد فکرِ معاش کی طرف متوجہ ہوئے، عرب میں لوگوں
کا ذریعۂ معاش زیادہ تر تجارت تھا، اس لیے اُنھوں نے بھی یہی شغل اختیار کیا اور اسی
سلسلہ میں دور دور ممالک کا سفر کیا اور اس طریقہ سے خودداری، بلند حوصلگی، تجربہ کاری
اور معاملہ فہمی کی بے زوال دولت حاصل کی، یہی وجہ تھی کہ حضرت عمرؓ قبولِ اسلام سے
پہلے ہی تمام عرب میں روشناس ہو گئے تھے، اور قریش نے اُن کی قابلیت کے جوہر
دیکھ کر سفارت کے منصب پر ممتاز کر دیا تھا، قبائل میں جب کوئی پیچیدگی پیدا ہوجاتی تھی
تو آپ ہی سفیر بن کر جاتے تھے اور اپنے غیر معمولی فہم و تدبر اور تجربہ سے اس عقدہ کو حل
کرتے تھے۔

حضرت عمرؓ کا ستائیسواں سال تھا کہ ریگستانِ عرب میں آفتابِ اسلام پرتو افگن
ہوا اور مکہ کی گھاٹیوں سے توحید کی صدا بلند ہوئی، حضرت عمرؓ کے لیے یہ آواز نہایت
نامانوس تھی، اس لیے سخت برہم ہوئے، یہاں تک کہ جس کی نسبت معلوم ہو جاتا کہ یہ مسلمان
ہو گیا ہے اس کے دشمن بن جاتے، اُن کے خاندان کی ایک کنیز لبینہ نامی مسلمان ہو گئی
تھی اس کو سخت مارتے کہ مارتے مارتے تھک جاتے، لبینہ کے سوا اور جس جس پر قابو چلتا
تھا زد و کوب سے دریغ نہیں کرتے تھے، لیکن اسلام کا نشہ ایسا نہ تھا جو چڑھ کر اتر جاتا،
ان تمام سختیوں پر ایک شخص کو بھی وہ اسلام سے بددل نہ کر سکے،

---

۱ استیعاب بر حاشیہ اصابہ ج ۲ ص [illegible]

# اسلام حضرت عمرؓ

قریش کے سربرآوردہ اشخاص میں ابوجہل اور حضرت عمرؓ اسلام اور بانی اسلام کی دشمنی میں سب سے زیادہ سرگرم تھے، اس لیے آنحضرت صلعم نے خصوصیت کے ساتھ انھیں دونوں کے لیے اسلام کی دعا فرمائی۔[1] اللھم اعز الاسلام باحد الرجلین اما ابن ھشام واما عمر بن الخطاب۔ یعنی خدایا اسلام کو ابوجہل یا عمر بن الخطاب سے معزز کر۔ مگر یہ دولت تو قسام ازل نے حضرت عمرؓ کی قسمت میں لکھ دی تھی، ابوجہل کے حصہ میں کیونکر آتی؟ اس کا اثر یہ ہوا کہ کچھ دنوں کے بعد جو اسلام کا سب سے بڑا دشمن تھا سب سے بڑا دوست اور سب سے بڑا جان نثار ہو گیا، یعنی حضرت عمرؓ کا دامن دولت ایمان سے بھر گیا۔ ذالک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء۔

تاریخ و سیر کی کتابوں میں حضرت عمرؓ کی تفصیلات اسلام میں اختلاف ہے، ایک مشہور روایت جس کو عام طور پر ارباب سیر لکھتے ہیں یہ ہے کہ جب حضرت عمرؓ اپنی انتہائی سختیوں کے باوجود ایک شخص کو بھی اسلام سے بددل نہ کر سکے تو آخر کار مجبور ہو کر نعوذ باللہ خود بانی اسلام کے قتل کا ارادہ کیا، اور تلوار کمر سے لگا کر سیدھے رسول اللہ صلعم کی طرف چلے۔ راہ میں اتفاقاً نعیم بن عبداللہ مل گئے اور ان کے تیور دیکھ کر پوچھا خیر تو ہے؟ بولے محمد صلعم کا فیصلہ کرنے جاتا ہوں۔ انھوں نے کہا پہلے اپنے گھر کی تو خبر لو، خود تمھاری بہن اور بہنوئی اسلام لا چکے ہیں۔ فوراً پلٹے اور بہن کے ہاں پہنچے، وہ قرآن پڑھ رہی تھیں، ان کی آہٹ پا کر چپ ہو گئیں اور قرآن کے اجزاء چھپا لیے، لیکن آواز ان کے کانوں میں پڑ چکی تھی، بہن سے پوچھا

[1] جامع ترمذی مناقب عمرؓ

یہ کیا آواز تھی؟ بہنوئی کچھ نہیں! انھوں نے کہا میں سُن چکا ہوں تم دونوں مرتد ہو گئے ہو۔ یہ کہہ کر بہنوئی سے دست و گریبان ہو گئے اور جب اُن کی بہن بچانے کو آئیں تو اُن کی بھی خبر لی یہاں تک کہ اُن کا جسم لہولہان ہو گیا۔ لیکن اسلام کی محبت پر اُن کا پورا ذہن تھا۔ بولیں کہ عمرؓ جو بن آئے کرو لیکن اسلام اب دل سے نہیں نکل سکتا۔"

ان الفاظ نے حضرت عمرؓ کے دل پر خاص اثر کیا۔ بہن کی طرف محبت کی نگاہ سے دیکھا ان کے جسم سے خون جاری تھا، دیکھ کر اور بھی رقت ہوئی۔ فرمایا تم لوگ جو پڑھ رہے تھے مجھ کو بھی سناؤ۔ فاطمہ نے قرآن کے اجزاء سامنے لا کر رکھ دیے۔ اٹھا کر دیکھا تو یہ سورہ تھی

| | |
|---|---|
| سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ | زمین و آسمان میں جو کچھ ہے سب خدا کی تسبیح پڑھتے ہیں |
| وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ (سورۂ حدید) | وہ غالب حکمت والا ہے۔ |

ایک ایک لفظ پر اُن کا دل مرعوب ہوتا جاتا تھا۔ یہاں تک کہ جب اس آیت پر پہنچے

| | |
|---|---|
| آمِنُوا بِاللّٰهِ وَرَسُولِهِ (سورۂ حدید) | خدا پر اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ۔ |

تو بے اختیار پکار اُٹھے کہ

اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُولُ اللّٰهِ

یہ وہ زمانہ تھا کہ رسول اللہ صلعم ارقمؓ کے مکان میں جو کوہِ صفا کے نیچے واقع تھا پناہ گزین تھے۔ حضرت عمرؓ نے آستانۂ مبارک پر پہنچ کر دستک دی۔ چونکہ شمشیر بکف تھے، صحابہؓ کو تردد ہوا لیکن حضرت امیر حمزہؓ نے کہا آنے دو۔ مخلصانہ آیا ہے تو بہتر ہے ورنہ اسی کی تلوار سے اس کا سر قلم کر دوں گا۔ حضرت عمرؓ نے اندر قدم رکھا تو رسول اللہ صلعم خود آگے بڑھے اور اُن کا دامن پکڑ کے فرمایا "کیوں عمر کس ارادے سے آئے ہو؟" نبوت کی پُرجلال آواز نے ان کو کپکپا دیا

نہایت خضوع کے ساتھ عرض کی کہ ایمان لانے کے لیے[۱] آنحضرت صلعم نے بے اختیار اللہ اکبر کا نعرہ اس زور سے مارا کہ تمام پہاڑیاں گونج اٹھیں۔

یہی روایت مختلف تغیر کے ساتھ دارقطنی، حاکم، ابو یعلی اور بیہقی میں حضرت انسؓ سے مروی ہے۔ دونوں میں فرق صرف اس قدر ہے کہ پہلی میں سورۂ حدید کی آیت سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ہے اور دوسری میں سورۂ طٰہٰ کی یہ آیت ہے:

اِنَّنِیْۤ اَنَا اللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّاۤ اَنَا فَاعْبُدْنِیْ ۙ وَ اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِیْ ۔ (سورۂ طٰہٰ)

میں ہی ہوں خدا کوئی نہیں خدا لیکن میں سو مجھکو پوجو اور میری یاد کے لیے نماز کھڑی کرو۔

جب اس آیت پر پہونچے تو بے اختیار ہو کر دل سے کلمہ لا الہ الا اللہ پکار اٹھے اور دار ارقم پر حاضری کی درخواست کی۔ لیکن یہ روایت دارقطنی سے مروی ہے اور دونوں میں ایسے راوی ہیں جو قبول کے لائق نہیں چنانچہ دارقطنی نے اس روایت کو نقل کر کے لکھا ہے کہ اس کا ایک راوی قاسم بن عثمان بصری قوی نہیں۔ ذہبی نے مستدرک حاکم کے استدراک میں لکھا ہے کہ یہ روایت واہی و منقطع ہے۔ میزان الاعتدال میں لکھا ہے کہ قاسم بن عثمان بصری نے حضرت عمرؓ کے اسلام کا جو قصہ نقل کیا ہے وہ نہایت ہی منکر ہے۔ کنز العمال میں بھی اس کی تضعیف کی گئی ہے۔[۳]

ان دونوں روایتوں کے مشترک راوی اسحاق بن یوسف، قاسم بن عثمان، اسحاق بن ابراہیم الحنینی اور اسامہ بن زید بن اسلم ہیں اور یہ سب پایۂ اعتبار سے ساقط ہیں۔

---

[۱] سنن بیہقی جلد ۱ صفحہ ۲۰۰-۲۰۳ و کنز العمال بحوالہ ابن عساکر و ابو یعلی و ابن ابی شیبہ و دارقطنی باب الطہارۃ [۲] مستدرک حاکم جلد ۴ صفحہ ۵۹ [۳] میزان الاعتدال قاسم بن عثمان بصری [۴] کنز العمال فضائل عمر بن خطابؓ

ان دو روایتوں کے علاوہ مسند ابن حنبل میں ایک روایت خود حضرت عمرؓ سے مروی ہے جو گو ایک تابعی کی زبان سے مروی ہے تاہم اس باب میں سب سے زیادہ محفوظ ہے، حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ ایک شب میں آنحضرت صلعم کو چھیڑنے نکلا آپ بڑھ کر مسجد حرام میں داخل ہوگئے اور نماز شروع کردی جس میں آپ نے سورۂ الحاقہ تلاوت فرمائی، میں کھڑا سنتا رہا اور قرآن کے نظم و اسلوب سے حیرت میں تھا، دل میں کہا خدا کی قسم یہ شاعر ہے جیسا قریش کہا کرتے ہیں ابھی یہ خیال ہی تھا کہ آپ نے یہ آیت پڑھی

انہ لقول رسول کریم وما ھو بقول شاعر قلیلا ما تؤمنون (الحاقہ ۱۲) — یہ ایک بزرگ قاصد کا کلام ہے اور یہ کسی شاعر کا کلام نہیں تم بہت کم ایمان رکھتے ہو

میں نے کہا یہ تو کاہن ہے میرے دل کی بات جان گیا ہے، اس کے بعد ہی یہ آیت پڑھی

ولا بقول کاہن قلیلا ما تذکرون تنزیل من رب العالمین (الحاقہ ۲) — یہ کاہن کا کلام بھی نہیں تم بہت کم نصیحت پکڑتے ہو یہ جہانوں کے پروردگار کی طرف سے اترا ہے

آپ نے یہ سورہ آخر تک تلاوت فرمائی اور اس کو سن کر اسلام میرے دل میں پوری طرح گھر کر گیا۔[1]

اس کے علاوہ صحیح بخاری میں خود حضرت عمرؓ کی زبانی یہ روایت ہے کہ بعثت سے کچھ پہلے یا اس کے بعد ہی وہ ایک بتخانہ میں سوتے تھے کہ انہوں نے دیکھا کہ ایک بت پر ایک قربانی چڑھائی گئی اور اس کے اندر سے آواز آئی اے جلیح! ایک فصیح البیان کہتا ہے لا الہ الا اللہ۔ اس آواز کا سننا تھا کہ لوگ بھاگ کھڑے ہوئے لیکن میں کھڑا رہا کہ دیکھوں اس کے بعد کیا ہوتا ہے کہ پھر وہی آواز آئی، اس واقعہ پر تھوڑے ہی دن گذرے تھے کہ لوگوں میں یہ

---

[1] مسند ابن حنبل جلد ا صفحہ ۱۷

چرچا ہوا کہ یہ نئی دین ابا ہے جنبان الکبر، اس روایت میں یہ بیان نہیں ہے کہ اس آواز کا حضرت عمرؓ پر کیا اثر ہوا۔

بعض اور روایتیں بھی اگر صحیح مان لی جائیں تو شاید واقعہ کی ترتیب یہ ہوگی کہ اس ندائے غیب کی آواز پر حضرت عمرؓ نے لبیک نہیں کہا اور اس کا کوئی تعلق آنحضرت صلعم کی بعثت کی بشارت سے وہ پیدا نہ کر سکے کہ اس میں ان کی رسالت اور نبوت کا کوئی ذکر نہ تھا تاہم چونکہ اس میں توحید کا ذکر تھا اس لیے ان میں ہیجان پیدا ہوگا لیکن چونکہ ان کو قرآن کے سننے کا موقع نہ تھا اس لیے ان کو اس توحید کی دعوت کی حقیقت معلوم نہ ہو سکی اس کے بعد انہوں نے آنحضرت صلعم کو سورۂ الحاقہ نماز میں پڑھتے سنی جس میں قیامت اور حشر و نشر کا نہایت مؤثر بیان ہے تو ان کے دل پر ایک خاص اثر ہوا جیسا کہ ان کے اس فقرہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ فوقع الاسلام فی قلبی کل موقع یعنی اسلام میرے دل میں پوری طرح بیٹھ گیا۔ تاہم چونکہ وہ طبعاً مستقل مزاج اور پختہ کار تھے اس لیے اسلام کا مضمون نے اعلان نہیں کیا بلکہ اس تاثر کو شاید دبائے رہے لیکن اس کے بعد جب ان کی بہن کا واقعہ پیش آیا اور سورۂ طٰہٰ پر نظر پڑی جس میں توحید کی نہایت مؤثر دعوت ہے تو دل پر قابو نہ رہا مجبوراً بے اختیار کلمۂ توحید پکار اٹھے اور اسی وقت اس پر حاضری کی درخواست کی۔

اور اگر وہ پہلی دو روایتیں صحیح تسلیم نہ کی جائیں تو واقعہ کی سادہ صورت یہ ہو سکتی ہے کہ اس ندائے غیب نے ان کے دل میں توحید کا خیال پیدا کیا لیکن چونکہ اس وقت تک دعوت محمدی علانیہ نہ تھی اور ان کو اس کا حال نہ معلوم ہو سکا اور مخالفت کی شدت کے باعث کبھی خود بارگاہ نبوی میں جا کر قرآن سننے کا موقع نہ تھا پھر رفتہ رفتہ اسلام کی حقیقت کی مخالف آوازیں ان کے کانوں میں پڑتی رہیں جو ان کی شدت کو کم کرتی گئیں بالآخر وہ دن آیا کہ آنحضرت صلعم کی زبان مبارک سے ان کو سورۂ الحاقہ کے سننے کا موقع ملا اور وہ بیک جنبش اسلام کے آستانہ پر داخل ہو گئے۔

دارالسلام | عام مورخین اور ارباب سیر نے حضرت عمرؓ کے مسلمان ہونے کا زمانہ سنہ ۶ نبوی
مقرر کیا ہے اور لکھا ہے کہ آپ چالیسویں مسلمان تھے۔ آج کل کے ایک نوجوان تو سطحی فہم
صاحب قلم نے تمام گذشتہ روایات کو ایک سرے سے ناقابل التفات قرار دے کر یہ دعویٰ کیا
ہے کہ حضرت عمرؓ سابقین اولین الاسلام تھے۔ شاید مقصود یہ ہو کہ حضرت ابوبکرؓ کے بعد ہی ان کا
شمار ہو۔ اس مقصد کے لئے انہوں نے صحیح بخاری کو مستند قرار دیا ہے۔ چنانچہ حضرت عمرؓ کے
اسلام کی تمہید میں وہ لکھتے ہیں کہ:-

اسی طرح سلیم کی بنا پر ان کو دعوت اسلام سے ہمدردی پیدا ہوئی چنانچہ ان کی
بہن فاطمہ اور سعید بن زید نے اسلام قبول کیا تو گو وہ مسلمان نہیں ہوئے تھے تاہم لوگوں کی اسلام پر
تمام بے جا تکلیف کرتے تھے چنانچہ سعید نے اس واقعہ کو ایک موقع پر بیان کیا ہے

لقد رأیتنی وان عمر لموثقی علی الاسلام انا واختہ وما اسلم
یعنی حضرت عمرؓ مجھ کو اور اپنی بہن کو اسلام پر مجبور کرتے تھے حالانکہ وہ خود بھی مسلمان نہ ہوئے تھے[۱]

اس حدیث میں اپنے موافق مطلب تحریف کرنے کے بعد وہ فرماتے ہیں کہ:
کہ اس حدیث کا بعض لوگوں نے اور ہی مطلب بیان کیا ہے اور قسطلانی نے اس کی
تردید کی ہے[۲]

اس کے بعد بخاری میں ہاتف غیب سننے کے واقعہ کا ذکر کیا ہے:
پہلی حدیث سے حضرت عمرؓ کی اسلام کے ساتھ ہمدردی اور دوسری میں ہاتف غیب
کی آواز سننے کا ذکر ہے۔ ان دونوں باتوں کو ملا کر انہوں نے فوراً حضرت عمرؓ کا ابتدائے اسلام
میں مسلمان ہونے کا قطعی فیصلہ کر دیا اور اسی واقعہ کو ان کے قبول اسلام کا سبب قرار دے دیا۔

۱ سیرۃ الصحابہ صفحہ ۲۰۳، ۲ ایضاً صفحہ ۲۰۴

اس کے بعد ایک اور شہادت پر مصنف کی نظر پڑی کہ مرض موت میں ایک نوجوان نے
حضرت عمرؓ کے سامنے یہ الفاظ کہے کہ

"اے امیر المومنین! خدا نے آپ کو رسول صلعم کی صحبت اور سبقت کے ذریعہ سے رتبہ آپ
جانتے ہیں، اور جو بشارت دی ہو اس سے آپ خوش ہوں۔"[1]

اس قدر زبردست دلائل کے بعد فاضل مصنف ناظرین سے طالب ہیں کہ

"ایک طرف تو صحیح بخاری کی مستند روایت ہیں جو حضرت عمرؓ کی فطری سلامت روی اور
حق پسندی کو ظاہر کرتی ہیں، دوسری طرف مزخرفات کا یہ دفتر ہے، اب یہ جو ان میں گزشتہ
واقعات سے شمار ہیں مقابلہ تسلیم کرتا ہے ناظرین انصاف کریں کہ ان میں سے کس کو صحیح
تسلیم کیا جائے۔"

افسوس مصنف کو دیگر مسائل کی طرح اس مسئلہ میں بھی تعمد و مسامحات میں گرفتار ہونا پڑا
ہے۔ اب ہم ناظرین کو مصنف کے ابتدائی دلائل کی طرف توجہ دلاتے ہیں

مصنف نے سب سے پہلے اسلام کے ساتھ حضرت عمرؓ کی ہمدردی میں سعید بن زید کی
روایت پیش کی ہے۔

| | |
|---|---|
| کان عمر بن الخطاب موثقی علی الاسلام[2] | یعنی حضرت عمرؓ مجھ کو اور اپنی بہن کو اسلام پر مجبور کرتے تھے |
| انا و ختنہ وما اسلم | حالانکہ وہ خود مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ |

اس کے بعد کہتے ہیں کہ اس حدیث کا بعض لوگوں نے ایک اور مطلب بھی بیان کیا ہے
اور قسطلانی نے اس کی تردید کی ہے۔ بیان پر مصنف نے اپنے مطلب کے ثابت کرنے میں
بڑی جسارت سے کام لیا ہے، اول تو حدیث کے الفاظ میں صریح تحریف کی ہے، اور وہ تحریف بھی

[1] اس کے علاوہ روایات میں جو حدیث وغیرہ کی کتابوں میں مذکور ہیں۔ [2] الخ بخاری باب اسلام عمرؓ۔

تھے بلکہ سن و فہم کے اس درجہ پر پہنچ چکے تھے کہ ان کو لڑکپن کے واقعات وضاحت سے یاد رہ گئے اور تجربہ اس کا شاہد ہے کہ دس سال کا بچہ ان حوادث کو اس طرح سے محفوظ نہیں رکھ سکتا۔ آگے چلیے ۳ھ ہجری یعنی بعثت کے سولھویں سال غزوۂ احد ہوا۔ بخاری میں خود حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ اس وقت اُن کی عمر ۱۴ سال کی تھی۔ بچے خورد سال بچوں کے ساتھ چھانٹ دیے گئے تھے اور لڑائی میں نہیں لیے گئے۔ اس حساب سے بعثت کے دو سال بعد آپ کی پیدائش ماننی پڑے گی۔ ورنہ اگر پانچ سال کی عمر تک محفوظ رہنے کیلئے مانی ہو گی تو پانچ سال یہ اور دو سال بعد بعثت کے کل سات سال ہو جاتے ہیں لہذا خود صحیح بخاری کی تائید سے یہ واضح ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ کا زمانۂ اسلام سنہ ۶ بعثت ہوگا۔ اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ آغاز بعثت کی آغاز بعثت کے سات سال بعد اسلام لائے۔

حضرت عمرؓ کے مسلمان ہونے سے اسلام کی تاریخ میں ایک نیا دور شروع ہو گیا۔ اس وقت تک چالیس یا اس سے کچھ کم و بیش آدمی دائرۂ اسلام میں داخل ہو چکے تھے لیکن وہ نہایت بےبسی و مجبوری کے عالم میں تھے۔ علانیہ فرائض مذہبی ادا کرنا تو درکنار اپنے کو مسلمان ظاہر کرنا بھی خطرے سے خالی نہ تھا۔ اور کعبہ میں نماز پڑھنا تو بالکل ناممکن تھا۔ حضرت عمرؓ کے اسلام لانے سے دفعۃً حالت بدل گئی۔ انھوں نے علانیہ اپنے اسلام کا اظہار کیا اور صرف یہی نہیں بلکہ مشرکین کو جمع کر کے باواز بلند اپنے ایمان کا اعلان کیا۔ مشرکین نہایت برافروختہ ہوئے لیکن عاص بن وائل نے جو رشتہ میں حضرت عمرؓ کے ماموں تھے اُن کو اپنی پناہ میں لے لیا۔ حضرت عمرؓ قبول اسلام سے پہلے اپنی آنکھوں سے مسلمانوں کی مظلومیت کا

۱؎ بخاری باب غزوۂ خندق۔

خاشا دیکھتے تھے اس لیے شوق شہادت نے پسند نہیں کیا کہ وہ اس فضیلت سے متمتع ہو سکے بعد عاص بن وائل کی پناہ کے باعث محفوظ رہیں انھوں نے پناہ قبول کرنے سے انکار کر دیا اور برابر ثبات و استقلال کے ساتھ مشرکین کا مقابلہ کرتے رہے یہاں تک کہ مسلمانوں کی جماعت کے ساتھ کعبہ میں جا کر نماز ادا کی۔

یہ پہلا موقع تھا کہ حق باطل کے مقابلہ میں سر بلند ہوا اور حضرت عمرؓ کو اس صلہ میں دربار نبوت سے فاروق کا لقب مرحمت کیا گیا۔

ہجرت مکہ میں جس طرح مسلمانوں کی تعداد بڑھتی گئی اسی طرح مشرکین قریش کے بغض و عناد میں ترقی ہوتی گئی اگرچہ پہلے وہ صرف فطری خونخواری اور جوش مذہبی کی بنا پر مسلمانوں کو اذیت پہونچاتے تھے تو اب انھیں سیاسی مصالح نے مسلمانوں کے کامل استیصال پر آمادہ کر دیا تھا، سچ یہ ہے کہ اگر علمبرداران اسلام میں غیر معمولی جوش ثبات اور وارفتگی کا مادہ نہ ہوتا تو ایمان پر ثابت قدم رہنا غیر ممکن تھا۔

حضرت عمرؓ سنہ ۶ نبوی میں اسلام لائے تھے اور سنہ ۱۳ نبوی میں ہجرت ہوئی اس طرح گویا انھوں نے اسلام لانے کے بعد تقریباً ۷ برس تک قریش کے مظالم برداشت کیے جب مسلمانوں کو مدینہ کی جانب ہجرت کی اجازت ہوئی تو حضرت عمرؓ بھی اس سفر کے لیے آمادہ ہوئے اور بارگاہ نبوت سے اجازت لیکر چند آدمیوں کے ساتھ مدینہ کی طرف روانہ ہوئے اور اس شان کے ساتھ روانہ ہوئے کہ پہلے مسلح ہو کر مشرکین کے مجمعوں سے گذرتے ہوئے خانۂ کعبہ پہونچے نہایت اطمینان سے طواف کیا نماز پڑھی پھر مشرکین سے مخاطب ہو کر کہا کہ جس کو مقابلہ کرنا ہو وہ مکہ سے باہر نکل کر مقابلہ کرے لیکن کسی کی ہمت نے یاری نہ کی۔

سلہ ابن سعد جزو ۳ قسم اول صفحہ ۱۹۰

بعد وہ مدینہ کی طرف روانہ ہوگئے[1]

حضرت عمرؓ مدینہ پہنچکر قبا میں رفاعہ بن عبد المنذر کے مہمان ہوئے، قبا کا دوسرا نام عوالی ہے چنانچہ صحیح مسلم میں ان کی فرودگاہ کا نام عوالی ہی لکھا ہے، حضرت عمرؓ کے بعد اکثر صحابہ نے ہجرت کی یہانتک کہ مختصر دنوں میں خود آفتاب رسالت بھی مکہ کی گھاٹیوں سے نکل کر مدینہ کے افق سے ضو افگن ہوا۔

آنحضرت صلعم نے مدینہ تشریف لانے کے بعد غریب الوطن مہاجروں کے رہنے سہنے کا اس طرح انتظام کیا کہ ان میں اور انصار میں برادری قائم کردی جس کا یہ اثر ہوا کہ انصار نے عدیم النظیر ایثار سے کام لیکر اپنے مہاجر بھائیوں کو تمام مال واسباب میں نصف کا شریک بنالیا۔ اس رشتے کے قائم کرنے میں فرق مراتب کا خاص طور پر لحاظ رکھا گیا تھا یعنی جو مہاجر جس رتبہ کا تھا اسی حیثیت کے انصاری سے اس کی برادری قائم کی گئی تھی چنانچہ حضرت عمرؓ کے برادر اسلامی حضرت عتبان بن مالک قرار پائے تھے جو قبیلۂ بنی سالم کے معزز رئیس تھے،

مدینہ کا اسلام مکہ کی طرح بے بس و مجبور نہ تھا بلکہ اب آزادی اور اطمینان کا دور تھا، اس لیے وقت آگیا تھا کہ فرائض و ارکان محدود و متعین کیے جائیں نیز مسلمانوں کی تعداد وسیع سے وسیع تر ہوتی جاتی تھی اور وہ دور دور کے محلوں میں آکر بسنے لگے تھے اس بنا پر سخت ضرورت تھی کہ اعلان نماز کا کوئی طریقہ معین کیا جائے چنانچہ حضرت رسالت پناہ صلعم نے سب سے پہلے اسی کا انتظام کرنا چاہا، بعض صحابہ کی رائے ہوئی کہ آگ جلا کر لوگوں کو خبر کیجائے بعض کا خیال تھا کہ یہودیوں اور عیسائیوں کی طرح بوق و ناقوس سے کام لیا جائے، حضرت عمرؓ نے کہا کہ ایک آدمی اعلان کرنے کیلیے کیوں نہ مقرر کیا جائے؟ رسول اللہ صلعم کو یہ رائے پسند آئی؛

[1] زرقانی ج صفحہ [illegible]

اور اسی وقت حضرت بلالؓ کو اذان کا حکم دیا گیا۔ اس طرح اسلام کا ایک شعار اعظم حضرت عمرؓ کی رائے کے موافق قائم ہوا[1] جس سے تمام عالم قیامت تک دن اور رات میں پانچ وقت توحید و رسالت کے اعلان سے گونجتا رہیگا۔

## غزوات و دیگر حالات

مدینہ میں سب سے پہلا معرکہ بدر کا پیش آیا۔ حضرت عمرؓ اس معرکہ میں رائے و تدبیر جانبازی اور پامردی کے لحاظ سے ہر موقع پر رسول اللہ کے دست و بازو رہے۔ عاصی بن ہشام بن مغیرہ جو رشتہ میں ان کا ماموں تھا خود ان کے تیغ بے نیام سے واصل جہنم ہوا۔ یہ بات حضرت عمرؓ کے خصوصیات میں سے ہے کہ اسلام کے مقابلہ میں قرابت و محبت کے تعلقات سے تعلقات ذرہ نہیں ہوتے تھے۔ چنانچہ اس خصوصیت کی یہ پہلی مثال تھی۔

بدر کا میدان مسلمانوں کے ہاتھ رہا۔ قریش کے کم و بیش ستر آدمی مارے گئے اور تقریباً اسی قدر گرفتار ہوئے۔ چونکہ ان میں قریش کے اکثر بڑے بڑے معزز سردار تھے اس لیے بحث پیدا ہوئی کہ ان کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے۔ رسول اللہ نے تمام صحابہ سے رائے لی تو لوگوں نے مختلف رائیں دیں۔ حضرت ابوبکرؓ کی رائے ہوئی کہ فدیہ لیکر چھوڑ دیا جائے۔ حضرت عمرؓ نے اختلاف کیا اور کہا کہ ان سب کو قتل کر دینا چاہیے اور اس طرح کہ ہم میں سے ہر ایک اپنے عزیز کو آپ قتل کرے۔ علی عقیل کی گردن ماریں اور فلاں جو میرا عزیز ہے اس کا کام میں تمام کر دوں۔

آنحضرت صلعم کی شان رحمۃ للعالمین نے حضرت ابوبکرؓ کی رائے پسند کی اور فدیہ لیکر

---

[1] صحیح بخاری کتاب الاذان باب بدء الاذان و سنن ابن ماجہ و مسند ابو داؤد باب

چھوڑ دیا۔ بارگاہِ الٰہی میں یہ چیز پسند نہ آئی۔ اس پر عتاب آیا اور یہ آیت نازل ہوئی۔

ما كان لنبي ان يكون له اسرى حتى يثخن في الارض الخ

کسی پیغمبر کے لیے یہ مناسب نہیں ہے کہ اس کے پاس قیدی ہوں جب تک وہ خونریزی نہ کر لے

حضور انور صلعم اور حضرت ابوبکرؓ نے گریہ وزاری کی۔[1]

واقعۂ بدر کے بعد خود مدینہ کے یہودیوں سے لڑائی ہوئی اور اُن کو جلاوطن کیا گیا۔ پھر غزوۂ سویق اور دوسرے چھوٹے چھوٹے معرکے پیش آئے [illegible] یہاں تک کہ شوال سنہ ۳ ہجری میں غزوۂ احد کا معرکہ پیش آیا۔ اس میں ایک طرف تو قریش کی تعداد تین ہزار تھی جس میں دو سو سوار اور سات سو زرہ پوش تھے۔ اُدھر غازیانِ اسلام کی کل تعداد صرف سات سو تھی جس میں سو زرہ پوش اور دو سوار تھے۔ ۷ شوال جمعہ کے دن لڑائی شروع ہوئی۔ آنحضرتؐ نے عبداللہ بن جبیرؓ کو پچاس تیراندازوں کے ساتھ فوج کے عقب میں متعین کر دیا تھا کہ اُدھر سے کفار حملہ نہ کرنے پائیں۔

مسلمانوں نے غنیم کی صفیں تہ و بالا کر دیں۔ کفار شکست کھا کر بھاگے اور غازیانِ دین مالِ غنیمت جمع کرنے میں مصروف ہو گئے۔ تیراندازوں نے سمجھا کہ اب معرکہ ختم ہو چکا۔ اس خیال سے وہ بھی لوٹنے میں مصروف ہو گئے۔ تیراندازوں کا اپنی جگہ سے ہٹنا تھا کہ خالد نے (جو اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے) دفعۃً عقب سے بڑے زور شور کے ساتھ حملہ کر دیا۔ مسلمان چونکہ غافل تھے اس لیے اس ناگہانی سیلے کو روک نہ سکے۔ یہاں تک کہ کفار نے خود ذاتِ اقدس صلعم پر یورش کر دی اور اس قدر تیروں اور پتھروں کی بارش کی کہ آپ کے دندانِ مبارک شہید ہو گئے۔ پیشانی پر زخم آیا اور رخسار مبارک میں مغفر کی کڑیاں چبھ گئیں۔

[1] صحیح مسلم کتاب الجہاد والسیر باب الامداد بالملائکۃ فی غزوۃ بدر و اباحۃ الغنائم۔

اور اس کے ساتھ آپ ایک گڑھے میں گر پڑے اور لوگوں کی نظروں سے چھپ گئے۔

جنگ کا زور شور جب کسی قدر کم ہوا تو آنحضرت صلعم تیس فدائیوں کے ساتھ پہاڑ پر تشریف لے گئے۔ اسی اثنا میں خالد کو ایک دستہ فوج کے ساتھ اس طرف بڑھتے ہوئے دیکھکر فرمایا کہ خدایا یہ لوگ یہاں تک نہ آنے پائیں۔ حضرت عمرؓ نے چند مہاجرین و انصار کے ساتھ آگے بڑھکر حملہ کیا اور ان لوگوں کو ہٹا دیا۔[1]

ابوسفیان سالار قریش درہ کے قریب پہنچکر پکارا کہ اس گروہ میں محمد ہیں؟ آنحضرت صلعم نے ارشاد کیا کہ کوئی جواب نہ دے۔ ابوسفیان نے پھر حضرت عمرؓ اور ابوبکرؓ کا نام لیکر کہا کہ یہ دونوں اس مجمع میں ہیں یا نہیں؟ اور جب کسی نے کچھ جواب نہیں دیا تو بولے کہ ضرور یہ لوگ مارے گئے۔ حضرت عمرؓ سے نہ رہا گیا پکار کر کہا او دشمن خدا! ہم سب زندہ ہیں۔ ابوسفیان نے کہا اعل ہبل یعنی اے ہبل بلند ہو۔ رسول اللہ نے حضرت عمرؓ سے فرمایا جواب دو اللہ اعلیٰ واجل یعنی خدا بلند و برتر ہے۔[2]

غزوہ احد کے بعد ۳ ہجری میں حضرت عمرؓ کو یہ شرف حاصل ہوا کہ ان کی صاحبزادی حضرت حفصہؓ رسول اللہ کے نکاح میں آئیں۔ ۴ ہجری میں بنو نضیر کو ان کی بدعہدی کے باعث مدینہ سے جلا وطن کیا گیا۔ اس واقعہ میں بھی حضرت عمرؓ شریک رہے۔ ۵ ہجری میں غزوہ خندق پیش آیا۔ آنحضرت صلعم نے مدینہ سے باہر نکل کر خندق تیار کرائی۔ دس ہزار کفار نے خندق کا محاصرہ کیا اور لوگ کبھی کبھی خندق میں گھس کر حملہ کرتے تھے۔ اس لیے آنحضرت صلعم نے خندق کے ادھر ادھر تھوڑے تھوڑے فاصلہ پر اکابر صحابہ کو متعین کر دیا تھا کہ دشمن ادھر سے نہ آنے پائیں۔ ایک حصہ پر حضرت عمرؓ متعین تھے۔ چنانچہ یہاں ان کے نام کی ایک

---

[1] طبری صفحہ ۱۴۱۳ ہبل ایک بت کا نام تھا۔ [2] بخاری کتاب المغازی غزوۂ احد

کے بعد ایک معاہدہ پر فریقین رضامند ہو گئے۔ اس معاہدہ میں ایک شرط یہ بھی تھی کہ اگر قریش کا کوئی آدمی رسول اللہ کے ہاں چلا جائے تو اس کو قریش کے پاس واپس کر دیا جائے گا لیکن اگر مسلمانوں کا کوئی شخص قریش کے ہاتھ آجائے تو ان کو واپس کرنے کا اختیار ہوگا۔ حضرت عمرؓ کی غیور طبیعت اس شرط سے نہایت مضطرب ہوئی اور خود سرور کائنات صلعم کے دربار میں حاضر ہو کر دریافت کیا کہ جب ہم حق پر ہیں تو باطل سے اس قدر دب کر کیوں صلح کرتے ہیں؟ آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ میں خدا کا پیغمبر ہوں اور اس کے حکم کے خلاف نہیں کرتا۔ اس کے بعد حضرت ابوبکرؓ کی خدمت میں بھی یہی گفتگو کی اور انہوں نے بھی یہی جواب دیا[1] بعد کو حضرت عمرؓ کو اپنی اس گفتگو پر ندامت ہوئی اور اس کے کفارہ میں کچھ خیرات کی۔ غرض معاہدہ صلح لکھا گیا۔ حضرت عمرؓ نے بھی اس پر اپنے دستخط ثبت کیے۔ رسول اللہ صلعم نے مدینہ کا قصد کیا۔ راہ میں سورۂ انا فتحنا لک فتحا مبینا نازل ہوئی۔ حضرت عمرؓ کو بلا کر سنایا اور کہا کہ آج ایسی سورۃ نازل ہوئی ہے جو مجھ کو دنیا کی تمام چیزوں سے زیادہ محبوب ہے[2]۔

سنہ ۷ ہجری میں واقعہ خیبر پیش آیا۔ یہودیوں نے بڑے بڑے مضبوط قلعے بنائے تھے جن کا فتح ہونا آسان نہ تھا۔ پہلے حضرت ابوبکرؓ سپہ سالار ہوئے۔ ان کے بعد حضرت عمرؓ اس خدمت پر مامور ہوئے۔ لیکن یہ فخر تو حضرت علیؓ کے لیے مقدر ہو چکا تھا۔ ان کو کس طرح کامیابی ہوتی۔ غرض حضرت علیؓ کے ہاتھ سے مرحب مارا گیا اور خیبر فتح ہو گیا۔ آنحضرت صلعم نے خیبر کی زمین مجاہدوں کو تقسیم کر دی۔ چنانچہ ایک ٹکڑا ثمغ نامی حضرت عمرؓ کے حصہ میں آیا۔ انہوں نے اس کو راہ خدا میں وقف کر دیا[3]۔ اور اسلام کی تاریخ میں یہ پہلا وقف تھا جو عمل میں آیا[4]۔

[1] صحیح بخاری کتاب الشروط باب الشروط فی الجہاد والمصالحۃ مع اہل الحرب۔ [2] صحیح بخاری کتاب التفسیر سورۂ فتح۔
[3] صحیح بخاری کتاب الوصایا۔ [4] فتح الباری جلد ۵ صفحہ ۳۰۱۔

قریش نے جب بدعہدی سے حدیبیہ کو توڑ دیا ابوسفیان نے جنگ بندی کے خیال سے مدینہ
آکر عذرخواہی کی رسول اللہ صلعم خاموش رہے مجبوراً حضرت ابوبکرؓ اور پھر حضرت عمرؓ کے
پاس گیا کہ آپ اس معاملہ کو طے کرا دیجئے حضرت عمرؓ نے اس سختی سے جواب دیا کہ وہ بالکل
ناامید ہوگیا غرض نقض عہد کے باعث آنحضرت صلعم نے دس ہزار جانبازوں کے ساتھ رمضان
سنہ ۸ھ میں مکہ پر حملہ کیا اور نہایت جاہ و جلال کے ساتھ فاتحانہ داخل ہوئے در باب کعبہ
پر کھڑے ہو کر نہایت فصیح و بلیغ تقریر کی جو تاریخوں میں محفوظ ہے پھر حضرت عمرؓ کو ساتھ لیکر مقام
صفا پر لوگوں سے بیعت لینے کیلئے تشریف لائے لوگ جوق جوق آتے تھے اور بیعت کرتے
جاتے تھے حضرت عمرؓ آنحضرت صلعم سے زیریں کسی قدر نیچے بیٹھے تھے جب عورتوں کی
باری آئی تو چونکہ آنحضرت بیگانہ عورتوں کے ہاتھ کو مس نہیں کرتے تھے اس لیے حضرت عمرؓ کو
اشارہ کیا کہ تم ان سے بیعت لو چنانچہ تمام عورتوں نے انہیں کے ہاتھ پر آنحضرتؐ کی بیعت کی
فتح مکہ کے بعد اسی سال ہوازن کی لڑائی پیش آئی جو غزوۂ حنین کے نام سے مشہور ہے
حضرت عمرؓ اس جنگ میں بھی نہایت ثابت قدمی اور پامردی کے ساتھ شریک ہوئے
سنہ ۹ ہجری میں یہ خبر مشہور ہوئی کہ قیصر روم عرب پر حملہ آور ہونا چاہتا ہے
چنانچہ آنحضرت نے تمام صحابہ کو تیاری کا حکم دیا اور جنگی تیاریوں کیلئے زر و مال سے
اعانت کی ترغیب دلائی اکثر صحابہ نے بڑی بڑی رقمیں پیش کیں حضرت عمرؓ نے اس موقع پر
تمام مال و اسباب میں سے نصف لا کر آنحضرت کی خدمت میں پیش کیا غرض مسلح اور
سامان درست ہو جانے کے بعد مجاہدین نے مقام تبوک کا رخ کیا یہاں پہنچکر معلوم ہوا کہ خبر
غلط تھی اس لیے چند روز قیام کے بعد سب لوگ واپس آگئے

لہ ترمذی [illegible] روایت نہیں [illegible] حضرت عمرؓ [illegible] قریش کی [illegible] تاریخ سے ثابت ہوتا ہے

سنہ ۱۰ھ میں آنحضرت صلعم حجۃ الوداع کیلیے تشریف لے گئے حضرت عمرؓ بھی ہمرکاب
تھے اس حج سے واپس آنے کے بعد ابتداء ماہ ربیع الاول سنہ ۱۱ھ میں حضور علیل ہو گئے
اور چودہ روز کی مختصر علالت کے بعد ۱۲ ربیع الاول روز دوشنبہ کے دن دوپہر کے وقت آپکا
انتقال ہو گیا۔ تاریخ روایت ہے کہ حضرت عمرؓ نے از خود رفتہ ہو کر مسجد نبوی میں اعلان کیا کہ جو شخص
یہ کہے گا کہ آنحضرت صلعم نے وفات پائی میں اس کو قتل کر دونگا۔ خلیفہ اس بات پر بھی مختلف تھے
اور منافقین کو فتنہ پردازی کا موقع ملتا۔ تم فتنہ سقیفہ بنی ساعدہ کھڑا ہی ہو گیا۔ اگر حضرت
عمرؓ اور حضرت ابوبکر صدیقؓ وقت پر پہنچ کر اپنے ناخن عقل سے اس گتھی کو نہ سلجھاتے تو کیا عجب
تھا کہ یہی فتنہ شیرازہ اسلام کو ہمیشہ کے لیے منتشر کر دیتا۔ لیکن انصار کے ساتھ بہت بحث
و مباحثہ کے بعد حضرت عمرؓ نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کے ہاتھ پر بیعت کر لی اور اس کے بعد تمام
لوگوں نے بیعت کی۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ کی خلافت صرف سوا دو برس رہی ان کے عہد میں جس قدر بڑے
بڑے کام انجام پائے سب میں حضرت عمرؓ شریک تھے قرآن شریف کی ترتیب کا کام
خاص ان کے مشورہ اور اصرار سے عمل میں آیا۔ غرض حضرت ابوبکرؓ کو اپنے عہد خلافت میں تجربہ
ہو گیا تھا کہ منصب خلافت کیلیے عمرؓ سے زیادہ کوئی شخص موزون نہیں ہو سکتا چنانچہ
انہوں نے وفات کے قریب اکابر صحابہ سے مشورہ لیکر ان کو اپنے بعد خلیفہ نامزد کیا اور بلا کر
مفید اور موثر نصیحتیں کیں جو حضرت عمرؓ کیلیے نہایت عمدہ دستور العمل ثابت ہوئیں

---

؎ بخاری کتاب المناقب فضائل ابی بکر رضی اللہ عنہ و کتاب ابواب فضائل القرآن باب جمع القرآن

فتح ہونا نہایت دشوار ہے اس لیے ہر طرف سے صدائے بر نخاست کا معاملہ رہا۔ حضرت عمرؓ نے
کئی دن تک وعظ کیا لیکن کچھ اثر نہ ہوا۔ آخر چوتھے دن ایسی پُر جوش تقریر کی کہ حاضرین کے
دل ہل گئے۔ مثنیٰ شیبانی نے کہا کہ مسلمانو! میں نے مجوسیوں کو آزما لیا ہے وہ مرد میدان
نہیں ہیں ہم نے عراق کے بڑے بڑے اضلاع فتح کر لیے ہیں اور عجم اب ہمارا لوہا مان گئے
ہیں۔ اسی طرح قبیلہ ثقیف کے سردار ابو عبید ثقفی نے جوش میں آ کر کہا "انا لہذا" یعنی اس
کیلئے میں ہوں۔ ابو عبید کی ہمت نے تمام حاضرین کو گرما دیا اور ہر طرف سے غلغلہ تھا کہ ہم بھی
حاضر ہیں۔ حضرت عمرؓ نے مدینہ اور اسکے مضافات سے ایک ہزار اور دوسری روایت کے
مطابق پانچ ہزار آدمی انتخاب کیے اور ابو عبید کو سپہ سالار مقرر کرکے روانہ کیا۔

حضرت ابو بکرؓ کے عہد میں عراق پر جو حملہ ہوا اس نے ایرانیوں کو بیدار کر دیا تھا۔ چنانچہ
پوران دخت نے جو صغیر السن یزدگرد شاہ ایران کی نائب تھی فرخ زاد گورنر خراسان کے
بیٹے رستم کو جو نہایت شجاع اور مدبر تھا دربار میں طلب کرکے وزیر جنگ بنایا اور تمام اہل [illegible]
کرائی۔ دو اتفاق پیدا ہوا اور کچھ اخیر مذہبی عصبیت کا جوش دلا کر نئی روح پیدا کر دی۔ اس طرح دولت کیانی
نے پھر وہی قوت پیدا کر لی جو ہرمزد پرویز کے زمانہ میں اس کو حاصل تھی۔

رستم نے ابو عبید کے پہنچنے سے پہلے ہی اضلاع فرات میں غدر کرا دیا اور جو مقامات
مسلمانوں کے قبضہ میں آ چکے تھے وہ ان کے قبضہ سے نکل گئے۔ پوران دخت نے ایک اور
زبردست فوج رستم کی اعانت کیلئے تیار کی اور نرسی و جابان کو سپہ سالار مقرر کیا۔ یہ دونوں
دو راستوں سے روانہ ہوئے۔ جابان کی فوج نمارق پہنچی ابو عبید کی فوج سے بر سر پیکار ہوئی اور
بڑی طرح شکست کھا کر بھاگی۔ ایرانی فوج کے مشہور افسر جوشن شاہ اور مردان شاہ مارے گئے جابان
گرفتار ہوا۔ مگر اس حیلے سے بچ گیا کہ جس شخص نے اسکو گرفتار کیا تھا وہ پہچانتا نہ تھا جابان نے

بنی تغلب کے ایک نوجوان کے ہاتھ سے مارا گیا۔ مثنیٰ نے پل کا دستہ روک دیا اور دشمن کے عقب آخرین کو تہ تیغ کیا کہ کشتوں کے پشتے لگ گئے۔ اس فتح کے بعد مسلمان عراق کے تمام علاقوں میں پھیل گئے۔

حیرہ سے کچھ فاصلہ پر جہاں آج بغداد آباد ہے، وہاں اسی زمانہ میں بہت بڑا بازار لگتا تھا۔ مثنیٰ نے عین بازار کے دن حملہ کیا۔ بازاری جان بچا کر بھاگ گئے اور بیشمار دولت مسلمانوں کے ہاتھ آئی۔ اسی طرح عرب و جوار کے مقامات میں مسلمانوں کی پیشقدمی شروع ہو گئی۔ سورا، کسکر، صراۃ اور فلالیج وغیرہ پر اسلامی پھریرا لہرانے لگا۔ پایہ تخت ایران میں یہ خبریں پہنچیں تو ایرانی قوم میں ایک زبردست انقلاب کا خیال پیدا ہو گیا۔ پوران دخت معزول کی گئی۔ یزدگرد جو سولہ سال کا نوجوان اور خاندان کیانی کا تنہا وارث تھا تخت سلطنت پر بٹھایا گیا۔ اعیان و اکابر ملک نے باہم متفق و متحد ہو کر کام کرنے کا ارادہ کیا۔ تمام قلعے اور فوجی چھاؤنیاں مستحکم کر دی گئیں۔ اس کے ساتھ کوشش کی گئی کہ مسلمانوں کے مفتوحہ مقامات میں بغاوت پھیلائی جائے۔ ان انتظامات سے سلطنت ایران میں نئی جان پیدا ہو گئی اور تمام مفتوحہ مقامات مسلمانوں کے ہاتھ سے نکل گئے۔

مثنیٰ مجبور ہو کر عرب کی سرحد میں ہٹ آئے اور ربیعہ و مضر کے قبائل کو جو اطراف عراق میں پھیلے ہوئے تھے ایک تاریخ معین تک علم اسلامی کے نیچے جمع ہونے کے لیے طلب کیا۔ نیز دربار خلافت کو اہل فارس کی تیاریوں سے مفصل طور پر مطلع کیا۔

حضرت عمرؓ نے ایرانیوں کی تیاری کا حال سن کر حضرت سعد بن وقاصؓ کو جو بڑے رتبہ کے صحابی اور رسول اللہ ﷺ کے ماموں تھے بیس ہزار مجاہدین کے ساتھ مہم عراق کی تکمیل

۱؎ بروایت یعقوبی و مسعودی۔ طبری نے ۲۱ سال عمر بیان کی ہے۔

مامور کیا، اس فوج کی اہمیت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ اس میں تقریباً ستر وہ صحابی تھے جو سرورکائنات صلعم کے ساتھ غزوہ بدر میں جوہر شجاعت دکھا چکے تھے، تین سو وہ جو بیعۃ الرضوان میں شریک تھے، اسی قدر وہ بزرگ تھے جو فتح مکہ میں موجود تھے، اور سات سو ایسے تھے جو خود صحابی نہ تھے لیکن اُن کی اولاد ہونے کا فخر رکھتے تھے۔

حضرت سعد بن وقاص نے شراف پہنچ کر پڑاؤ کیا، مثنیٰ آٹھ ہزار آدمیوں کے ساتھ مقام ذی قار میں اس عظیم الشان لشکر کا انتظار کر رہے تھے لیکن اسی اثنا میں اُن کا انتقال ہو گیا اس لیے اُن کے بھائی معنیٰ شراف آکر حضرت سعد وقاص سے ملے اور مثنیٰ نے جو ضروری مشورے دیے تھے اُن سے بیان کیے۔

حضرت عمر نے ایام جاہلیت میں فوج عراق کی سیاحت کی تھی اور وہ اس زمین کے چپے چپے سے واقف تھے، اس لیے انھوں نے خاص طور پر ہدایت کر دی تھی کہ فوج کا جہاں پڑاؤ ہو وہاں کے مفصل حالات لکھ کر بھیجیں۔ سعد بن وقاص نے اس مقام کا نقشہ، لشکر کا پھیلاؤ، فرودگاہ کی حالت، رسد کی کیفیت سے اُن کو اطلاع دی۔ اس کے جواب میں دربار خلافت سے ایک مفصل فرمان آیا جس میں فوج کی نقل و حرکت، حملہ کا بندوبست، لشکر کی ترتیب اور فوج کی تقسیم کے متعلق مفصل ہدایتیں درج تھیں، اس کے ساتھ حکم دیا گیا کہ شراف سے بڑھ کر قادسیہ کو میدان کارزار قرار دیں اور اس طرح مورچہ جمائیں کہ فارس کی زمین سامنے ہو اور عرب کا پہاڑ پشت پناہی کا کام دے۔

حضرت سعد نے دربار خلافت کی ہدایت کے مطابق شراف سے بڑھ کر قادسیہ میں مورچہ جمایا اور نعمان بن مقرن کے ساتھ چودہ نامور شخصوں کو منتخب کر کے دربار ایران میں سفیر بنا کر بھیجا کہ شاہ ایران اور اس کے رفقا کو اسلام کی ترغیب دیں، لیکن جو لوگ دولت

حکومت کے نشے میں مخمور تھے وہ شاہانہ بدوش عرب اور اُن کے مذہب کو کب خاطر میں لاتے
تھے، سفارت گئی اور ناکام واپس آئی۔

اس واقعہ کے بعد کئی ماہ تک دونوں طرف سے سکوت رہا۔ رستم ساٹھ ہزار فوج کے
ساتھ ساباط میں پڑا تھا۔ اور یزدگرد کی تاکید کے باوجود جنگ سے جی چراتا تھا۔ ادھر مسلمان
آس پاس کے دیہات پر چڑھ جاتے تھے اور رسد کیلئے مویشی وغیرہ حاصل کرتے تھے
اس حالت نے طول کھینچا تو مجبور ہو کر رستم کو مقابلہ کیلئے بڑھنا پڑا اور ایرانی فوجیں ساباط
سے نکل کر قادسیہ کے میدان میں خیمہ زن ہو گئیں۔

رستم قادسیہ پہنچ کر بھی جنگ کو ٹالنے کی کوشش کرتا رہا اور اس نے مدتوں سفرا
کی آمد و رفت اور نامہ و پیام کا سلسلہ جاری رکھا لیکن مسلمانوں کا آخری اور قطعی جواب یہ تھا
کہ اگر اسلام یا جزیہ منظور نہیں ہے تو تلوار سے فیصلہ ہوگا۔ رستم جب مصالحت کی تمام
تدبیروں سے مایوس ہو گیا تو سخت برہم ہوا۔ اور اس نے قسم کھا کر کہا "آفتاب کی قسم اب
تمام عرب کو ویران کر دوں گا"

قادسیہ کی فیصلہ کن جنگ: غرض رستم نے غضبناک ہو کر فوج کو کمربندی کا حکم دیا اور خود تمام رات
جنگی تیاریوں میں مصروف رہا۔ صبح کے وقت قادسیہ کا میدان بھی ہاتھیوں سے آدمیوں کا جنگل
نظر آنے لگا سب سے آگے پیچھے ہاتھیوں کے کالے کالے پہاڑ عجیب خوفناک سماں پیدا کر رہے
تھے دوسری طرف مجاہدینِ اسلام کا لشکر صف بستہ کھڑا تھا۔ اللہ اکبر کے نعروں میں
جنگ شروع ہوئی۔ دن بھر ہنگامۂ محشر بپا رہا۔ شام کو جب بالکل تاریکی چھا گئی تو دونوں حریف
اپنے اپنے خیموں میں واپس آئے۔ قادسیہ کا یہ پہلا معرکہ تھا اور عربی مؤرخ اس کو یوم الارماث
کہتے ہیں۔

قادسیہ کی دوسری جنگ معرکہ اغواث کے نام سے مشہور ہے شام کی چھ ہزار فوج عین معرکہ کے وقت پہونچی۔ حضرت عمرؓ کے قاصد بھی جن کے ساتھ بیش قیمت تحائف تھے عین جنگ کے وقت پہونچے اور پکار کر کہا امیرالمومنین نے یہ انعام ان لوگوں کیلئے بھیجا ہے جو اس کا حق ادا کریں۔ اس نے مسلمانوں کے جوش و خروش کو اور بھی بڑھا دیا تمام دن جنگ ہوتی رہی مسلمان دو ہزار اور ایرانی دس ہزار مقتول و مجروح ہوئے لیکن فتح و شکست کا کچھ فیصلہ نہ ہوا۔

تیسرا معرکہ یوم عماس کے نام سے مشہور ہے اس میں مسلمانوں نے سب سے پہلے کوہ پیکر ہاتھیوں سے نجات حاصل کرنے کی کوشش کی کیونکہ ایرانیوں کے مقابلہ میں مجاہدین اسلام کو ہمیشہ اس کالی آندھی سے زیادہ نقصان پہونچتا تھا اگرچہ قعقاعؓ نے اونٹوں پر سیاہ جھول ڈالکر ہاتھی کا جواب ایجاد کر لیا تھا تاہم یہ کالے دیو جس طرف جھک پڑتے تھے صف کی صف بچھ جاتی تھی حضرت سعد بن ابی وقاصؓ نے ضخم و مسلم وغیرہ پارسی نومسلموں سے اس بلائے سیاہ کے متعلق مشورہ طلب کیا انھوں نے کہا کہ ان کی آنکھیں اور سونڈ بیکار کر دی جائیں سعدؓ نے قعقاعؓ عاصم اور ربیع کو اس خدمت پر مامور کیا ان لوگوں نے ہاتھیوں کو نرغہ میں کر لیا اور برچھے مار کر ان کی آنکھیں بیکار کر دیں قعقاعؓ نے آگے بڑھ کر فیل سفید کی سونڈ پر تلوار ماری کہ سونڈ الگ ہو گئی ہاتھی تھرتھری لیکر بھاگا اس کا بھاگنا تھا کہ تمام ہاتھی اسکے پیچھے ہو لیے اس طرح دم کے دم میں یہ سیاہ بادل پھٹ گیا۔

اب بہادروں کو حوصلہ آزمائی کا موقع ملا دن بھر ہنگامہ کارزار گرم رہا رات کے وقت بھی اس کا سلسلہ جاری رہا اور اس زور کا رن پڑا کہ نعروں کی گرج سے زمین دہل اٹھتی تھی اسی مناسبت سے اس رات کو لیلۃ الہریر کہتے ہیں رستم بڑی جرات اور استقلال کے ساتھ مقابلہ کرتا رہا لیکن جب زخموں سے چور چور ہو گیا تو بھاگ نکلا اور ایک نہر میں کود پڑا کہ تیر کر نکل جائے

بلال نام ایک سپاہی نے تعاقب کیا اور انہیں گاڑی سے باہر کھینچ لیا پھر تلوار سے کام تمام کر دیا
رستم کی زندگی کے ساتھ سلطنت ایران کی قسمت کا بھی فیصلہ ہو گیا ایرانی سپاہیوں کے پاؤں اکھڑ گئے
مسلمانوں نے دور تک تعاقب کر کے ہزاروں دشمن میدان میں کھپا دیئے

قادسیہ کے معرکوں نے خاندان کسریٰ کی قسمت کا آخری فیصلہ کر دیا اور فتح کا دروازہ ہمیشہ
کے لیے سرنگوں ہو گیا اور اسلامی علم نہایت شان و شوکت کے ساتھ ایران کی سرزمین پر
لہرانے لگا۔ مسلمانوں نے قادسیہ سے بڑھ کر آسانی کے ساتھ بابل، کوثیٰ، بہرہ شیر وغیرہ فتح کر لیا
دارالحکومت مدائن پر قبضہ کر لیا ایرانیوں نے مدائن سے نکل کر جلولا کو جنگی مرکز قرار دیا اور
رستم کے بھائی خرزاد نے اپنے حسن تدبیر سے ایک بڑی زبردست فوج جمع کر لی۔ سعد نے ہاشم
بن عتبہ کو جلولا کی تسخیر پر مامور کیا، جلولا چونکہ نہایت مستحکم مقام تھا اس لیے مہینوں کے محاصرہ
کے بعد مفتوح ہوا۔ یہاں سے قعقاع کی سرکردگی میں ایک جمعیت حلوان کی طرف بڑھی اور
خسرو شنوم کو شکست دے کر شہر پر قابض ہو گئی

قعقاع نے حلوان میں قیام کیا اور عام منادی کر دی کہ جو لوگ اسلام یا جزیہ قبول کر لیں گے
وہ امن و امان سے رہیں گے چنانچہ بہت سے امراء و رؤساء برضا و رغبت اس منادی پر اسلام کی حمایت
میں آ گئے۔ یہ عراق کی آخری فتح تھی کیونکہ یہاں عراق کی حد ختم ہو جاتی ہے

تسخیر عراق کے بعد حضرت عمرؓ کی خواہش تھی کہ جنگ کا سلسلہ منقطع ہو جائے چنانچہ
وہ فرمایا کرتے تھے کہ کاش ہمارے اور فارس کے درمیان آگ کا پہاڑ ہوتا کہ نہ وہ ہم پر حملہ کر سکتے
نہ ہم ان پر چڑھ کر جا سکتے۔ لیکن ایرانیوں کو عراق نکل جانے کے بعد کسی طرح چین نہیں آتا تھا
چنانچہ یزدگرد نے معرکہ جلولا کے بعد مرو میں اقامت اختیار کر کے نئے سرے سے حکومت کے
ٹھاٹھ لگائے اور تمام ملک میں فرامین ترغیب بھیج کر لوگوں کو بغاوت کی دعوت پر آمادہ کیا۔

یزدگرد نے قزوین سے تمام ملک میں آگ لگا دی اور تقریباً ڈیڑھ لاکھ آدمیوں کا ٹڈی دل قم میں آکر جمع ہوا۔ یزدگرد نے مردان شاہ کو سپہ سالار مقرر کر کے نہاوند کی طرف روانہ کیا۔ اس معرکہ میں درفش کاویانی جسکو عجم نہایت متبرک سمجھتے تھے فال نیک کے خیال سے نکالا گیا۔ چنانچہ مردان شاہ روانہ ہوا تو یہ مبارک پھریرا اُس پر سایہ کرتا جاتا تھا۔

حضرت عمرؓ نے نعمان بن مقرن کو تیس ہزار کی جمعیت کے ساتھ اس ایرانی طوفان کو آگے بڑھکر روکنے کا حکم دیا۔ نہاوند کے قریب دونوں فوجیں سرگرم پیکار ہوئیں اور اس زور کا رن پڑا کہ قادسیہ کے بعد ایسی خونریز جنگ کوئی نہیں ہوئی تھی یہانتک کہ اس جنگ میں خود اسلامی سپہ سالار نعمان شہید ہو گئے اُن کے بھائی نعیم بن مقرن نے علم ہاتھ میں لیکر بدستور جنگ کو جاری رکھا تاآنکہ ہوتے ہوتے عجمیوں کے پاؤں اکھڑ گئے۔ مسلمانوں نے ہمدان تک تعاقب کیا۔ اس لڑائی میں تقریباً تیس ہزار عجمی کھیت رہے۔ نتائج کے لحاظ سے مسلمانوں نے اس کا نام فتح الفتوح رکھا۔ فیروز جسکے ہاتھ سے حضرت عمرؓ کی شہادت مقدر تھی اسی لڑائی میں گرفتار ہوا تھا۔

**عام لشکر کشی** واقعہ نہاوند کے بعد حضرت عمرؓ کو خیال پیدا ہوا کہ جب تک تخت کیانی کا وارث ایران کی سرزمین میں موجود ہے بغاوت اور جنگ کا فتنہ فرو نہ ہوگا۔ اس بنا پر عام لشکر کشی کا ارادہ کیا اور اپنے ہاتھ سے متعدد علم تیار کر کے مشہور افسروں کو خاص خاص ممالک پر مامور کیا۔ چنانچہ سنہ ۲۱ ہجری میں یہ سب علمبرداران اسلام اپنے اپنے متعینہ ممالک کی طرف روانہ ہو گئے اور نہایت جوش و خروش سے حملہ کر کے تمام ملک کو اسلام کا زیر نگین کر دیا۔ یعنی صرف ڈیڑھ دو برس کے عرصہ میں کسریٰ کی حکومت دنیا سے نیست و نابود ہو گئی۔

خاندان کیانی کا آخری تاجدار ایران سے بھاگ کر خاقان کے دربار میں پہنچا۔ خاقان نے اس کی بڑی عزت و توقیر کی اور ایک فوج گران کے ساتھ یزدگرد کو ہمراہ لیکر خراسان کی طرف

رومی دمشق کی شکست سے سخت برہم ہوئے اور ہر طرف سے فوجیں جمع کر کے مقام
بیسان میں مسلمانوں کے مقابلہ کیلئے جمع ہوئے۔ مسلمانوں نے اُن کے سامنے فحل میں پڑاؤ ڈالا
عیسائیوں کی درخواست پر معاذ بن جبل سفیر بنکر گئے لیکن مصالحت کی کوئی صورت نہ نکلی
آخر کار ذوقعدہ ۱۳ھ میں فحل کے میدان میں نہایت خوفناک معرکے پیش آئے خصوصاً
آخری معرکہ نہایت سخت تھا لیکن میدان مسلمانوں کے ہاتھ رہا۔ غنیم کے پاؤں اُکھڑ گئے
اور مسلمان ضلع اردن کے تمام شہروں و مقامات پر قابض ہو گئے۔ رعایا ذمی قرار دی گئی اور
ہر جگہ اعلان کر دیا گیا کہ مفتوحین کی جان، مال، زمین، مکانات، گرجے، عبادت گاہیں
سب محفوظ رہیں گی۔

دمشق اور اردن مفتوح ہو جانے کے بعد مسلمانوں نے حمص کا رخ کیا۔ راہ میں بعلبک
حماۃ، شیزر اور معرۃ النعمان فتح کرتے ہوئے حمص پہنچے اور اس کا محاصرہ کر لیا۔ حمص والوں
نے ایک مدت تک مدافعت کرنے کے بعد مصالحت کر لی۔ ابو عبیدہ سپہ سالار اعظم نے
عبادہ بن صامت کو وہاں متعین کر کے لاذقیہ کا رخ کیا اور ایک خاص تدبیر سے اُس کے
مستحکم قلعوں پر قبضہ کر لیا۔

حمص کی فتح کے بعد اسلامی فوجوں نے خاص ہرقل کے پایۂ تخت انطاکیہ کا رخ کیا
لیکن بارگاہ خلافت سے حکم پہنچا کہ اس سال آگے بڑھنے کا ارادہ نہ کیا جائے اس لیے
فوجیں واپس آگئیں[1]

**میدان یرموک اور شام کی قسمت کا فیصلہ**

دمشق، حمص، اور لاذقیہ کی پیہم اور متواتر شکستوں نے قیصر کو سخت برہم کیا
اور وہ نہایت جوش و خروش کے ساتھ مسلمانوں کے مقابلہ میں اپنی شہنشاہی کا

۱ طبری ص ۲۰۰ ۲ فتوح الشام ازدی صفحہ ۱۲۱

یکتائے روزگار تھے، اس فوج کی اہمیت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ تقریباً ایک ہزار
ایسے بزرگ تھے جنہوں نے رسول اللہ کا جمال مبارک دیکھا تھا اور سو وہ تھے جو غزوۂ بدر
میں حضور خیر الانامؐ کے ہمرکاب رہ چکے تھے، اسی طرح دوسرے مجاہدین بھی ایسے قبائل سے
تعلق رکھتے تھے جو اپنی شجاعت اور دلیری میں نظیر نہیں رکھتے تھے،

یرموک کا پہلا معرکہ بے نتیجہ رہا، پانچویں رجب ۱۵ھ کو دوسرا معرکہ پیش آیا، رومیوں
کے جوش کا یہ عالم تھا کہ تیس ہزار رومیوں نے پاؤں میں بیڑیاں پہن لی تھیں کہ بھاگنے کا
خیال تک نہ آئے ہزاروں پادری اور بشپ ہاتھوں میں صلیب لیے آگے آگے تھے
اور حضرت عیسیٰؑ کا نام لے لے کر جوش دلاتے تھے، غرض رومیوں نے بڑے جوش سے حملہ کیا
لیکن انجام کار مسلمانوں کی ثابت قدمی اور پامردی کے آگے ان کے پاؤں اکھڑ گئے،
تقریباً ایک لاکھ عیسائی کھیت رہے، مسلمانوں کی طرف تین ہزار کا نقصان ہوا، قیصر کو اس
ہزیمت کی خبر ملی تو حسرت و افسوس کے ساتھ شام کو الوداع کہکر قسطنطنیہ کی طرف روانہ ہو گیا،
حضرت عمرؓ نے یہ مژدہ فتح سنا تو اسی وقت سجدہ میں گر کر خدا کا شکر ادا کیا،

فتح یرموک کے بعد اسلامی فوجیں تمام اطراف ملک میں پھیل گئیں اور قنسرین، انطاکیہ
جومہ، سرمین، تیزین، قورس، تل عزاز، دلوک، رعبان وغیرہ چھوٹے چھوٹے مقامات
نہایت آسانی کے ساتھ فتح ہو گئے،[1]

بیت المقدس ۱۶ھ فلسطین کی مہم پر حضرت عمرو بن العاصؓ مامور ہوئے تھے انہوں نے نابلس لد
عمواس، بیت جبرین وغیرہ بڑے شہروں پر قبضہ کر کے ۱۶ھ میں بیت المقدس کا محاصرہ کیا
اسی اثنا میں حضرت ابو عبیدہؓ بھی اپنی مہمات سے فارغ ہو کر شریک ہو گئے، بیت المقدس کے

---

[1] فتوح البلدان بلاذری ص ۱۴۰، ۱۴۲، ان مقامات کی تفصیل بلاذری سے ماخوذ ہے،

عیسائیوں نے کچھ دنوں کی مدافعت کے بعد صلح پر آمادگی ظاہر کی اور مزید یہ طیبتہ ان پہلے خواہش ظاہر کی کہ خود امیرالمومنین یہاں آئیں اور اپنے ہاتھ سے معاہدہ لکھیں لیکن حضرت عمرؓ کو خبر دی گئی تو انھوں نے اکابر صحابہ سے مشورہ کر کے حضرت علیؓ کو نائب مقرر کیا اور رجب ۱۶ھ میں مدینہ سے روانہ ہو گئے۔

بیت المقدس کا سفر حضرت عمرؓ نہایت سادگی کے ساتھ مدینے سے روانہ ہو کر جابیہ پہنچے جہاں افسروں نے استقبال کیا وہ دیر تک قیام کر کے بیت المقدس کا معاہدہ صلح ترتیب دیا پھر وہاں سے روانہ ہو کر بیت المقدس میں داخل ہوئے پہلے مسجد شریف میں گئے پھر عیسائیوں کے گرجا کی سیر کی نماز کا وقت ہوا تو عیسائیوں نے گرجا میں نماز پڑھنے کی اجازت دی لیکن حضرت عمرؓ نے اس خیال سے کہ آئندہ نسلیں اس کو حجت قرار دے کر کسی مسجد میں دست اندازی کریں باہر نکل کر نماز پڑھی۔

بیت المقدس سے واپسی کے وقت حضرت عمرؓ نے تمام ملک کا دورہ کیا سرحدوں کا معائنہ کر کے ملک کی حفاظت کا انتظام کیا اور بخیر و خوبی مدینہ تشریف لائے۔

متفرق معرکے اور فتوحات بیت المقدس کی فتح کے بعد بھی متفرق معرکے پیش آئے اہل جزیرہ کی مستعدی اور ہرقل کی اعانت سے عیسائیوں نے دوبارہ حمص پر کوشش کی لیکن ناکام رہے۔ فلسطین کے اضلاع میں سے قیساریہ نہایت آباد اور پررونق شہر تھا ۱۳ھ ہجری میں عمرو بن العاصؓ نے چڑھائی کی اور ایک مدت تک محاصرہ کئے رہے لیکن فتح نہ ہو سکا، آخر ۱۹ھ کے اخیر میں امیر معاویہؓ نے ایک یہودی کی مدد سے قلعہ پر قبضہ کر لیا اور شہر پر اسلامی پرچم لہرانے لگا۔ جزیرہ ۱۷ھ میں عبداللہ بن المعتمر نے فوج کشی کی

۱؎ ہجری ۱۶ھ ۲؎ فتوح البلدان بلاذری ص ۱۴۲

حکومت کا ایک حصہ تک ملا ہوا تھا جو بہت دور تک پھیلے ہوئے تھے ہرمز کا حصن بحرین سے متصل ہو گیا
باقی علاقوں کو عیاض بن غنم نے فتح کیا۔ اسی طرح سنہ ۱۷ھ میں مغیرہ بن شعبہ نے خوزستان
پر حملہ کیا۔ سنہ ۱۸ھ میں وہ معزول ہوئے اور ان کی جگہ ابو موسیٰ اشعری مقرر ہوئے۔ انھوں نے
نئے سر و سامان سے حملہ کیا اور اہواز، مناذر، سوس، رامہرمز کو فتح کرتے ہوئے خوزستان کے
صدر مقام تستر کا رخ کیا۔ یہ نہایت مستحکم اور محفوظ مقام تھا۔ لیکن ایک شخص کی رہنمائی سے
مسلمانوں نے نقب کی راہ سے گھس کر اس کو مسخر کر لیا۔ یہاں کا سردار ہرمزان گرفتار ہو کر مدینہ
روانہ کیا گیا۔ اس نے وہاں پہنچ کر اسلام قبول کیا۔ حضرت عمرؓ بہت خوش ہوئے، اس کو
مدینہ میں رہنے کی اجازت دی اور دو ہزار سالانہ وظیفہ مقرر کر دیا۔

**فتوحات مصر** | حضرت عمرو بن العاصؓ نے اصرار کے ساتھ فاروق اعظمؓ سے اجازت لے کر
چار ہزار فوج کے ساتھ مصر پر حملہ کیا۔ اور فرما، بلبیس، ام دنین وغیرہ کو فتح کرتے ہوئے فسطاط
کے قلعہ کا محاصرہ کر لیا اور حضرت عمرؓ کو امدادی فوج کے لیے لکھا۔ انھوں نے دس ہزار فوج اور
چار افسر بھیجے۔ افسروں کے نام یہ ہیں: زبیر بن العوامؓ، عبادہ بن صامتؓ، مقداد بن اسودؓ،
مسلمہ بن مخلدؓ۔ حضرت عمرو بن عاصؓ نے حضرت زبیرؓ کو ان کے رتبہ کے لحاظ سے افسر بنایا۔
ساحل پہنچنے کے بعد حضرت زبیرؓ کی غیر معمولی شجاعت سے قلعہ مسخر ہوا۔ وہاں سے فوجیں
اسکندریہ کی طرف بڑھیں۔ راستہ میں کریون میں ایک سخت جنگ ہوئی۔ یہاں بھی عیسائیوں کو
شکست ہوئی اور مسلمانوں نے اسکندریہ پہنچ کر دم لیا اور ایک عرصہ کے محاصرہ کے
بعد اس کو بھی فتح کر لیا۔ حضرت عمرؓ نے مژدۂ فتح سنا تو سجدہ میں گر پڑے اور خدا کا شکر ادا کیا۔
فتح اسکندریہ کے بعد تمام مصر پر اسلام کا سکہ بیٹھ گیا اور بیشتر قبطی برضا و رغبت

---

۱؎ حسن المحاضرہ، باب بالکیفیۃ فتح الحرب، مقریزی جلد ۱ صفحہ ۲۹۰

حلقہ بگوش اسلام ہو گئے۔

شہادت | مغیرہ بن شعبہ کے ایک پارسی غلام فیروز نامی نے جسکی کنیت ابولولو تھی حضرت عمرؓ
سے اپنے آقا کے بھاری محصول مقرر کرنے کی شکایت کی چونکہ شکایت بیجا تھی اس لیے حضرت
عمرؓ نے توجہ نہ کی۔ پس وہ سخت ناراض ہوا۔ اور صبح کی نماز میں خنجر لیکر آیا۔ یک بیک حملہ کر دیا اور چھ زخم
پہنچا دیئے۔ حضرت عمرؓ زخم کے صدمہ سے گر پڑے اور حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ نے نماز پڑھائی
حضرت عمرؓ کو اس حادثہ میں ایسا زخم کاری لگا تھا کہ اس سے جانبر نہ ہو سکے لوگوں کے
اصرار سے انھوں نے چھ شخصوں کو منصب خلافت کیلئے نامزد کیا کہ ان میں سے کسی کو اس
منصب کے لیے منتخب کر لیا جائے۔ اُن لوگوں کے نام یہ ہیں۔ علیؓ۔ عثمانؓ۔ زبیرؓ۔ طلحہؓ۔ سعد وقاصؓ
عبدالرحمن بن عوفؓ اس مرحلہ سے فارغ ہونے کے بعد حضرت عائشہؓ سے رسول اللہ صلعم کے
پہلو میں دفن ہونے کی اجازت لی[1]

مہاجرین انصار، اعراب اور اہل ذمہ کے حقوق کی طرف توجہ دلائی۔ اس کے بعد اپنے
صاحبزادہ عبداللہ کو وصیت کی کہ مجھ پر جسقدر قرض ہو اگر وہ میرے متروکہ مال سے ادا ہو سکے
تو بہتر ہے ورنہ خاندان عدی سے درخواست کرنا اور اگر ان سے نہ ہو سکے تو کل قریش سے
لیکن قریش کے سوا اور کسی کو تکلیف نہ دینا۔ غرض اسلام کا سب سے بڑا ہیرو ہر قسم کی
ضروری وصیتوں کے بعد تین دن بیمار رہ کر محرم کی پہلی تاریخ ہفتہ کے دن ۲۳ ہجری میں
واصل بحق ہوا اور اپنے محبوب آقا کے پہلو میں ہمیشہ کے لیے میٹھی نیند سو رہا۔ اِنَّا لِلّٰہِ
وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

ایجادات و اولیات | حضرت عمرؓ نے مختلف اوقات میں متعدد کام کیے اُن کے اندراج کی تفصیل یہ ہے

---

[1] مستدرک جلد ۳ صفحہ ۹۲ و طبقات ایضاً ص ۹۳، ۹۴

# فاروقی کارنامے

فتوحات پر مجموعی نظر

فتوحات کی جو تفصیل اوپر گذر چکی ہے اس سے تم کو معلوم ہوا ہوگا کہ مسلمانوں نے اپنے جوش، اخلاص اور استقلال کے باعث حضرت عمرؓ کے دس سالہ عہد خلافت میں روم و ایران کے دفتر الٹ دیئے، لیکن کیا تاریخ کوئی ایسی مثال پیش کر سکتی ہے کہ چند صحرا نشینوں نے اس قدر قلیل مدت میں ایسا عظیم الشان انقلاب پیدا کر دیا ہو؟ بے شبہ سکندر، چنگیز اور تیمور نے تمام عالم کو زیر و بالا کر دیا تھا لیکن اُن کے فتوحات کو فاروق اعظمؓ کی کشورستانی سے کوئی مناسبت نہ تھی، وہ لوگ ایک طوفان کی طرح اُٹھے اور ظلم و خونخواری کے مناظر دکھاتے ہوئے ایک طرف سے دوسری طرف گذر گئے۔ چنگیز اور تیمور کا حال تو سب کو معلوم ہے، سکندر کی یہ کیفیت ہے کہ اس نے ملک شام میں شہر صور فتح کیا تو ایک ہزار شہریوں کے سر کاٹ کے شہر پناہ کی دیوار پر لٹکا دیئے، اور تیس ہزار بچوں اور عورتوں کو لونڈی غلام بنا کر بیچ ڈالا، اسی طرح ایران میں اصطخر کو مسخر کیا تو تمام مردوں کو قتل کرا دیا، برخلاف اس کے حضرت عمرؓ کے فتوحات میں ایک ذرہ بھی ظلم و تعدی کا نہیں ملتا، فوج کو خاص طور پر ہدایت تھی کہ بچوں، بڈھوں اور عورتوں سے مطلق تعرض نہ کیا جائے، قتل عام تو ایک طرف درختوں کے کاٹنے تک کی اجازت نہ تھی، مسلمان حکام مفتوحہ اقوام کے ساتھ ایسا اچھا عدل و انصاف کرتے تھے اور اس طرح اخلاق سے پیش آتے تھے کہ تمام رعایا اُن کی گرویدہ ہو جاتی۔ وہ اسلامی حکومت کو خدا کی رحمت تصور کرتی تھی، صرف یہی نہیں بلکہ وہ لوگ جوش اطمینان میں مسلمانوں کی اعانت و مساعدت سے بھی دریغ نہیں کرتے تھے۔ فتوحات شام میں خود شامیوں نے جاسوسی اور

خبر رسانی کی خدمت انجام دیتی۔ محاصرۂ مصر میں خود قبطیوں نے سفر مینا کا کام کیا۔ اہل سبطہ عراق
میں خود مجوسیوں نے اسلامی لشکر کیلئے پل بندھوا دیئے اور غنیم کے بارے میں مطلع کر کے نہایت
گرانقدر خدمات انجام دیں۔ ان حالات کی موجودگی میں سکندر اور چنگیز جیسے سفاکوں کا نام
لینا کس قدر بے موقع ہے۔ سکندر اور چنگیز کی سفاکیاں فوری فتوحات کیلئے مفید ثابت ہوئیں
لیکن جس سلطنت کی بنیاد ظلم و تعدی پر ہوتی ہے وہ کبھی دیرپا نہیں ہو سکتی چنانچہ ان دونوں کی
سلطنتیں بھی نقش برآب ثابت ہوئیں برخلاف اسکے فاروق اعظمؓ نے جو وسیع سلطنت قائم
کی اس کی بنیاد عدل و انصاف اور مساوات پر قائم ہوئی تھی اس لیے وہ آج تیرہ سو برس کے
بعد بھی اسی طرح ان کے جانشینوں کے قبضۂ اقتدار میں موجود ہے۔

یورپین مورخین عہد فاروقی کے اس محیر العقول کارنامے کی اہمیت کم کرنے کیلیے
بیان کرتے ہیں کہ اس وقت فارس و روم کی دونوں سلطنتیں طوائف الملوکی اور مسلسل لڑائیوں
کے باعث اوج اقبال سے گر چکی تھیں لیکن سوال یہ ہے کہ کیا دنیا کی ایسی زبردست سلطنتیں
اور شاہی خاندانوں کے ادل بدل اور معمولی باہمی مخاصمت سے اس درجہ کمزور ہو چکی تھیں کہ عرب
کی ایک بے سروسامان اور بظاہر وحشی قوم کے مقابلے میں بھی عاجز تھیں؟ ہم مانتے ہیں کہ
روم و ایران میں قسطنطین اعظم اور خسرو پرویز کا جاہ و جلال نہ تھا تاہم ان سلطنتوں کا عرب
جیسی بے سروسامان قوم سے ٹکرا کر پرزے پرزے ہو جانا دنیا کا ایک عجیب و غریب واقعہ
ہے اور ہم کو اس کا باعث ان سلطنتوں کی کمزوری میں نہیں بلکہ اسلامی نظام خلافت اور خلیفۂ وقت
کے طرز عمل میں تلاش کرنا چاہیئے۔

**نظام خلافت** | اسلام میں خلافت کا سلسلہ حضرت ابو بکر صدیقؓ کے عہد سے شروع ہوا اور

۱؎ بلاذری ص ۲۰۰ ۲؎ مقریزی ج ۱ صفحہ ۲۹۰

ان کے قلیل زمانۂ خلافت میں گو بڑے بڑے کام انجام پائے لیکن نظم و نسق کا قاعدہ کا آغاز حضرت عمرؓ کے عہد سے ہوا۔ انھوں نے نہ صرف قیصر و کسریٰ کی وسیع سلطنتوں کو اسلام کے ممالک محروسہ میں شامل کیا بلکہ حکومت و سلطنت کا باقاعدہ نظام بھی قائم کیا اور اس کو اس قدر ترقی دی کہ حکومت کے جس قدر ضروری شعبے ہیں سب اُن کے عہد میں وجود پذیر ہو چکے تھے۔ لیکن قبل اس کے کہ ہم نظام حکومت کی تفصیل بیان کریں یہ بتا دینا ضروری سمجھتے ہیں کہ اس حکومت کی ترکیب اور ساخت کیا تھی؟

حضرت عمرؓ کی خلافت موجودہ زمانہ کی جمہوری طرز حکومت سے مشابہ تھی یعنی تمام ملکی و قومی مسائل مجلس شوریٰ میں پیش ہو کر طے پاتے تھے۔ اس مجلس میں مہاجرین و انصار کے منتخب وکلا یا اہل الرائے شریک ہوتے تھے اور بحث و مباحثہ کے بعد اتفاق آراء یا کثرت رائے سے تمام امور کا فیصلہ کرتے تھے۔ اس مجلس کے ممتاز و مشہور ارکان یہ ہیں حضرت عثمانؓ حضرت علیؓ حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ حضرت معاذ بن جبلؓ حضرت ابی بن کعبؓ حضرت زید بن ثابتؓ۔

مجلس شوریٰ کے علاوہ ایک مجلس عام بھی تھی جس میں مہاجرین و انصار کے علاوہ تمام سرداران قبائل شریک ہوتے تھے۔ یہ مجلس صرف نہایت اہم امور کے پیش آجانے پر طلب کی جاتی تھی ورنہ روزمرہ کے کاروبار میں مجلس شوریٰ کا فیصلہ کافی ہوتا تھا۔ ان دونوں مجلسوں کے سوا ایک تیسری مجلس بھی تھی جس کو ہم مجلس خاص کہہ سکتے ہیں اس میں صرف مہاجرین صحابہ شریک ہوتے تھے۔

مجلس شوریٰ کے انعقاد کا عام طریقہ یہ تھا کہ منادی الصلوٰۃ جامعۃ کا اعلان کرتا تھا

۱؎ کنز العمال ج ۳ ص ۱۳۴ ۲؎ فتوح البلدان بلاذری ص ۴۵۴

لوگ مسجد میں جمع ہو جاتے تھے تو حضرت عمرؓ دو رکعت نماز پڑھ کر مسئلہ بحث طلب کے متعلق مفصل خطبہ دیتے تھے[۱] اس کے بعد ہر ایک کی رائے دریافت کرتے تھے۔

حکومت جمہوری کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ ہر شخص کو اپنے حقوق کی حفاظت اور اغراض کے علانیہ اظہار کا موقع دیا جائے نیز حاکم کے اختیارات محدود ہوں اور اس کے طریق عمل پر ہر شخص کو نکتہ چینی کا حق ہو۔ حضرت عمرؓ کی خلافت ان تمام امور کی جامع تھی ہر شخص آزادی کے ساتھ اپنے حقوق کا مطالبہ کرتا تھا اور خلیفۂ وقت کے اختیارات کے متعلق خود حضرت عمرؓ نے متعدد موقعوں میں تصریح کر دی تھی کہ حکومت کے لحاظ سے ان کی کیا حیثیت ہے۔ نمونہ کے لیے ایک تقریر کے چند فقرے درج ذیل ہیں:

| | |
|---|---|
| انما انا وما لکم کولی الیتیم ان استغنیت | مجھ کو تمہارے مال میں اسی طرح کا حق ہے جس طرح یتیم کے مال میں |
| استعففت وان افتقرت اکلت بالمعروف | اس کے مربی کا ہوتا ہے اگر میں دولتمند ہوں گا تو کچھ نہ لوں گا |
| لکم علی ایھا الناس خصال اذکرھا فخذونی | اور اگر صاحب حاجت ہوں گا تو دستور کے موافق کھانے کو لے لوں گا |
| بھا لکم علی ان لا اجتبی شیئا من خراجکم | صاحبو میرے اوپر تمہارے متعدد حقوق ہیں جن کا تم کو |
| ومما افاء اللہ علیکم الا من وجھہ ولکم | مجھ سے مواخذہ کرنا چاہیے ایک یہ کہ ملک کا خراج اور مال |
| علی اذا وقع فی یدی ان لا یخرج | غنیمت بے جا طور سے نہ جمع کیا جائے ایک یہ کہ جب |
| منی الا فی حقہ ولکم علی ان ازید عطایاکم | ہاتھ میں آئے تو بے جا طور پر صرف نہ ہونے پائے ایک یہ کہ میں |
| واسد ثغورکم ولکم علی ان لا القیکم فی | روزینے بڑھاؤں اور سرحدوں کو محفوظ رکھوں |
| المھالک[۲] | اور یہ کہ تم کو خطروں میں نہ ڈالوں۔ |

مذکورہ بالا تقریر صرف تقریب خیالات کی نمائش نہ تھی بلکہ حضرت عمرؓ نہایت سختی کے

[۱] تاریخ طبری ص ۲۷۰۰ [۲] کتاب الخراج ص ۶۷

مساوات بیت المال میں بھی تھی۔ واقعات ذیل اس کی حرف بحرف تصدیق کرتے ہیں۔ ایک دفعہ
حضرت حفصہؓ آپ کی صاحبزادی اور رسول اللہ کی زوجہ مطہرہ یہ خبر سن کر کہ مال غنیمت آیا ہے
حضرت عمرؓ کے پاس آئیں اور کہا کہ امیر المومنین میں ذوی القربیٰ میں سے ہوں اس لیے
اس مال میں سے مجھ کو بھی کچھ عنایت کیجئے۔ حضرت عمرؓ نے جواب دیا کہ بیشک تم میرے خاص
مال میں حق رکھتی ہو لیکن یہ تو عام مسلمانوں کا مال ہے۔ افسوس تم نے اپنے باپ کو دھوکا
دینا چاہا۔ وہ بیچاری خفیف ہو کر چلی گئیں۔ ایک دفعہ خود بیمار پڑے لوگوں نے علاج میں
شہد تجویز کیا۔ بیت المال میں شہد موجود تھا لیکن بلا اجازت نہیں لے سکتے تھے۔ مسجد نبوی
میں جا کر لوگوں سے کہا کہ اگر آپ اجازت دیں تو تھوڑا سا شہد لے لوں۔[۱] ان چھوٹی چھوٹی
باتوں میں جب حضرت عمرؓ کی احتیاط کا یہ حال تھا تو ظاہر ہے کہ بڑے امور میں وہ کس شدت
سے مقید ہوں گے۔

حضرت عمرؓ نے لوگوں کو احکام پر نکتہ چینی کرنے کی ایسی عام آزادی دی تھی کہ معمولی
سے معمولی آدمی کو بھی خود خلیفۂ وقت پر اعتراض کرنے میں باک نہیں ہوتا تھا۔ ایک موقع پر
ایک شخص نے کئی بار حضرت عمرؓ کو مخاطب کر کے کہا اتق اللہ یا عمر یعنی اے عمر خدا سے ڈر"
حاضرین میں سے ایک شخص نے اس کو روکنا چاہا لیکن حضرت عمرؓ نے فرمایا نہیں کہنے دو اگر
یہ لوگ نہ کہیں تو یہ بے مصرف ہیں اور ہم نہ مانیں تو ہم۔[۲] یہ عام آزادی صرف مردوں تک محدود
نہ تھی بلکہ عورتیں بھی مردوں کے قدم بقدم تھیں۔ ایک دفعہ حضرت عمرؓ مہر کے متعلق تقریر
فرما رہے تھے ایک عورت نے اثنائے تقریر میں ٹوک دیا اور کہا اتق اللہ یا عمر یعنی اے عمر
خدا سے ڈر۔ حضرت عمرؓ نے اعتراض سن کر یہ کہا کہ ایک عورت بھی عمر سے زیادہ جانتی ہے

۱؎ کنز العمال ج ۶ ص ۳۰۰۔ ۲؎ ایضاً جلد ۶ صفحہ ۳۵۶۔ ۳؎ کتاب الخراج ص ۷

حقیقت یہ ہے کہ آزادی اور مساوات کی یہی عام ہوا تھی جس نے حضرت عمرؓ کی خلافت کو اس درجہ کامیاب کیا اور مسلمانوں کو جوش، استقلال اور عزم و شجاعت کا مجسم بنا دیا تھا۔

خلافت فاروقی کی ترکیب اور ساخت بیان کرنے کے بعد اب ہم انتظامات ملکی کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور دکھانا چاہتے ہیں کہ فاروق اعظمؓ نے اپنے عہد مبارک میں ممالک اسلامیہ کو کس طرح منظم اور باقاعدہ بنا دیا تھا اور کس طرح حکومت کی تمام شاخوں کو مستقل محکموں کی صورت میں قائم کر دیا تھا۔

نظام حکومت کے سلسلہ میں سب سے پہلا کام ملک کا صوبوں اور ضلعوں میں تقسیم کرنا ہے۔ اسلام میں سب سے پہلے حضرت عمرؓ نے اس کی ابتدا کی اور تمام ممالک مفتوحہ کو آٹھ صوبوں پر تقسیم کیا، مکہ، مدینہ، شام، جزیرہ، بصرہ، کوفہ، مصر، فلسطین۔ ان صوبوں کے علاوہ تین صوبے اور تھے، خراسان، آذربائیجان، فارس۔ ہر صوبہ میں حسب ذیل بڑے بڑے عہدہ دار رہتے تھے، والی یعنی حاکم صوبہ، کاتب یعنی میر منشی، کاتب دیوان یعنی فوجی محکمہ کا میر منشی، صاحب الخراج یعنی کلکٹر، صاحب احداث یعنی افسر پولیس، صاحب بیت المال یعنی افسر خزانہ، قاضی یعنی جج۔ چنانچہ کوفہ میں عمار بن یاسرؓ والی، عثمان بن حنیف کلکٹر، عبداللہ بن مسعودؓ افسر خزانہ، شریح قاضی، عبداللہ بن خلف الخزاعی کاتب دیوان تھے۔

بڑے بڑے عہدہ داروں کا انتخاب عموماً مجلس شوریٰ میں ہوتا تھا۔ حضرت عمرؓ کسی لائق اور مستعد شخص کا نام پیش کرتے تھے اور چونکہ حضرت عمرؓ میں فطری طور پر جوہر شناسی کا مادہ ودیعت کیا گیا تھا، ارباب مجلس عموماً ان کے حسن انتخاب کو پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھتے تھے اور اس لیاقت کی قدر پر اتفاق رائے کر لیتے تھے چنانچہ

تاریخ طبری ص ۲۴۰۰

عظیم الشان مہم کے لیے نعمان بن مقرنؓ کا اسی طریقہ سے انتخاب ہوا تھا۔[1]

**احتساب** | خلیفۂ وقت کا سب سے بڑا فرض حکام کی نگرانی اور تمام قوم کے اخلاق وعادات کی حفاظت ہے حضرت عمرؓ اس فرض کو نہایت اہتمام کے ساتھ انجام دیتے تھے۔ وہ اپنے عاملوں سے عہد لیتے تھے کہ ترکی گھوڑے پر سوار نہ ہوگا، باریک کپڑے نہ پہنے گا، چھنا ہوا آٹا نہ کھائے گا، دروازے پر دربان نہ رکھے گا، اہل حاجت کے لیے دروازہ ہمیشہ کھلا رکھے گا۔[2] اسی کے ساتھ اُن کے مال واسباب کی فہرست تیار کرا کے محفوظ رکھتے تھے اور جب کبھی کسی عامل کی مالی حالت میں غیر معمولی ترقی ہوتی تھی تو جائزہ لیکر آدھا مال بٹا لیتے تھے[3] اور بیت المال میں داخل کر لیتے تھے۔ ایک دفعہ اکثر عمال اس بلا میں مبتلا ہوئے خالد بن صعق نے اشعار کے ذریعے سے حضرت عمرؓ کو اطلاع دی۔ انھوں نے سب کی موجودات کا جائزہ لیکر آدھا مال بٹا لیا اور بیت المال میں داخل کر لیا۔ موسم حج میں اعلان عام تھا کہ جس عامل سے کسی کو شکایت ہو وہ فوراً بارگاہ خلافت میں پیش کرے۔ چنانچہ ذرا ذرا سی شکایتیں پیش ہوتی تھیں اور تحقیقات ہو کر اس کا تدارک کیا جاتا تھا۔ ایک دفعہ ایک شخص نے شکایت کی کہ آپ کے فلاں عامل نے مجھ کو بے قصور کوڑے مارے ہیں۔ حضرت عمرؓ نے مستغیث کو حکم دیا کہ وہ مجمع عام میں اس عامل کو سو کوڑے لگائے۔ حضرت عمرو بن العاصؓ نے التجا کی کہ عمال پر یہ امر گراں ہوگا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا یہ نہیں ہوسکتا ہے کہ میں ملزم سے انتقام نہ لوں۔ عمرو بن العاصؓ نے منت سماجت کر کے مستغیث کو راضی کیا کہ ایک ایک تازیانے کے عوض دو دو اشرفی لیکر اپنے حق سے باز آئے۔[4]

حضرت خالد سیف اللہ جو اپنی جانبازی اور شجاعت کے لحاظ سے تاریخ اسلام[5]

[1] استیعاب ذکر نعمان [2] طبری صفحہ ۲۷۴۷ [3] فتوح البلدان ۲۱۹ [4] تاریخ طبری صفحہ ۲۷۴۲ [5] کتاب الخراج

گو بڑا شہسوار اور اپنے زمانے کے نہایت ذی عزت اور با اثر بزرگ تھے محض اس بنا پر معزول
کر دیے گئے کہ انھوں نے ایک شخص کو انعام دیا ہے حضرت عمرؓ کو خبر ہوئی تو انھوں نے حضرت
ابو عبیدہ سپہ سالار اعظم کو لکھا کہ خالد نے یہ انعام اپنی گرہ سے دیا تو اسراف کیا اور بیت المال سے
دیا تو خیانت کی دونوں صورتوں میں وہ معزولی کے قابل ہیں۔[1]

حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ جو بصرے کے گورنر تھے اُن کی شکایتیں گذریں[2] انھوں نے
اسیران جنگ میں سے ساٹھ رئیس زادے منتخب کر کے اپنے لیے رکھ چھوڑے ہیں دوسری
شکایت یہ تھی کہ انھوں نے کاروبار حکومت زیاد بن سفیان کے سپرد کر رکھا ہے تیسری شکایت
یہ تھی کہ اُن کے پاس ایک لونڈی ہے جس کو نہایت اعلیٰ درجہ کی غذا بہم پہنچائی جاتی ہے
حالانکہ عام مسلمانوں کو اس قسم کی غذا میسر نہیں آسکتی حضرت عمرؓ نے ابو موسیٰ اشعریؓ سے
مواخذہ کیا تو انھوں نے دو اعتراضوں کا جواب تشفی بخش دیا لیکن تیسری شکایت کا کچھ جواب
نہ دے سکے چنانچہ لونڈی اُن کے پاس سے لے لی گئی۔[3]

حضرت سعد بن وقاصؓ نے کوفہ میں ایک محل تعمیر کرایا جس میں ڈیوڑھی بھی تھی حضرت
عمرؓ نے اس خیال سے کہ اس سے اہل حاجت کو رکاوٹ ہوگی محمد بن مسلمہ کو حکم دیا کہ جا کر ڈیوڑھی
میں آگ لگا دیں چنانچہ اس حکم کی پوری تعمیل ہوئی اور سعد وقاصؓ خاموشی سے دیکھا کیے۔

عیاض بن غنم عامل مصر کی نسبت شکایت پہنچی کہ وہ باریک کپڑے پہنتے ہیں اور
اُن کے دروازہ پر دربان مقرر ہے حضرت عمرؓ نے محمد بن مسلمہ کو تحقیقات پر مامور کیا محمد بن مسلمہ
نے مصر پہنچ کر دیکھا تو واقعی دروازہ پر دربان تھا اور عیاضؓ باریک کپڑے پہنے تھے اسی ہیئت
اور اسی لباس میں ساتھ لیکر مدینہ آئے حضرت عمرؓ نے اُن کا وہ باریک کپڑا اتروا دیا اور بالوں کا کرتہ

[1] ابن اثیر جلد ۲ صفحہ ۳۹۰ [2] طبری ص ۲۷۰۸-۲۷۰۹ [3] کنز العمال ج ۲ صفحہ ۳۵۶

بھیجا کر جنگل میں بکری چرانے کا حکم دیا۔ عیاضؓ کو انکار کی مجال نہ تھی مگر بار بار کہتے تھے کہ اس سے مر جانا بہتر ہے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ یہ تو تمہارا آبائی پیشہ ہے اس میں عار کیوں ہے۔ غرض عیاضؓ نے دل سے توبہ کی اور جب تک زندہ رہے اپنے فرائض نہایت خوش اسلوبی سے انجام دیتے رہے۔

حکام کے علاوہ عام مسلمانوں کی اخلاقی اور مذہبی نگرانی کا بھی خاص اہتمام تھا۔ حضرت عمرؓ جس طرح خود اسلامی اخلاق کا مجسم نمونہ تھے چاہتے تھے کہ اسی طرح تمام قوم مکارم اخلاق سے آراستہ ہو جائے۔ انہوں نے عرب جیسی مغرور قوم سے فخر و غرور کی تمام علامتیں مٹا دیں یہاں تک کہ آقا اور نوکر کی تمیز بالکل اٹھا دی۔ ایک دفعہ صفوان بن امیہ نے ان کے سامنے ایک خوان پیش کیا۔ حضرت عمرؓ نے فقیروں اور غلاموں کو ساتھ بٹھا کر کھانا کھلایا اور فرمایا کہ خدا ان لوگوں پر لعنت کرے جن کو غلاموں کے ساتھ کھانے میں عار آتی ہے۔

ایک دفعہ حضرت ابی بن کعبؓ جو بڑے رتبہ کے صحابی تھے مجلس سے اٹھے تو لوگ ادب اور تعظیم کے خیال سے ساتھ ساتھ چلے۔ اتفاق سے حضرت عمرؓ آ نکلے یہ حالت دیکھ کر ابی بن کعبؓ کو ایک کوڑا لگایا۔ ان کو نہایت تعجب ہوا اور کہا خیر ہے؟ حضرت عمرؓ نے فرمایا او ما تری فتنة للمتبوع و مذلة للتابع یعنی تمہیں معلوم نہیں ہے کہ یہ امر متبوع کے لیے فتنہ اور تابع کے لیے ذلت ہے۔

شعر و شاعری کے ذریعہ سے ہجو و بدگوئی عرب کا عام مذاق تھا۔ حضرت عمرؓ نے نہایت سختی سے اس کو بند کر دیا۔ حطیئہ اس زمانہ کا مشہور ہجوگو شاعر تھا۔ حضرت عمرؓ نے اس کو قید کر دیا اور آخر اس شرط پر رہا کیا کہ پھر کسی کی ہجو نہیں کہے گا۔ ہواپرستی رندی اور آوارگی کی نہایت

سلہ کتاب الخراج ص ۶۰۔ سلہ دارمی باب [illegible] مسند دارمی [illegible]

تھا لیکن خراج کا طریقہ اس قدر منضبط نہیں ہوا تھا، اسی طرح شام و مصر میں جب لگان کا نیا بندوبست
وہاں کا قاعدہ ملکی حالات کے لحاظ سے عراق سے مختلف تھا، تجارت پر محصول چنگی لگائی گئی
چنانچہ حضرت عمرؓ کی ایجاد ہے، جس کی ابتدا یوں ہوئی کہ مسلمان جو غیر ممالک میں تجارت کے لیے
جاتے تھے اُن کو دس فیصدی محصول دینا پڑتا تھا، حضرت عمرؓ کو معلوم ہوا تو انھوں نے بھی غیر ملکی مال
پر ٹیکس لگایا، اسی طرح گھوڑے پر بھی زکوٰۃ خاص حضرت عمرؓ کے حکم سے قائم کی گئی ورنہ گھوڑے پہلے
مستثنیٰ تھے، اس سے یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ نعوذ باللہ حضرت عمرؓ نے رسول اللہ صلعم کی مخالفت کی
بلکہ حقیقت یہ ہے کہ آنحضرتؐ نے جو استثنا فرمایا تھا اس سے بظاہر سواری کے گھوڑے مقصود
ہوتے ہیں، اس لیے تجارت کے گھوڑے کو مستثنیٰ کرنے کی کوئی وجہ نہ تھی۔

حضرت عمرؓ نے تمام ملک میں مردم شماری کرائی، تمام اضلاع میں عدالتیں
قائم کیں، کارِ قضا کے لیے اصول و قواعد بنائے، قاضیوں کی بیش قرار تنخواہیں مقرر کیں
کہ لوگ رشوت ستانی سے محفوظ رہیں، چنانچہ سلمان ربیعہ اور قاضی شریح کی تنخواہیں پانچ پانچ سو
درہم ماہانہ تھی، امیر معاویہؓ کی تنخواہ ایک ہزار دینار تھی، بسیر جو طلب مسائل کے لیے محکمۂ
افتا قائم کیا، حضرت علیؓ، حضرت عثمانؓ، معاذ بن جبلؓ، عبدالرحمن بن عوفؓ، ابی بن کعبؓ،
زید بن ثابتؓ، ابوہریرہؓ اور ابو الدرداؓ اس محکمہ کے ممتاز رکن تھے۔

ملک میں امن و امان قائم کرنے کے لیے حضرت عمرؓ نے ایک مستقل محکمہ پولیس کا قائم
کیا، اس کے افسر کا نام صاحب الاحداث تھا، حضرت ابوہریرہؓ کو بحرین کا صاحب الاحداث
بنایا تو اُن کو خاص طور پر ہدایت کی کہ امن و امان قائم رکھنے کے علاوہ احتساب کی خدمت
بھی انجام دیں، احتساب کے متعلق جو کام ہیں مثلاً دوکاندار ناپ تول میں کمی نہ کریں، کوئی

---

۱ فتح الباری حاشیہ بخاری جلد ۳ صفحہ ۲۰۸۔ ۲ استیعاب تذکرہ ابوہریرہؓ

شخص شاہراہ پر مکان نہ بنائے، جانوروں پر زیادہ بوجھ نہ لادا جائے، شراب علانیہ نہ بکنے پائے وغیرہ وغیرہ۔ ان تمام امور کا کافی انتظام تھا اور صاحبان احداث یا افسران پولیس اس خدمت کو بھی انجام دیتے تھے۔

عہد فاروقی سے پہلے عرب میں جیلخانوں کا نام و نشان نہ تھا۔ حضرت عمرؓ نے اول مکہ[1] میں صفوان بن امیہ کا مکان چار ہزار درہم پر خریدا اور اس کو جیلخانہ بنایا۔ پھر اور اضلاع میں بھی جیلخانے بنوائے۔ جلاوطنی کی سزا بھی حضرت عمرؓ ہی کی ایجاد ہے۔ چنانچہ محجن ثقفی کو بار بار شراب پینے کے جرم میں ایک جزیرہ میں جلاوطن کر دیا تھا۔

بیت المال | خلافت فاروقی سے پہلے مستقل خزانہ کا وجود نہ تھا، بلکہ جو کچھ آتا اسی وقت تقسیم کر دیا جاتا تھا۔ ابن سعد کی ایک روایت سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے ایک مکان بیت المال کے لیے خاص کر لیا تھا لیکن وہ ہمیشہ بند پڑا رہتا تھا، اور اس میں کچھ داخل کرنے کی نوبت ہی نہیں آتی تھی۔ چنانچہ ان کی وفات کے وقت بیت المال کا جائزہ لیا گیا تو صرف ایک درہم نکلا۔

حضرت عمرؓ نے تقریباً سنہ ۱۵ھ میں ایک مستقل خزانہ کی ضرورت محسوس کی اور مجلس شوریٰ کی منظوری کے بعد مدینہ منورہ میں بہت بڑا خزانہ قائم کیا۔ دارالخلافہ کے علاوہ تمام اضلاع اور صوبہ جات میں بھی اس کی شاخیں قائم کی گئیں اور ہر جگہ اس محکمہ کے افسر جداگانہ مقرر ہوئے۔ مثلاً اصفہان میں خالد بن حارث اور کوفہ میں عبداللہ بن مسعودؓ خاص خزانہ کے افسر تھے۔

صوبہ جات اور اضلاع کے بیت المال میں جس قدر رقم جمع ہو جاتی تھی وہ وہاں کے سالانہ

---

[1] مقریزی جلد ۲ صفحہ ۱۸۷ و اصابہ تذکرہ ابو محجن ثقفی۔

مصارف کے بعد اختتام سال پر صدر خزانہ میں مدینہ منورہ کے بیت المال میں منتقل کر دی جاتی تھی۔ صدر بیت المال کی اہمیت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ دار الخلافت کے باشندوں کی جو تنخواہیں اور وظائف مقرر تھے صرف اُن کی تعداد سالانہ تین کروڑ درہم تھی۔

بیت المال کے حساب و کتاب کے لیے مختلف رجسٹر بنوائے۔ نیز اس وقت تک کوئی مستقل سن کا رواج ہی نہ تھا۔ حضرت عمرؓ نے سنہ ۱۶ھ میں سنہ ہجری ایجاد کرکے یہ کمی بھی پوری کر دی۔

**تعمیرات** اسلام کا دائرہ حکومت جس قدر وسیع ہوتا گیا اسی قدر تعمیرات کا کام بھی بڑھتا گیا۔ حضرت عمرؓ کے عہد میں اسکے لیے کوئی مستقل محکمہ نہ تھا۔ تاہم صوبہ جات کے عمال اور حکام کی نگرانی میں تعمیرات کا کام نہایت منظم اور وسیع طور پر جاری تھا۔ ہر جگہ حکام کے بود و باش کیلئے سرکاری عمارتیں تیار ہوئیں۔ رفاہ عام کے لیے سڑک، پل اور مسجدیں تعمیر کی گئیں۔ فوجی ضروریات کے لحاظ سے قلعے، چھاؤنیاں اور بارکیں تعمیر ہوئیں۔ مسافروں کیلئے مہمان خانے بنائے گئے۔ خزانے کی حفاظت کیلئے بیت المال کی عمارتیں تیار ہوئیں۔ حضرت عمرؓ تعمیرات کے باب میں نہایت کفایت شعار تھے۔ لیکن وہ بیت المال کی عمارتیں عموماً شاندار اور مستحکم بنواتے تھے۔ چنانچہ کوفہ کے بیت المال کو روزبہ نامی ایک مشہور مجوسی معمار نے بنایا تھا اور اس میں خسروان فارس کی عمارت کا مسالہ استعمال کیا گیا تھا۔[1]

مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ میں جو خاص باہمی تعلق ہے اس کے لحاظ سے ضروری تھا کہ ان دونوں شہروں کے درمیانی فاصلے کو سہل اور آرام دہ بنایا جائے۔ حضرت عمرؓ نے ۱۷ھ میں اس کی طرف توجہ کی اور مدینہ سے مکہ تک ہر ہر منزل پر چوکیاں، سرائیں

---

[1] طبری ذکر آبادی کوفہ

اور چشمے تیار کرائے،

زراعت کے لیے تمام ملک میں نہریں کھدوائی گئیں بعض نہریں ایسی بھی تھیں جن کا تعلق زراعت سے نہ تھا، مثلاً نہر ابی موسیٰ جو محض بصرہ والوں کیلئے شیریں پانی بہم پہنچانے کے خیال سے ۹ میل سے کاٹ کر لائی گئی تھی یہ نہر دجلہ سے کاٹی گئی تھی[1] اسی طرح نہر معقل جس کی نسبت عربی ضرب المثل ہے اذا جاء نہر اللہ بطل نہر معقل[2]

حضرت سعد بن وقاص نے بھی ایک نہر تیار کرائی جو سعد بن عمرو بن حرام کے نام سے مشہور ہوئی[3] لیکن اس سلسلہ میں سب سے بڑی اور فائدہ رساں وہ نہر تھی جو نہر امیر المومنین کے نام سے زبان زد عام ہوئی اور جس کے ذریعے سے دریائے نیل کو بحر قلزم سے ملا دیا گیا تھا[4]

مسلمان جب عرب کی لڑائیوں سے نکل کر شام و ایران کے سرسبز ممالک میں پہنچے تو ان کو یہ ممالک ایسے خوش آیند نظر آئے کہ انھوں نے وطن کو خیرباد کہکر یہیں طرح اقامت ڈالی اور نہایت کثرت سے نو آباد ہو گئے لیکن حضرت عمرؓ کے عہد میں جو جو شہر آباد ہوئے ان کی ایک اجمالی فہرست درج ذیل ہے،

بصرہ: سنہ ۱۴ھ میں عتبہ بن غزوان نے حضرت عمرؓ کے حکم سے اس شہر کو بسایا تھا ابتدا میں صرف ۸۰۰ آدمیوں نے یہاں سکونت اختیار کی لیکن اسکی آبادی بہت جلد ترقی کر گئی یہاں تک کہ زیاد بن سفیان کے ... میں صرف ان لوگوں کی تعداد جن کے نام فوجی رجسٹر میں درج تھے اسی ہزار اور ان کی آل اولاد ایک لاکھ بیس ہزار تھی بصرہ اپنی علمی

---

[1] طبری صفحہ ۲۴۰۰، [2] فتوح البلدان ص ۲۵۹، [3] ایضاً ص ۲۹۶، [4] ایضاً ص ۳۴۶، [5] حسن المحاضرہ سیوطی ۶۰

خصوصیات کے لحاظ سے مسلمانوں کا مایۂ ناز شہر رہا ہے۔

**کوفہ:** حضرت سعد بن وقاصؓ نے امیر المومنینؓ کے حکم سے نعمان بن منذر قدیم فرماں روائے حیرۂ عرب کے پایۂ تخت کو آباد کیا۔ چالیس ہزار آدمیوں کی آبادی کے لائق مکانات بنوائے گئے۔ حضرت عمرؓ نے اس شہر کے بسانے میں غیر معمولی دلچسپی ظاہر کی تھی یہاں تک کہ شہر کی وضع اور ساخت کے متعلق بھی خود ہی ایک یادداشت لکھ بھیجی تھی۔ جس میں حکم تھا کہ شارع عام چالیس چالیس ہاتھ چوڑی ہوں اور اس سے کم ۳۰-۳۰ ہاتھ اور ۲۰-۲۰ ہاتھ کی گلیاں جامع مسجد کی عمارت اس قدر وسیع بنائی گئی تھی کہ اس میں چالیس ہزار آدمی آسانی سے نماز ادا کر سکتے تھے۔ مسجد کے سامنے دو سو ہاتھ لمبا ایک وسیع سائبان تھا اور سنگ رخام کے ستونوں پر قائم کیا گیا تھا۔ یہ شہر حضرت عمرؓ ہی کے عہد میں اس عظمت و شان کو پہنچ چکا تھا کہ وہ اس کو راس الاسلام فرمایا کرتے تھے۔ علمی حیثیت سے بھی ہمیشہ ممتاز رہا ہے۔ امام شعبی اور امام ابوحنیفہ اور امام نخعی اسی معدن کے لعل و گہر تھے۔

**فسطاط:** دریائے نیل اور جبل مقطم کے درمیان ایک کشادہ میدان تھا۔ حضرت عمرو بن العاصؓ فاتح مصر نے اثنائے جنگ میں یہاں پڑاؤ کیا۔ اتفاق سے ایک کبوتر نے ان کے خیمہ میں گھونسلا بنا لیا۔ عمرو بن العاصؓ نے کوچ کے وقت قصداً اس خیمہ کو چھوڑ دیا کہ اس کو تکلیف نہ ہو۔ مصر کی فتح کے بعد انہوں نے حضرت عمرؓ کے حکم سے اسی میدان میں ایک شہر آباد کیا۔ چونکہ خیمہ کو عربی میں فسطاط کہتے ہیں اس لیے اس شہر کا نام فسطاط قرار پایا۔

فسطاط نے بہت جلد ترقی کر لی اور تمام مصر کا صدر مقام ہو گیا۔ چوتھی صدی کا ایک سیاح ان الفاظ میں اس شہر کے عروج و کمال کا نقشہ کھینچتا ہے۔ یہ شہر بغداد کا ناسخ، مغرب کا فخر اور

---

سلہ معجم البلدان جلد ۶ ذکر فسطاط

اور اسلام کا فخر ہے کہ دنیائے اسلام میں یہاں سے زیادہ کسی جامع مسجد میں علمی مجلسیں نہیں ہوتی

اور یہاں سے زیادہ کسی ساحل پر جہاز لنگر انداز ہوتے ہیں"

**موصل۔** پہلے ایک گاؤں کی حیثیت رکھتا تھا، حضرت عمرؓ نے اسکو عظیم الشان شہر بنا دیا

ہرثمہ بن عرفجہ نے بنیاد ڈالی، ایک جامع مسجد تیار کرائی اور چونکہ یہ مشرق و مغرب کو باہم پیوستہ

کرتا ہے اس لیے اس کا نام موصل رکھا گیا۔

**جیزہ۔** فتح سکندریہ کے بعد عمرو بن العاص نے اس خیال سے کہ رومی دریا کی طرف

سے حملہ کرتے، یہاں تھوڑی سی فوج لب ساحل مقرر کر دی تھی ان لوگوں کو دریا کا منظر ایسا

پسند آیا کہ وہاں سے ہٹنا نہ چاہتے تھے حضرت عمرؓ نے ان لوگوں کی حفاظت کیلئے سنہ ۲۱ ہجری میں

ایک قلعہ تعمیر کرا دیا اور اس وقت سے یہاں ایک مستقل آبادی کی صورت پیدا ہو گئی۔[1]

**فوجی انتظامات۔** اسلام جب ابتداء میں ابھرا ہے تو بجز زور اور وسیع سلطنت کا مالک ہو گیا اور قیصر و

کسریٰ کے عظیم الشان ملک اس کا ورثہ بن گئے تو اسکو ایک منظم اور باصول فوجی سسٹم کی ضرورت

محسوس ہوئی۔ سنہ ۱۵ھ میں حضرت عمرؓ نے اس کی طرف توجہ کی اور انھوں نے تمام ملک کو فوج

بنانا چاہا لیکن چونکہ ابتداء میں ایسی تعمیم ممکن نہ تھی اس لیے پہلے قریش و انصار سے آغاز ہوا۔

مخرمہ بن نوفل، جبیر بن مطعم، عقیل بن ابی طالب کے متعلق یہ خدمت سپرد کی گئی کہ قریش اور انصار

کا ایک رجسٹر تیار کریں جس میں ہر شخص کا نام و نسب تفصیل سے درج ہو، چنانچہ حضرت عمرؓ کی ہدایت

کے مطابق رجسٹر تیار ہوا، اور جس حیثیت سے تنخواہیں مقرر ہوئیں ان کی جو ترتیب تھی اس کے لحاظ سے

تنخواہیں مقرر ہوئے۔ چنانچہ مہاجرین و انصار کی بیویوں کی تنخواہ ... سے ... درہم تک

اور اہل بدر کی اولاد ذکور کی تنخواہ دو دو ہزار درہم سالانہ مقرر ہوئی۔ اس موقع پر فاروق اعظمؓ

۱؎ جیزہ کے تفصیلی حالات مقریزی میں مذکور ہیں۔

آلاتِ جنگ میں سے علاوہ تیغ و سنان کے قلعہ شکن کے لیے منجنیق اور دبابے بھی ساتھ رہتا تھا، چنانچہ دمشق کے محاصرہ میں منجنیقوں کا استعمال ہوا تھا۔

حضرت عمرؓ کے زمانہ میں فوج حسب ذیل شعبوں میں منقسم تھی۔ مقدمہ، قلب، میمنہ، میسرہ، ساقہ، طلیعہ، سفر مینا، ردء، یعنی محض کمک، شتر سوار، سوار، پیادہ، تیر انداز۔

حضرت عمرؓ کو گھوڑوں کی پرورش و پرداخت کا بھی نہایت اہتمام تھا، ہر ایک مرکز میں چار ہزار گھوڑے ساز و سامان سے لیس رہتے تھے، موسم بہار میں تمام گھوڑے سرسبز و شاداب مقامات میں بھیج دیے جاتے تھے۔ انھوں نے خود مدینہ کے قریب ایک چراگاہ تیار کرائی اور اپنے ایک غلام کو اس کی حفاظت اور نگرانی کے لیے مقرر کیا تھا۔ گھوڑوں کی رانوں پر داغ کر کے یہ الفاظ لکھے جاتے تھے۔ حبیس فی سبیل اللہ۔

عرب کی فوج اپنے فتوحات میں کبھی غیروں کی ممنونِ احسان نہیں ہوئی تاہم حریف اقوام کو خود دشمن کے مقابلہ سے لڑانا فنِ جنگ کا سب سے بڑا اصول ہے۔ حضرت عمرؓ نے اس کو بھی نہایت خوبی سے انجام دیا تھا۔ متعدد مجوسی، یونانی اور رومی بہادروں نے اسلامی فوج میں داخل ہو کر مسلمانوں کے دوش بدوش نہایت وفاداری کے ساتھ خود اپنی قوموں سے جنگ کی تھی، چنانچہ قادسیہ کے معرکہ میں عین میدانِ جنگ ہی میں ایرانیوں کی چار ہزار فوج حلقۂ اسلام میں آگئی اور سعد بن ابی وقاصؓ نے ان کو اسلامی فوج میں شامل کر لیا اور ان کی تنخواہیں مقرر کر دیں، یرموک کے معرکہ میں رومیوں کے لشکر کا مشہور سپہ سالار جارج عین حالتِ جنگ میں مسلمان ہو گیا اور مسلمانوں کے دوش بدوش لڑ کر شہید ہوا۔

**مذہبی خدمات** مذہبی خدمات کے سلسلہ میں سب سے بڑا کام اشاعتِ اسلام ہے، حضرت عمرؓ کو اس میں

؎ طبری ص ۲۱۵۲

بہت زیادہ تھا لیکن تلوار کے زور سے نہیں بلکہ اخلاق کی قوت سے۔ اُنھوں نے اپنے غلام کو اسلام کی دعوت دی اُس نے باوجود ترغیب و ہدایت انکار کیا تو فرمایا کہ لَا اِکْرَاہَ فِی الدِّین یعنی مذہب میں جبر نہیں ہے۔ اسلام کو ہدایت تھی کہ جنگ سے پہلے لوگوں کو دعوتِ اسلام دیکر جزیہ یا جنگ کی دعوت دی جائے اسکے علاوہ اُنھوں نے تمام مسلمانوں کو اپنی تربیت اور ارشادات سے اسلامی اخلاق کا مجسم نمونہ بنا دیا تھا وہ جس طرف گذر جاتے تھے لوگ اُن کے اخلاقی نمونے کو دیکھ کر خودبخود مسلمان ہو کر رہ جاتے تھے۔ رومی سفیر اسلامی کیمپ میں آیا تو مسلمانوں کی سادگی اور بے تکلفی دیکھکر خودبخود اس کا دل اسلام کی طرف کھنچ آیا اور وہ مسلمان ہو گیا۔ مصر کا ایک رئیس مسلمانوں کے حالات ہی سُنکر اسلام کا گرویدہ ہوا اور آخر دو ہزار کی جمعیت کے ساتھ مسلمان ہو گیا۔

عربی قبائل جو عراق و شام میں آباد ہو گئے تھے وہ نسبتہً آسانی کے ساتھ اسلام کی طرف مائل کیے جا سکتے تھے۔ حضرت عمرؓ کو ان لوگوں میں تبلیغ کا خاص خیال تھا۔ چنانچہ اکثر قبائل انہیں کی کوشش سے حلقہ بگوش اسلام ہو گئے۔ مسلمانوں کے فتوحات کی ہیبت نے بھی بہت سے لوگوں کو اسلام کی صداقت کا یقین دلا دیا چنانچہ معرکۂ قادسیہ کے بعد دیلم کی چار ہزار عجمی فوج نے خوشی سے اسلام قبول کر لیا۔ فتح جلولاء کے بعد بہت سے رؤساء برضا و رغبت مسلمان ہو گئے ان میں بعض کے نام یہ ہیں جمیل بن بصبہری، بسطام بن نرسی، رفیل، فیروزان۔ قیاس چاہتا ہے کہ ان رئیسوں کا اثر اُن کی رعایا پر بھی پڑا ہوگا۔ عراق کی طرح شام و مصر میں بھی نہایت کثرت سے لوگ مسلمان ہو گئے تھے۔ فسطاط میں ایک بڑا محلہ نومسلموں سے آباد کیا گیا غرض حضرت عمرؓ کے عہد میں نہایت کثرت سے اسلام پھیل گیا تھا۔ صرف یہی نہیں بلکہ اُنھوں نے

۱؎ کنز العمال جلد ہفتم صفحہ ۴۹ ۲؎ مقریزی صفحہ ۲۰۴ ۳؎ فتوح البلدان بلاذری ص ۲۶۵ ۴؎ فتح جلولاء

دینی حیثیت کی آئندہ اشاعت کیلئے راستہ بھی صاف کر دیا تھا۔

اشاعت اسلام کے بعد سب سے بڑا کام خود مسلمانوں کی مذہبی تعلیم و تلقین اور شعائر اسلامی کو رواج عام دینا تھا، اس کے متعلق حضرت عمرؓ کے مساعی کا سلسلہ حضرت ابوبکرؓ کے عہد سے شروع ہوتا ہے یعنی قرآن مجید جو اساس اسلام ہے حضرت عمرؓ کے اصرار سے عہد صدیقی میں مرتب کیا گیا تھا اس کے علاوہ انہوں نے اپنے عہد میں اس کے درس و تدریس کا رواج دیا۔ معلمین اور حفاظ اور مؤذنوں کی تنخواہیں مقرر کیں۱؎ حضرت عبادہ بن الصامتؓ حضرت معاذ بن جبلؓ اور حضرت ابوالدرداءؓ کو جو حفاظ قرآن اور صحابہ کبار میں سے تھے قرآن مجید کی تعلیم دینے کیلئے ملک شام میں روانہ کیا۲؎ قرآن شریف کو صحت کے ساتھ پڑھنے پڑھانے کے لیے تاکیدی احکام روانہ کیے۔ ابن الانباری کی روایت کے مطابق ایک حکم کے الفاظ یہ ہیں تعلموا اعراب القرآن کما تعلمون حفظه۔ غرض حضرت عمرؓ کے مساعی جمیلہ سے قرآن کی تعلیم ایسی عام ہو گئی تھی کہ ناظرہ خوانوں کا تو شمار نہیں حافظوں کی تعداد بھی ہزاروں تک پہنچ گئی تھی چنانچہ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ نے ایک خط کے جواب میں لکھا تھا کہ صرف میری فوج میں تین سو حفاظ ہیں۳؎

اصول اسلام میں قرآن کے بعد حدیث کا رتبہ ہے حضرت عمرؓ نے اس کے متعلق جو خدمات انجام دیں ان کی تفصیل یہ ہے

احادیث نبوی کو نقل کرا کے حکام کے پاس روانہ کیا کہ عام طور پر اس کی اشاعت ہو، مشاہیر صحابہ کو مختلف ممالک میں حدیث کی تعلیم کے لیے بھیجا چنانچہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو ایک جماعت کے ساتھ کوفہ روانہ کیا، اسی طرح عبداللہ بن مغفل، عمران بن حصین اور معقل بن یسار کو

---

۱؎ سیرۃ العمرین میں بصراحت مذکور ہے ان عمر بن الخطاب و عثمان کانا یرزقان المؤذنین والائمۃ والمعلمین

۲؎ کنز العمال جلد اول ص ۲۸۱ ۳؎ ایضاً ص ۲۱۷

بصرہ بھیجا۔ حضرت عبادہ بن الصامتؓ اور حضرت ابوالدرداءؓ کو شام کی طرف روانہ کیا۔[1]

اگرچہ محدثین کے نزدیک تمام صحابہ عدول ہیں لیکن حضرت عمرؓ اس نکتہ سے واقف تھے کہ جو چیزیں مقتضائے بشری ہیں اُن سے کوئی زمانہ مستثنیٰ نہیں ہو سکتا، چنانچہ اُنھوں نے روایات قبول کرنے میں نہایت چھان بین اور احتیاط سے کام لیا۔ ایک دفعہ حضرت عمرؓ کسی کام میں مشغول تھے، حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ آئے اور تین دفعہ سلام کرکے واپس چلے گئے۔ حضرت عمرؓ کام سے فارغ ہوئے تو ابوموسیٰؓ کو بلا کر دریافت کیا کہ تم واپس کیوں چلے گئے تھے؟ اُنھوں نے جواب دیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ تین دفعہ اذن مانگو اگر اس پر بھی اجازت نہ ملے تو واپس جاؤ۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا: اس روایت کا ثبوت دو ورنہ میں تمکو سزا دوں گا۔ حضرت ابوموسیٰؓ نے حضرت سعیدؓ کو شہادت میں پیش کیا، اسی طرح مغیرہ بن شعبہ نے حدیث روایت کی تو حضرت عمرؓ نے شہادت طلب کی چنانچہ جب محمد بن مسلمہ نے تصدیق کی تو اُنھوں نے اسکو تسلیم کیا۔ حضرت عباسؓ کے مقدمہ میں ایک حدیث پیش کی گئی تو حضرت عمرؓ نے شہادت طلب کی، جب لوگوں نے تصدیق کی تو فرمایا مجھکو تم سے بدگمانی نہ تھی بلکہ صرف اپنا اطمینان مقصود تھا۔

حضرت عمرؓ لوگوں کو کثرت روایت سے بھی نہایت سختی کے ساتھ منع فرماتے تھے۔ چنانچہ جب قرظہ بن کعب کو عراق کی طرف روانہ کیا تو خود دور تک ساتھ گئے اور سمجھا دیا کہ دیکھو تم ایسے ملک میں جاتے ہو جہاں قرآن کی آواز گونج رہی ہے۔ ایسا نہ ہو کہ تم اُن کی توجہ قرآن سے ہٹا کر احادیث کی طرف مبذول کردو۔ حضرت ابوہریرہؓ نہایت کثرت سے حدیثیں بیان کرتے تھے ایک دفعہ لوگوں نے اُن سے پوچھا کہ آپ حضرت عمرؓ کے عہد میں بھی اسی طرح

[1] ازالۃ الخفاء جلد دوم صفحہ ۶ بحوالہ ... [illegible] ... باب [illegible] تذکرۃ الحفاظ ذہبی [illegible]

روایت کر سکتے تھے؟ انھوں نے کہا کہ اگر اُس زمانہ میں ایسا کرتا تو دُرّے کھاتا۔[1]

حدیث کے بعد فقہ کا درجہ ہے۔ حضرت عمرؓ خود بالمشافہ اپنے خطبوں اور تقریروں میں مسائل فقہیہ بیان کرتے تھے۔ اسی طرح دور دراز ممالک کے حکام کو مراسلات کے ذریعے فقہی مسائل بتاتے تھے۔ مختلف فیہ مسائل کو صحابہ کی مجلس میں پیش کر کے طے کرتے تھے۔ اضلاع میں عمال اور افسروں کی تقرری میں عالم اور فقیہ ہونے کا خاص طور پر لحاظ رکھا جاتا تھا۔ تمام ممالک محروسہ میں فقہا مقرر کئے گئے تھے، جو احکام مذہبی کی تعلیم دیتے تھے، اور حسب بیان ابن جوزی حضرت نے فقہا کی بیش بہا تنخواہیں بھی مقرر کی تھیں۔ اس سے پہلے فقہا اور معلمین کو تنخواہ دینے کا رواج نہ تھا۔ خلاصہ یہ کہ فاروق اعظمؓ کے عہد میں مذہبی تعلیم کا ایک مرتب اور منظم سلسلہ قائم ہو گیا تھا،[2] جس کی تفصیل کیلئے اس اجمال میں گنجائش نہیں۔

عملی انتظامات کی طرف بھی حضرت عمرؓ نے بہت توجہ کی۔ تمام ممالک محروسہ میں کثرت سے مسجدیں تعمیر کیں۔ امام اور موذن مقرر کیے۔ حرم محترم کی عمارت کافی نہ تھی، اس لیے اس کو وسیع کیا، غلاف کعبہ کیلئے نطع کے بجائے قباطی کا رواج دیا جو نہایت عمدہ کپڑا ہوتا ہے اور مصر میں بنا جاتا ہے۔ اسی طرح مسجد نبویؐ کو بھی نہایت وسعت دی۔ پہلے طول سو گز کا تھا، انھوں نے ۱۴۰ گز کر دیا، اسی طرح عرض میں بھی ۲۰ گز کا اضافہ ہوا۔ نیز مسجد کے ساتھ ایک گوشہ میں چبوترہ بنوا دیا کہ جسکو بات چیت کرنا یا شعر پڑھنا ہو اس کے لیے یہ جگہ ہے۔ مسجدوں میں روشنی اور فرش کا انتظام بھی حضرت عمرؓ ہی کے عہد سے ہوا۔ حجاج کی راحت اور آسائش کا بھی نہایت کافی انتظام تھا۔ ہر سال خود حج کیلئے جاتے تھے اور خبرگیری کی خدمت انجام دیتے تھے۔

[1] تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۷۔ [2] اسد الغابہ تذکرہ عمرؓ۔

| | |
|---|---|
| وکان عمر لا یخفی علیہ شیء فی عملہ کتب | عمر پر کوئی بات مخفی نہیں رہتی تھی، عراق میں جن لوگوں |
| الیہ من العراق بخروج من خرج ومن الشام | نے خروج کیا اور شام میں جن لوگوں کو انعام دیئے گئے |
| بجائزۃ من اجیز بہا | سب اُن کو لکھا جاتا تھا۔ |

محکمۂ خبر رسانی کی سرگرمی کا اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ نعمان بن عدی حاکم میسان نے عیش و عشرت میں مبتلا ہو کر اپنی بی بی کو ایک خط لکھا جس میں یہ شعر بھی تھا۔

| | |
|---|---|
| لعل امیر المومنین یسوءہ | غالباً امیرالمومنین کو ناگوار ہوگا کہ ہم لوگ |
| تنادمنا فی الجوسق المتہدم | کھنڈر میں رندانہ صحبتیں رکھتے ہیں۔ |

اس محکمہ کو میاں بی بی کے راز و نیاز کی بھی خبر ہو گئی، حضرت عمرؓ نے نعمان کو معزول کر کے لکھا کہ ہاں مجھکو تمہاری یہ حرکت ناگوار ہوئی۔[1]

**عدل و انصاف** خلافت فاروقی کا سب سے نمایاں وصف عدل و انصاف ہے، اُن کے عہد میں کبھی بال برابر بھی انصاف سے تجاوز نہیں ہوا، اور شاہ و گدا، شریف و رذیل، عزیز و بیگانہ سب کیلئے ایک ہی قانون تھا، ایک دفعہ عمرو بن العاصؓ کے صاحبزادے عبد اللہ نے ایک شخص کو بے وجہ مارا، حضرت عمرؓ نے اسی مضروب سے اُن کے کوڑے لگوائے، عمرو بن العاصؓ بھی موجود تھے، دونوں باپ بیٹے خاموشی سے عبرت کا تماشا دیکھا کیے اور دم نہ مار سکے۔ جبلہ بن ایہم رئیس شام نے کعبہ کے طواف میں ایک شخص کو طمانچہ مارا، اس نے بھی برابر کا جواب دیا، جبلہ نے حضرت عمرؓ سے شکایت کی تو اُنہوں نے جواب دیا کہ جیسا کیا ویسا پایا، جبلہ کو اس جواب سے حیرت ہوئی اور مرتد ہو کر قسطنطنیہ بھاگ گیا۔

حضرت عمرؓ نے لوگوں کی تنخواہیں مقرر کیں تو اسامہ بن زیدؓ جو بیٹے غلام تھے اُن کی تنخواہ

---

[1] استیعاب، تذکرہ نعمان بن عدی، کنز العمال جلد ۶ صفحہ ۳۰۰

فرمایا کہ یہ خدا کا انعام ہے۔

مسائل دریافت کرنے میں مطلقاً پس و پیش نہیں کرتے تھے اور نہایت جرأت اور آزادی کے ساتھ ایک ہی مسئلہ کو بار بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کرتے تھے۔ کلالہ کے مسئلہ کو جو ایک دقیق اور نہایت مختلف فیہ مسئلہ ہے انہوں نے بار بار آنحضرتؐ سے دریافت کیا کہ آپ دق آ گئے اور فرمایا سورۂ نساء کی آخر آیت تیرے لیے کافی ہے۔[1]

وہ نہایت غور و توجہ کے ساتھ قرآن پاک تلاوت کرتے تھے اور ہر ایک آیت پر ایک محققانہ حیثیت سے نگاہ ڈالتے تھے۔ ایک دن صحابہؓ کی مجلس میں اس آیت کے معنی پوچھے۔ ایود احدکم ان تکون له جنة. لوگوں نے کہا واللہ اعلم۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے کہا کہ اس میں ایک کام کرنے والے کی تمثیل دی گئی ہے، چونکہ جواب ناتمام تھا حضرت عمرؓ نے اس پر قناعت نہ کی لیکن عبداللہ بن عباسؓ اس سے زیادہ نہ بتا سکے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا یہ اس آدمی کی تمثیل ہے جس کو خدا نے دولت و نعمت دی کہ خدا کی بندگی بجا لائے لیکن اس نے نافرمانی کی تو اس کے اچھے اعمال بھی برباد کر دیے جائیں گے۔[2]

حضرت عمرؓ قرآن مجید سے استدلال لانے میں نہایت مہارت رکھتے تھے۔ عراق و شام کی فتح کے بعد یہ بحث پیدا ہوئی کہ ممالک مفتوحہ مجاہدین کی ملکیت اور وہاں کے باشندے ان کے غلام ہیں۔ حضرت عمرؓ کا خیال تھا کہ مقامات مفتوحہ کسی ایک شخص یا بہت سے مخصوص اشخاص کی ملکیت نہیں ہیں بلکہ وقف عام ہیں۔ اور استدلال میں یہ آیت پیش کی

ما افاء اللہ علی رسوله من اھل القریٰ الخ

سلسلۂ احادیث میں جس قدر مرفوع احادیث حضرت عمرؓ سے مروی ہیں ان کی تعداد

[1] تفسیر ابن جریر جلد ۶ صفحہ ۲۸۔ [2] بخاری جلد ۲ صفحہ ۶۵۲

حضرت زیادہ نہیں ہے لیکن اس سے یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ وہ صرف اسی قدر احادیث سے واقف تھے بلکہ درحقیقت اُنھوں نے اپنے عہدِ خلافت میں جس قدر احکام صادر فرمائے ہیں وہ سب احادیث ہی سے ماخوذ ہیں یہ دوسری بات ہے کہ اس میں رسول اللہ کا نام نہیں لیا ہے اور نام نہ لینے کی وجہ یہ تھی کہ وہ رسول اللہؐ کی طرف کسی قول کو منسوب کرنے میں نہایت محتاط تھے اور جب تک اس کے ہر لفظ پر یقین نہ ہوتا تھا کہ رسول اللہؐ نے اسی طرح بیان فرمایا اس وقت تک ہرگز زبان سے قول رسول اللہ کا لفظ نہیں نکالتے تھے یہی وجہ تھی کہ وہ خود بھی بہت کم احادیث روایت کرتے تھے اور دوسروں کو بھی کثرت روایت سے روکتے تھے چنانچہ علامہ ذہبی حضرت عمرؓ کے حالات میں لکھتے ہیں

| | |
|---|---|
| وَقَدْ كَانَ عُمَرُ مِنْ وَجَلِهِ أَنْ يُخْطِئَ الصَّاحِبُ عَلَى رَسُولِ اللهِ يَأْمُرُهُمْ أَنْ يُقِلُّوا الرِّوَايَةَ عَنْ نَبِيِّهِمْ | حضرت عمرؓ اس ڈر سے کہ صحابہ آنحضرتؐ سے روایت کرنے میں غلطی نہ کریں حکم دیتے تھے کہ رسول اللہ سے کم روایت کیا کرو |

تذکرۃ الحفاظ ذکر عمرؓ

محدثین کا سب سے بڑا فرض روایات کی تحقیق و تنقید اور جرح و تعدیل ہے اگرچہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے بھی اپنے عہد میں روایت کے قبول کرنے کے لیے ثبوت اور شہادت کا خیال رکھا لیکن حضرت عمرؓ کو اس میں بہت زیادہ غلو تھا اور جب تک روایت یا درایت دونوں حیثیت سے اس کا ثبوت نہ پہنچتا قبول نہ کرتے اس کی مثالیں تفصیل کے ساتھ مذہبی خدمات کے سلسلہ میں مذکور ہو چکی ہیں اس لیے بیان اعادہ کی ضرورت نہیں

فقہ کا سلسلہ بھی درحقیقت حضرت عمرؓ ہی کا ساختہ پرداختہ ہے اُن سے اس قدر فقہی مسائل منقول ہیں کہ اگر جمع کیے جائیں تو ایک ضخیم کتاب تیار ہو سکتی ہے استنباط و اجتہاد اور تخریج مسائل کے سلسلے میں اُنھوں نے ایک خاص راہ قائم کر دی تھی مختلف فیہ مسائل کے طے کرنے کے لیے اجماع جس کثرت سے حضرت عمرؓ کے عہد میں ہوا کبھی نہیں ہوا

# اخلاق و عادات

حضرت سرور کائنات صلعم کی بعثت کا حقیقی مقصد تزکیۂ نفوس اور تہذیب اخلاق کی تعلیم
دینا تھا جیسا کہ خود ارشاد فرمایا بعثت لاتمم مکارم الاخلاق چونکہ صحابۂ کرام رضوان اللہ
علیہم اجمعین کو بلا واسطہ اس سرچشمۂ اخلاق سے سیراب ہونے کا موقع ملا تھا اس لیے
اس جماعت کا ہر شخص اسلامی اخلاق کا مجسم نمونہ تھا لیکن حضرت عمرؓ کو جو تقرب خاص
حاصل تھا اس کے لحاظ سے اُن کو زیادہ حصہ ملا وہ محاسن و محامد کی مجسم تصویر تھے اور ان کے
آئینۂ اخلاق میں خلوص، انقطاع الی اللہ، زہد فی الدنیا، اجتناب، حفظ لسان، حق پرستی،
راستگوئی، تواضع اور سادگی کا عکس سب سے زیادہ نمایاں نظر آتا ہے، حضرت عمرؓ کے یہ
اوصاف خود اُن کی ذات تک محدود نہ تھے بلکہ جو اُن کی صحبت میں رہتا تھا وہ بھی کم و بیش
متاثر ہو کر اسی قالب میں ڈھل جاتا تھا، مسور بن مخرمہؓ کا بیان ہے کہ ہم اس غرض سے حضرت
عمرؓ کے ساتھ رہتے تھے کہ ان سے پرہیزگاری و تقویٰ سیکھیں، عہد فاروقی کے افسران اور
عہدہ داروں کے حالات کا بغور مطالعہ کرو، تو معلوم ہوگا کہ وہ سب ایک ہی رنگ میں
رنگے ہوئے تھے،

خوف خدا | اخلاق کی پختگی اور راستبازی کا اصل سرچشمہ خشیت الٰہی اور خداوند جل و علا کی
جبروت و عظمت کا غیر متزلزل یقین ہے، جو دل خشوع و خضوع اور خوف خداوندی سے
خالی ہوتا ہے اس کی حقیقت ایک مضغۂ گوشت سے زیادہ نہیں ہوتی، حضرت عمرؓ
خشوع و خضوع کے ساتھ راتوں کو نمازیں پڑھتے جب صبح ہونے کو آتی تو گھر والوں کو

جنکا نے اور یہ آیت پڑھتے وامر اھلک بالصلوٰۃ۔ نماز میں عموماً ایسی سورتیں پڑھتے جن میں
قیامت کا ذکر یا خدا کی عظمت وجلال کا بیان ہوتا۔ اور اس سے اس قدر متاثر ہوتے کہ
رو رو کے روتے ہچکی بندھ جاتی۔ حضرت عبد اللہ بن شدادؓ کا بیان ہے کہ میں باوجود کہ پچھلی
صف میں رہتا تھا لیکن حضرت عمرؓ آیت انما اشکو بثی وحزنی الی اللہ پڑھ کر اس زور سے
روتے تھے کہ میں رونے کی آواز سنتا تھا۔ حضرت امام حسنؓ کا بیان ہے کہ ایک دفعہ حضرت عمرؓ
نماز پڑھ رہے تھے جب اس آیت پر پہونچے ان عذاب ربک لواقع ما لہ من دافع تو بہت
متاثر ہوئے اور روتے روتے آنکھیں سوج گئیں۔ اسی طرح ایک دفعہ اس آیت پر واذا القوا
منہا مکانا ضیقا مقرنین دعوا ھنالک ثبورا۔ پہنچے تو خضوع و خشوع طاری ہوا کہ اگر کوئی
شخص جو ان کے حال سے واقف نہ ہوتا دیکھ لیتا تو سمجھتا کہ اسی حالت میں روح پرواز کر جائیگی
رقت قلب اور عبرت پذیری کا یہ عالم تھا کہ ایک روز صبح کی نماز میں سورہ یوسف شروع
کی اور جب اس آیت پر پہونچے وابیضت عیناہ من الحزن فھو کظیم تو زار و قطار رونے
لگے یہانتک کہ قرآن ختم کرکے رکوع پر مجبور ہوگئے۔

قیامت کے مواخذہ سے بہت ڈرتے تھے اور ہر وقت اس کا خیال رہتا تھا۔ صحیح بخاری
میں ہے کہ ایک دفعہ ایک صحابی سے کہا کہ تم کو یہ پسند ہے کہ ہم رسول اللہ صلعم کے ساتھ اسلام لائے
ہجرت کی جہاد اور نیک اعمال کیے اسکے بدلہ میں دوزخ سے بچ جائیں اور عذاب و ثواب
برابر ہو جائے انہوں نے کہا خدا کی قسم نہیں ہم نے آپ کے بعد بھی روزہ رکھا نماز پڑھی بہت سے
نیک کام کیے اور ہمارے ہاتھ پر بہت سے لوگ مسلمان ہوئے ہم کو ان اعمال سے بڑی بڑی توقعات ہیں

[1] موطا امام مالک باب ما جاء فی صلوٰۃ اللیل [2] بخاری کتاب الصلوٰۃ باب اذا بکی الامام فی الصلوٰۃ [3] مترجم
[illegible] کا عذاب جبیبی ہو گئی ہے [illegible] [4] کنز العمال ج ۶ [illegible]

میں حضرت عمرؓ نے فرمایا اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے مجھے تو یہی غنیمت معلوم
ہوتا ہے کہ آپ عذاب سے بچ جائیں۔ نیکی اور بدی برابر ہو جائیں۔ ایک بار راہ میں ایک
تنکا اٹھا لیا اور کہا کاش میں بھی اسی طرح خاک ہوتا۔ کاش میں پیدا ہی نہ کیا جاتا!
کاش میری ماں نے مجھے نہ جنا ہوتا۔ غرض حضرت عمرؓ کا دل ہر وقت خوف خداوندی سے لرزاں و
ترساں رہتا تھا۔ آپ فرماتے کہ اگر آسمان سے ندا آئے کہ ایک آدمی کے سوا تمام دنیا کے لوگ
جنتی ہیں جب بھی مواخذہ کا خوف زائل نہ ہوگا کہ شاید وہ ایک بدقسمت انسان میں ہی ہوں۔

**حب رسول اور اتباع سنت**

تہذیب نفس اور اخلاق حسنہ سے مزین ہونے کے لیے ہر مسلمان کا فرض ہے
کہ اپنے دل میں سید المرسلین یعنی رسول اکرم صلعم کی خالص محبت اور اتباع سنت
کا صحیح جذبہ پیدا کرے جو دل رسول اللہ کی محبت سے خالی اور جو قدم اسوۂ حسنہ کی جادۂ مستقیم
سے منحرف ہے وہ کبھی سعادت کونین کی نعمت سے متمتع نہیں ہو سکتا۔ ایک دفعہ حضرت عمرؓ نے
بارگاہ نبوت میں عرض کیا کہ اپنی جان کے سوا حضور صلعم دنیا سے زیادہ محبوب ہیں ارشاد ہوا
عمرؓ میری محبت اپنی جان سے بھی زیادہ ہونا چاہیے۔ حضرت عمرؓ نے کہا اب حضور اپنی جان سے
بھی زیادہ عزیز ہیں۔

حضرت عمرؓ جمال نبوت کے سچے شیدائی تھے۔ ان کو اس راہ میں جان، مال، اولاد اور
عزیز و اقارب کی قربانی سے بھی دریغ نہ تھا۔ عاصی بن ہشام جو حضرت عمرؓ کا ماموں تھا معرکۂ بدر
میں خود ان کے ہاتھ سے مارا گیا۔ اسی طرح جب آنحضرت صلعم نے ازواج مطہرات سے ناراض ہو کر علیحدگی
اختیار کر لی تو حضرت عمرؓ نے یہ خبر سن کر حاضر خدمت ہونا چاہا۔ بار بار اذن طلب کرنے پر بھی اجازت
نہ دی تو پکار کر کہا خدا کی قسم میں حفصہ کی سفارش کے لیے نہیں آیا ہوں اگر رسول اللہ حکم دیں

---

۱ بخاری باب ایمان والاخیہ ... کنزالعمال ج ۶ ص ...

تو اس کی گردن مار دوں۔

حضرت عمرؓ کی نسبت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ رسول اللہؐ نے وفات پائی تو ان کو کسی طرح اس کا یقین نہیں آتا تھا۔ مسجد نبوی میں حالت وارفتگی میں کہتے تھے کہ جو کہے گا کہ میرا محبوب انتقال کر گیا تو اس کا سر اڑا دوں گا۔ آپ کے وصال کے بعد جب کبھی عہد مبارک یاد آجاتا تو رقت طاری ہو جاتی اور روتے روتے بیتاب ہو جاتے۔ ایک دفعہ سفر شام کے موقع پر حضرت بلالؓ نے مسجد اقصیٰ میں اذان دی تو رسول اللہؐ کی یاد تازہ ہو گئی اور اس قدر روئے کہ ہچکی بندھ گئی۔

قاعدہ ہے کہ محبوب کا عزیز بھی عزیز ہوتا ہے۔ اسی بنا پر جن لوگوں کو آنحضرتؐ اپنی زندگی میں عزیز رکھتے تھے حضرت عمرؓ نے اپنے ایام خلافت میں ان کا خاص خیال رکھا۔ اسامہؓ بن زید کی تنخواہ اپنے بیٹے عبداللہؓ سے زیادہ مقرر کی۔ عبداللہؓ نے عذر کیا تو آپ نے فرمایا کہ رسول اللہؐ اسامہؓ کو تجھ سے زیادہ عزیز رکھتے تھے۔ جب فتح مدائن کے بعد مال غنیمت آیا تو حضرت عمرؓ نے امام حسنؑ اور امام حسینؑ علیہما السلام کو ہزار ہزار درہم مرحمت فرمائے اور اپنے صاحبزادہ حضرت عبداللہؓ کو صرف پانچ سو دیئے۔ حضرت عبداللہؓ نے عذر کیا اور کہا کہ جب یہ دونوں بچے تھے اس وقت بھی میں رسول اللہؐ کے ساتھ معرکوں میں پیش پیش رہا ہوں۔ حضرت عمرؓ نے کہا ہاں لیکن ان کے بزرگوں کا جو رتبہ ہے وہ تیرے باپ دادا کا نہیں ہے۔

حضرت عمرؓ ازواج مطہراتؓ کی راحت و آسائش اور عزت و احترام کا بھی خاص خیال رکھتے تھے چنانچہ ان کی تنخواہیں دس دس ہزار مقرر کیں اور یہ سب سے بڑی مقدار تھی۔

---

[1] فتح الباری جلد ۶ صفحہ ۱۰۹ [2] فتوح الشام ازدی فتح بیت المقدس [3] مستدرک جلد ۳

معارف صحابہ اسد مرتبہ کتاب الخراج صفحہ ۲۴

سنہ ۲۳ ہجری میں جب امیر الحاج بن کر گئے تو ازواج مطہراتؓ کو بھی نہایت ادب و احترام کے ساتھ ہمراہ لے گئے، حضرت عثمانؓ اور حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ کو سواریوں کے ساتھ کر دیا تھا، یہ لوگ آگے پیچھے چلتے تھے، اور کسی کو سواریوں کے قریب نہیں آنے دیتے تھے ازواج مطہراتؓ منزل پر اترتی تھیں تو حضرت عمرؓ کے ساتھ قیام کرتی تھیں، اور حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ کسی کو قیام گاہ سے متصل آنے کی اجازت نہیں دیتے تھے۔[1]

اتباع سنت حضرت عمرؓ کے دستور عمل کا سب سے زریں حصہ تھا، وہ خورد و نوش، لباس، وضع، نشست و برخاست غرض ہر چیز میں اسوۂ حسنہ کو پیش نظر رکھتے تھے چونکہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیشہ فقر و فاقہ سے بسر کیا اس لیے انہوں نے بھی روم و ایران کی شاہنشاہی ملنے کے بعد بھی فقر و فاقہ کی زندگی کا ساتھ نہ چھوڑا، ایک دفعہ حضرت حفصہؓ نے کہا کہ اب خدا نے مرفہ الحالی عطا فرمائی ہے اس لیے آپ کو نرم کپڑا اور نفیس غذا سے پرہیز نہ کرنا چاہیے، حضرت عمرؓ نے کہا جان پدر! تم رسول اللہ ﷺ کی عسرت اور تنگ حالی کو بھول گئیں، خدا کی قسم میں اپنے آقا کے نقش قدم پر چلوں گا کہ آخرت کی فراغت اور خوش حالی نصیب ہو، اس کے بعد دیر تک رسول اللہ ﷺ کی عسرت کا تذکرہ کرتے رہے یہاں تک کہ حضرت حفصہؓ بیتاب ہو کر رونے لگیں۔

ایک دفعہ یزید بن ابی سفیان کے ساتھ شریک طعام ہوئے، معمولی کھانے کے بعد دسترخوان پر جب عمدہ کھانے لائے گئے تو حضرت عمرؓ نے ہاتھ کھینچ لیا اور کہا قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں عمر کی جان ہے اگر تم رسول اللہ ﷺ کی روش سے ہٹ جاؤ گے تو خدا تم کو جادۂ مستقیم سے منحرف کر دیگا۔[2]

[1] ابن سعد تذکرہ عبدالرحمن بن عوف، کنز العمال جلد ۶ صفحہ ۳۴۸

حضرت عمرؓ نے کہا وضو پر کیوں اکتفا کیا؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غسل کا حکم دیا کرتے تھے۔[1]
زہد و قناعت دنیا طلبی اور حرص تمام بد اخلاقیوں کی بنیاد ہے، اس لیے حضرت عمرؓ کو
اس سے طبعی نفرت تھی یہاں تک کہ خود اُن کے ہم عصر معاصرین کو اعتراف تھا کہ وہ زہد
وقناعت کے میدان میں سب سے آگے ہیں حضرت طلحہؓ کا بیان ہے کہ قدامت اسلام
اور ہجرت کے لحاظ سے بہت سے لوگوں کو عمر بن خطابؓ پر فوقیت حاصل ہے لیکن زہد
وقناعت میں وہ سب سے بڑھے ہوئے ہیں، صحیح مسلم میں ہے کہ رسول اللہ صلعم جب حضرت عمرؓ کو
کچھ دینا چاہتے تھے وہ عرض کرتے تھے کہ مجھ سے زیادہ حاجتمند لوگ موجود ہیں اور وہ اس عطیہ کے
زیادہ مستحق ہیں، آنحضرت ارشاد فرماتے کہ اس کو لے لو پھر تمہیں اختیار ہے چاہے پاس رکھو یا صدقہ
کردو، انسان کو اگر بے طلب ملے تو لے لینا چاہیے۔[2]

حضرت عمرؓ کا جسم کبھی نرم اور ملائم کپڑے سے مس نہیں ہوا، بدن پر بارہ بارہ پیوند کا
کرتا، سر پر پھٹا عمامہ اور پاؤں میں پھٹی جوتیاں ہوتی تھیں، پھر اسی حالت میں قیصر و کسریٰ
کے سفیروں سے ملتے تھے، اور وفود کو اپنے دربار میں باریاب کرتے تھے، مسلمانوں کو شرم آتی
تھی مگر استیلائے زہد کے شہنشاہ کے آگے کون زبان کھولتا؟ ایک دفعہ حضرت عائشہؓ اور
حضرت حفصہؓ نے کہا امیر المومنین! اب خدا نے مرفہ الحال کیا ہے، بادشاہوں کے سفراء
اور عرب کے وفود آتے رہتے ہیں اس لیے آپ کو اپنے طرز معاشرت میں تغیر کرنا چاہیے،
حضرت عمرؓ نے کہا افسوس تم دونوں امہات المومنین ہو کر دنیا طلبی کی ترغیب دیتی ہو؟ تم
رسول اللہ کی اس حالت کو بھول گئیں کہ تمہارے گھر میں صرف ایک کپڑا تھا جس کو دن کو
بچھاتے تھے اور رات کو اوڑھتے تھے، حفصہ تم کو یاد نہیں ہے کہ ایک دفعہ تم نے فرش کو

[1] بخاری کتاب الجمعہ باب فضل الغسل یوم الجمعہ۔ [2] ابو داؤد کتاب الزکوٰۃ باب فی الاستعفاف۔

دُہرا کر کے بچھا دیا تھا تو رسول اللہ ﷺ اس کی نرمی کے باعث رات بھر سوتے رہے، اور جب بلال رضی نے اذان دی تو آنکھ کھلی، اس وقت آپ نے فرمایا:

یا حفصة ماذا صنعت منعت الجهاد — حفصہ! تم نے یہ کیا کیا کہ فرش کو دوہرا کر دیا کہ میں صبح تک

حتی اذهب بی النوم الی الصبح مالی — سوتا رہا، مجھے دنیاوی راحت سے کیا تعلق ہے اور فرش

وللدنیا ومالی شغلتنی بلین الفراش — کی نرمی سے تم نے مجھے کیوں غافل کر دیا!

ایک دفعہ حضرت عمرؓ نے اپنا گزی کا کرتا ایک شخص کو دھونے اور پیوند لگانے کے لیے دیا، اس نے اس کے ساتھ ایک نرم کپڑے کا کرتا پیش کیا، حضرت عمرؓ نے اس کو واپس کر دیا اور اپنا کرتا لے کر کہا، اس میں پسینہ خوب جذب ہوتا ہے۔

کپڑے عموماً گزی ہی کے ہوا کرتے تھے اور پھٹ جاتا تو پیوند پر پیوند لگاتے تھے، حضرت حفصہؓ نے اس کے متعلق گفتگو کی تو فرمایا، مسلمانوں کے مال میں سے اس سے زیادہ تصرف نہیں کر سکتا۔ ایک دفعہ دیر تک گھر میں رہے، باہر آئے تو لوگ انتظار کر رہے تھے، معلوم ہوا کہ پہننے کو کپڑے نہ تھے، اس لیے انہی کپڑوں کو دھو کر سوکھنے کو ڈال دیا تھا، خشک ہو گئے تو وہی پہن کر باہر نکلے۔

غذا بھی عموماً نہایت سادہ ہوتی تھی، معمولاً روٹی اور روغن زیتون دسترخوان پر ہوتا تھا، روٹی اکثر گیہوں کی ہوتی تھی لیکن آٹا چھانا نہیں جاتا تھا، جہاں یا سفراء آتے تھے ان کو کھانے کی ان کو تکلیف ہوتی تھی کیونکہ وہ ایسی سادہ اور معمولی غذا کے عادی نہیں ہوتے تھے۔ حفص بن ابی العاص کھانے کے وقت موجود ہوتے تھے لیکن شریک نہیں ہوتے تھے، ایک دفعہ حضرت عمرؓ نے وجہ پوچھی تو کہا کہ آپ کے دسترخوان پر ایسی سادہ اور معمولی غذا ہوتی ہے کہ ہم لوگ اپنے لذیذ اور نفیس کھانوں پر اس کو ترجیح نہیں دے سکتے، حضرت عمرؓ نے کہا کیا تم

سلہ کنزالعمال ج [illegible] ص [illegible]۔ سلہ کنزالعمال ج [illegible] ص [illegible]۔ سلہ ایضاً صفحہ [illegible]

سکتے ہو کہ میں تمہیں ہر روز میدہ کی نان کھلانے کی مقدرت نہیں رکھتا، قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اگر قیامت کا خوف نہ ہوتا تو میں بھی تم لوگوں کی طرح دنیاوی عیش و عشرت کا دلدادہ ہوتا۔[1]

حضرت عمرؓ ہر شخص کو اسی طرح زہد و سادگی کی حالت میں دیکھنا چاہتے تھے، وقتاً فوقتاً اپنے عمال اور حکام کو ہدایت کرتے رہتے تھے کہ رومیوں اور عجمیوں کی معاشرت نہ اختیار کریں۔ حضرت شام میں جب افسروں کو اس ٹھاٹ میں دیکھا کہ بدن پر حریر و دیبا کے حلے اور پر تکلف قبائیں تھیں، غرض زرق برق پوشاک اور ظاہری شان و شوکت سے عجمی معلوم ہوتے تھے تو حضرت عمرؓ کو اس قدر غصہ آیا کہ گھوڑے سے اتر پڑے اور سنگریزے اٹھا کر ان کی طرف پھینکنے لگے کہ اس قدر جلد تم نے عجمی عادتیں اختیار کر لیں، اسی طرح ایک دفعہ ایک شخص جس کو انہوں نے یمن کا عامل مقرر کیا تھا اس صورت سے ملنے آیا کہ لباس فاخرہ زیب بدن کئے ہوئے تھا اور بالوں میں خوب تیل پڑا ہوا تھا تو حضرت عمرؓ نہایت ناخوش ہوئے اور وہ کپڑے اتروا کر موٹا جھوٹا کپڑا پہنایا۔

احنف بن قیس ایک جماعت کے ساتھ عراق کی ایک مہم پر روانہ کئے گئے، وہ وہاں سے کامیاب ہو کر تزک و احتشام کے ساتھ واپس آئے تو حضرت عمرؓ نے ان کے زرق برق پوشاک کو دیکھ کر منہ پھیر لیا۔ وہ لوگ امیر المومنین کو برہم دیکھ کر واپس آئے اور عرب کی سادہ پوشاک زیب تن کرکے پھر حاضر خدمت ہوئے۔ حضرت عمرؓ اس لباس میں دیکھ کر بہت خوش ہوئے اور فرداً فرداً ہر ایک سے بغلگیر ہوئے۔

قناعت کا یہ حال تھا کہ اپنے ایام خلافت میں چند برس تک مسلمانوں کے مال سے

[1] کنز العمال جلد ۶ صفحہ ۳۴۴

ایک دفعہ ام کلثوم (حضرت عمرؓ کی زوجہ) نے قیصر کی حرم کے پاس تحفہ کے طور پر عطر کی چند شیشیاں بھیجیں، اس نے اس کے جواب میں شیشیوں کو جواہرات سے بھر کر بھیجا۔ حضرت عمرؓ کو معلوم ہوا تو فرمایا کہ گو عطر تمہارا تھا لیکن قاصد جو لیکر گیا وہ سرکاری تھا اور اس کے مصارف عام آمدنی سے ادا کیے گئے، غرض جواہرات لیکر بیت المال میں داخل کر دیے اور ان کو کچھ معاوضہ دیدیا۔ اسی طرح ایک دفعہ بازار میں ایک نہایت فربہ اونٹ فروخت ہوتے دیکھا، دریافت سے معلوم ہوا کہ آپکے صاحبزادے عبداللہ کا ہے۔ ان سے پوچھا کہ یہ اونٹ کیسا ہے؟ انھوں نے کہا کہ میں نے اسکو خرید کر سرکاری چراگاہ میں بھیجدیا تھا اور اب کچھ فربہ ہو گیا ہے تو بیچنا چاہتا ہوں۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا چونکہ یہ سرکاری چراگاہ میں فربہ ہوا ہے اس لیے تم صرف راس المال کے مستحق ہو اور بقیہ قیمت لیکر بیت المال میں داخل کر دی۔

حضرت عمرؓ کا تجارتی شغل ایام خلافت میں بھی جاری تھا، ایک دفعہ شام کی طرف مال بھیجنا چاہا، روپیہ کی ضرورت ہوئی تو حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ سے قرض طلب کیا، انھوں نے کہا آپ امیرالمومنین ہیں، بیت المال سے اس قدر رقم قرض لے سکتے ہیں۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ بیت المال سے نہیں لوں گا کیونکہ اگر ادا کرنے سے پہلے مر جاؤں گا تو لوگ میرے ورثہ سے مطالبہ نہ کریں گے اور یہ بار میرے سر رہ جائیگا، اس لیے چاہتا ہوں کہ کسی ایسے شخص سے لوں جو میرے مرنے کے بعد وصول کرنے پر مجبور ہو۔[1]

ایک دفعہ بیمار ہوئے، طبیبوں نے شہد تجویز کیا، بیت المال میں شہد موجود تھا لیکن بلا استحقاق بغیر مسلمانوں کی اجازت کے لینے پر راضی نہ تھے، چنانچہ اسی حالت میں مسجد تشریف لائے، مسلمانوں کو جمع کر کے اجازت طلب کی، جب لوگوں نے اجازت دی تو استعمال فرمایا۔[2]

کنزالعمال ج ۶ صفحہ ۳۵۳۔ [1] طبقات ابن سعد جز ثالث قسم اول صفحہ ۲۰۰۔ [2] ایضاً صفحہ ۲۰۰۔

رعب نے انھیں مجبور کیا ہو اس لیے اپنے صاحبزادہ عبداللہؓ کو وصیت کی کہ مرنے کے
بعد ایک مرتبہ پھر اجازت لی جائے اگر اذن ہو تو خیر ورنہ عام مسلمانوں کے قبرستان
میں دفن کردینا اس طرح وفات کے بعد بھی فاروق اعظمؓ نے ورع و تقویٰ کا بہترین مثال
نمونہ پیش کیا۔ رضی اللہ عنہ

تواضع | حضرت عمرؓ کی عظمت و شان اور رعب و داب کا ایک طرف تو یہ حال تھا کہ
نفس نام سے قیصر و کسریٰ کے ایوان حکومت میں لرزہ پیدا ہو جاتا تھا، دوسری طرف
تواضع اور خاکساری کا یہ عالم تھا کہ کاندھے پر مشک رکھ کر بیوہ عورتوں کے لیے پانی
بھرتے تھے، مجاہدین کی بیویوں کا بازار سے سودا سلف خرید کر لادیتے تھے پھر اسی حالت
میں تھک کر مسجد کے گوشہ میں فرش خاک پر لیٹ جاتے تھے۔

ایک دفعہ آپ نے ایام خلافت میں سر پر چادر ڈال کر باہر نکلے ایک غلام کو گدھے پر
سوار جاتے دیکھا چونکہ تھک گئے تھے اس لیے اپنے ساتھ بٹھا لینے کی درخواست کی اس کے
لیے اس سے زیادہ کیا شرف ہو سکتا تھا فوراً اتر پڑا اور سواری کے لیے اپنا گدھا پیش کیا،
حضرت عمرؓ نے کہا میں اپنی وجہ سے تمھیں تکلیف نہیں دے سکتا، تم جس طرح سوار تھے سوار
ہو میں تمہارے پیچھے بیٹھ لوں گا، غرض اسی حالت سے مدینہ کی گلیوں میں داخل ہوئے
لوگ امیرالمومنین کو ایک غلام کے پیچھے دیکھتے تھے اور تعجب کرتے تھے۔

بارہا سفر کا اتفاق ہوا لیکن خیمہ و خرگاہ کبھی ساتھ نہیں رہا، درخت کا سایہ شامیانہ اور
فرش خاک بستر تھا، سفر شام کے موقع پر مسلمانوں نے اس خیال سے کہ عیسائی امیرالمومنین
کے معمولی لباس اور بے سروسامانی کو دیکھ کر اپنے دل میں کیا کہیں گے سواری کے لیے

سلہ بخاری کتاب المناقب باب مناقب حضرت عمرؓ کنزالعمال جلد ۶ صفحہ ۳۵۶

ترکی گھوڑا اور پہننے کے لیے قیمتی لباس پیش کیا، حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ خدا نے ہم کو جو
عزت دی ہے وہ اسلام کی عزت ہے اور ہمارے لیے یہی بس ہے۔

ایک دن صدقہ کے اونٹوں کے بدن پر تیل مل رہے تھے، ایک شخص نے کہا امیر المومنین یہ کام کسی غلام سے
لے لیا ہوتا، بولے مجھ سے بڑھ کر کون غلام ہو سکتا ہے، جو شخص مسلمانوں کا والی ہے وہ ان کا
غلام بھی ہے۔[1]

تشدد و رحم

حضرت عمرؓ کی تند مزاجی کے فسانے نہایت کثرت سے مشہور ہیں اور ایک حد تک
اُن کی اصلیت بھی موجود ہے لیکن یہ قیاس صحیح نہیں ہے کہ قدرت نے ان کو لطف
اور رحم دلی سے بالکل ناآشنا رکھا تھا، اصل یہ ہے کہ ان کا غیظ و غضب بھی خدا کے لیے
تھا اور لطف و رحم بھی اسی کے لیے، جیسا کہ ایک موقع پر خود ارشاد فرمایا تھا۔

والله لان قلبی فی الله حتی لهو الین — واللہ میرا دل خدا کے بارے میں نرم ہوتا ہے تو مکھن سے
من الزبد ولقد اشتد قلبی فی الله — بھی نرم ہو جاتا ہے اور سخت ہوتا ہے تو پتھر سے
حتی لهو اشد من الحجر — بھی زیادہ سخت ہوتا ہے

مثال کے طور پر چند واقعات درج ذیل ہیں جس سے اندازہ ہوگا کہ حضرت عمرؓ کا
غصہ اور لطف و رحم محض خدا کے لیے تھا، ذاتیات کو مطلق دخل نہ تھا۔

غزوۂ بدر میں کافروں نے بنو ہاشم کو لڑنے پر مجبور کیا تھا اس لیے رسول اللہ صلعم
نے حکم دیا کہ عباسؓ وغیرہ کہیں نظر آئیں تو اُن کو قتل نہ کرنا، ابو حذیفہؓ کی زبان سے نکل گیا
کہ بنو ہاشم میں کیا خصوصیت ہے اگر عباسؓ سے مقابلہ ہو گیا تو ضرور مزہ چکھاؤں گا، حضرت
عمرؓ یہ گستاخی دیکھ کر آپے سے باہر ہو گئے اور کہا اجازت دیجئے کہ میں اس کا سر اڑا دوں۔

[1] کنز العمال جلد ۶ صفحہ ۳۴۹ [2] ابن سعد قسم اول جزء ۳ تذکرۂ عمر صفحہ ۲۰۹

حاطب بن ابی بلتعہ نے جو بہت رتبہ کے صحابی تھے کفارِ مکہ سے خفیہ خط و کتابت کی یہ راز معلوم ہوا تو حضرت عمرؓ نے برافروختہ ہو کر آنحضرت صلعم سے کہا کہ اجازت دیجیے کہ اسکو قتل کر دوں[1]۔ اسی طرح ذوالخویصرہ نے ایک دفعہ گستاخانہ کہا کہ محمد اعدل کر۔ حضرت عمرؓ غصہ سے بیتاب ہو گئے اور اسکو قتل کر دینا چاہا لیکن رحمۃ للعالمینؐ نے منع کیا[2]۔ غرض اسی قسم کے متعدد واقعات ہیں جن سے اگر تم مزاج کی سختی کا اندازہ کرسکتے ہو تو دوسری طرف طبیعت کا بھی اعتراف کرنا پڑے گا۔

ایام خلافت میں جو سختیاں ظاہر ہوئیں وہ اصول سیاست کے لحاظ سے نہایت ضروری تھیں۔ حضرت خالد بن ولیدؓ کی معزولی، حکام سے سختی کے ساتھ بازپرس، مذہبی پابندی کے لیے تنبیہ و تعزیر یہ اور اسی قسم کے تمام امور حضرت عمرؓ کے فرائض منصبی میں داخل تھے اس لیے انہوں نے جو کچھ کیا وہ منصب خلافت کی حیثیت سے اُن پر واجب تھا ورنہ اُن کا دل رافت و محبت کے فطری جذبات سے خالی نہ تھا بلکہ وہ جسقدر مذہبی اور انتظامی معاملات میں سختی اور تشدد کرتے تھے اس سے زیادہ ہمدردی کے موقعوں میں لطف و رحم کو کام میں لاتے تھے۔ خدا کی ذی عقل مخلوقات میں غلاموں سے زیادہ قابل رحم حالت کسی کی نہیں ہوگی؟ حضرت عمرؓ نے عنان خلافت ہاتھ میں لینے کے ساتھ تمام عربی غلاموں کو آزاد کرا دیا اور یہ قانون بنا دیا کہ اہل عرب کبھی کسی کے غلام نہیں ہوسکتے مگر اجمال میں تصریح اُن کا قول مذکور ہے کہ لا یسترق عربی یعنی عربی غلام نہیں ہوسکتا۔ عام غلاموں کا آزاد کرانا سخت مشکل تھا تاہم اُن کے حق میں بہت سی مراعاتیں قائم کیں جابجا ہیں کی تفصیل ذیل میں مذکور ہوئیں تو

[1] بخاری کتاب المغازی باب غزوۂ فتح مع اصحاب بہ حاطب بن ابی بلتعہ [2] بخاری کتاب استتابۃ المرتدین باب من ترک قتال الخوارج للتألف و لئلا ینفر الناس عنہ [3] یعقوبی جلد ۲ ص ۱۰۰

آقا کے ساتھ اسی قدر اُسکے غلام کی تنخواہ بھی مقرر ہوئی[1] اکثر غلاموں کو بٹھا کر ساتھ کھانا کھلاتے۔ ایک شخص نے دعوت کی تو محض اس وجہ سے برافروختہ ہو کر اٹھ گئے کہ اس نے دسترخوان پر اپنے غلاموں کو نہیں بٹھایا تھا۔ آپ اکثر حاضرین کو سنا کر کہتے تھے کہ جو لوگ غلاموں کو اپنے ساتھ کھلانا عار سمجھتے ہیں خدا اُن پر لعنت بھیجتا ہے۔ غلاموں کے لیے سب سے تکلیف دہ بات یہ تھی کہ وہ اپنے عزیز و اقارب سے جدا ہو جاتے تھے۔ حضرت عمرؓ نے حکم دیا کہ کوئی غلام اپنے اعزہ سے جدا نہ کیا جائے[2]۔

سنہ ۱۸ھ میں قحط پڑا تو حضرت عمرؓ کی بیداری قابل دید تھی۔ دور دراز ممالک سے غلہ منگوا کر تقسیم کیا۔ گوشت گھی اور دوسری مرغوب غذائیں ترک کر دیں۔ اپنے لڑکے کے ہاتھ میں خربوزہ دیکھا تو خفا ہوئے کہ قوم فاقہ مست ہے اور تو تنعمات سے لطف حاصل کرتا ہے۔ غرض جب تک قحط رہا حضرت عمرؓ نے ہر قسم کے عیش و لذت سے اجتناب کیا[3]۔

عراق عجم کے معرکہ میں نعمان اور دوسرے بہت سے مسلمان شہید ہوئے تو حضرت [illegible] زار و قطار رو رہے تھے۔ مال غنیمت آیا تو غصہ سے واپس کر دیا کہ مجاہدین اور شہدا کے ورثہ میں تقسیم کر دیا جائے۔ تم نے انتظامات کے سلسلہ میں پڑھا ہو گا کہ حضرت عمرؓ نے اپنے عہد میں ہر جگہ لنگر خانے، سرائیں اور شفا خانے اور یتیم خانے بنوائے تھے۔ غربا، مساکین اور مجبور و لاچار آدمیوں کے روزینے مقرر کر دیے تھے۔ کیا یہ تمام امور لطف و کرم کے مظاہرے نہیں ہیں؟

حضرت عمرؓ نے ذمیوں اور کافروں کے ساتھ جو رحمدلی اور لطف کا سلوک کیا آج مسلمان مسلمان سے نہیں کرتے۔ زندگی کے آخری لمحے تک ذمیوں کا خیال رہا۔ وفات

---

[1] فتوح البلدان ذکر العطاء فی خلافۃ عمر بن الخطابؓ [2] کنز العمال جلد ۲ [3] کنز العمال جلد ۲ دولت عام الرمادہ صفحہ [illegible]

سے وقت وصیت کی تو ذمیوں کے حقوق پر خاص زور دیا[1]

عفو | اس غصہ و ترحم کی بنا پر حضرت عمرؓ عفو و درگذر سے بھی کام لیتے تھے۔ ایک دفعہ حر بن قیس کے ساتھ
عیینہ بن حصن حاضر خدمت ہوئے۔ عیینہ نے کہا آپ انصاف سے حکومت نہیں
کرتے۔ حضرت عمرؓ اس گستاخی پر بہت غضبناک ہوئے۔ حر بن قیس نے کہا، امیر المومنین!
قرآن مجید میں آیا ہے خذ العفو وأمر بالعرف وأعرض عن الجاهلين۔ یہ شخص جاہل ہے، اس کی
بات کا خیال نہ کیجئے۔ اس گفتگو سے حضرت عمرؓ کا غصہ بالکل ٹھنڈا ہو گیا۔

رفاہ عام | فاروق اعظمؓ کی زندگی کا اصلی نصب العین رفاہ عام اور بہبودی بنی نوع انسان
تھا۔ خلافت کی حیثیت سے انھوں نے جو کچھ کیا اس کی تفصیل گذر چکی ہے۔ ذاتی حیثیت
سے بھی ان کا ہر لحظہ اسی شغل میں صرف ہوتا تھا۔ ان کا معمول تھا کہ مجاہدین کے
گھروں پر جاتے اور عورتوں سے پوچھ کر بازار سے سودا سلف لا دیتے۔ مقام جنگ سے قاصد
آتا تو اہل فوج کے خطوط خود اُن کے گھروں میں پہنچا آتے اور جس گھر میں کوئی لکھا پڑھا ہوتا
خود ہی چوکھٹ پر بیٹھ جاتے اور گھر والے جو کچھ کہتے لکھ دیتے۔ راتوں کو عموماً گشت کرتے
کہ عام آبادی کا حال معلوم ہو۔ ایک دفعہ حضرت عمرؓ گشت کرتے ہوئے مدینہ سے تین
میل کے فاصلہ پر مقام صرار پہونچے۔ دیکھا کہ ایک عورت پکا رہی ہے اور دو تین بچے
رو رہے ہیں۔ پاس جا کر حقیقت حال دریافت کی۔ اس نے کہا بچے بھوک سے تڑپ
رہے ہیں، ان کے بہلانے کو خالی ہانڈی چڑھا دی ہے۔ حضرت عمرؓ اسی وقت مدینہ
آئے، آٹا، گھی، گوشت اور کھجوریں لے کر چلے۔ حضرت عمرؓ کے غلام اسلم نے کہا میں لیے چلتا
ہوں۔ فرمایا ہاں لیکن قیامت میں میرا بار تم نہیں اٹھاؤ گے۔ غرض حضرت عمرؓ خود سب سامان لے کر

[1] بخاری کتاب مناقب، باب قصۃ البیعۃ والاتفاق علی عثمان۔ [2] کنز العمال ج ۶ ص ۳۴۳

وہ اس عورت کے پاس گئے اس سے کھانا پکانے کا انتظام کیا حضرت عمرؓ خود چولھا پھونکتے تھے کھانا تیار ہوا تو بچے کھا کر خوشی خوشی اچھلنے کودنے لگے حضرت عمرؓ دیکھتے تھے اور خوش ہوتے تھے۔[1]

ایک دفعہ کچھ لوگ شہر کے باہر اترے حضرت عمرؓ نے حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ کو ساتھ لیا اور کہا مجھکو ان کے متعلق مدینہ کے چوروں کا ڈر لگا ہوا ہے چلو ہم دونوں چلکر پہرہ دیں چنانچہ دونوں آدمی رات بھر پہرہ دیتے رہے۔[1]

ایک دفعہ حضرت عمرؓ راتوں کو گشت کر رہے تھے کہ ایک بدو کے خیمے سے رونے کی آواز آئی دریافت سے معلوم ہوا کہ بدو کی عورت دردزہ میں مبتلا ہے حضرت عمرؓ گھر آئے اور اپنی بیوی ام کلثوم کو ساتھ لیکر بدو کے خیمہ میں آئے تھوڑی دیر کے بعد بچہ پیدا ہوا ام کلثوم نے پکار کر کہا امیرالمومنین اپنے دوست کو مبارکباد دیجئے بدو امیرالمومنین کا لفظ سنکر چونک پڑا حضرت نے کہا کچھ خیال نہ کرو کل میرے پاس آنا بچہ کی تنخواہ مقرر کر دوں گا۔

حضرت عمرؓ اپنی غیر معمولی مصروفیت میں بھی مجبور بیکس اور اپاہج آدمیوں کی خدمت گزاری کیلیے وقت نکال لیتے تھے مدینہ سے اکثر نابینا اور ضعیف اشخاص فاروق اعظمؓ کی خدمتگزاری کے ممنون تھے خلوص کا یہ عالم تھا کہ خود ان لوگوں کو بھی خبر نہ تھی کہ یہ فرشتہ رحمت کون ہے۔ حضرت طلحہؓ کا بیان ہے کہ ایک روز علی الصباح امیرالمومنین کو ایک جھونپڑے میں جاتے دیکھا خیال ہوا کہ یہاں فاروق اعظمؓ کا کیا کام؟ دریافت سے معلوم ہوا کہ اس میں ایک نابینا ضعیفہ رہتی ہے اور وہ روزانہ اس کی خبرگیری کے لیے جایا کرتے ہیں۔

---

[1] کنز العمال جلد ۳ ص ۳۵۰ سیرۃ عمریہ ص ۲۳۳ و ۲۲

خدا کی راہ میں چندہ

حضرت عمرؓ بہت زیادہ دولتمند نہ تھے تاہم انھوں نے جو کچھ خدا کی راہ میں صرف
کیا وہ اُن کی حیثیت سے زیادہ تھا۔ سنہ ۹ھ میں آنحضرت صلعم نے غزوہ تبوک کی تیاری
کی تو اکثر صحابہ نے ضروریات جنگ کے لیے بڑی بڑی رقمیں پیش کیں۔ حضرت عمرؓ نے
اس موقع پر اپنے تمام مال و اسباب میں سے آدھا لا کر پیش کیا[1]

یہودی بنی حارثہ سے آپ کو ایک زمین ملی تھی اُس کو راہ خدا میں وقف کر دیا۔
اسی طریقہ سے خیبر میں ایک بہترین پرحاصل قطعہ زمین ملا تو آنحضرت کی خدمت میں
حاضر ہو کر عرض کیا کہ مجھے ایک قطعہ زمین ملا ہے جس سے بہتر میرے پاس کوئی جائداد نہیں ہے
آپ کا کیا ارشاد ہے؟ آپ نے فرمایا وقف کر دو چنانچہ حسب ارشاد
نبوی فقراء، اعزہ، مسافر، غلام اور مہمان کیلیے وقف کر دیا گیا[2]

ایک دفعہ ایک اعرابی نے نہایت رقت انگیز اشعار سنائے اور وسعت حال
دریافت کیا حضرت عمرؓ متاثر ہو کر بے حد روئے اور کرتا اتار کر دیدیا۔

مساوات کا خیال

عہد فاروقی میں شاہ و گدا، امیر و غریب، مفلس و مالدار سب ایک حال
میں نظر آتے تھے۔ مسلمانوں کو تاکیدی حکم تھا کہ کسی طرح کا امتیاز اور مخصوص اختیار نہ کریں حضرت
عمرؓ نے خود ذاتی حیثیت سے بھی مساوات کو اپنا خاص شعار بنایا تھا یہی وجہ تھی کہ انھوں نے
اپنی معاشرت نہایت سادہ رکھی تھی تعظیم و تکریم کو دل سے ناپسند کرتے تھے ایک دفعہ
کسی نے کہا "میں آپ پر قربان" تو فرمایا ایسا نہ کہا کرو اس سے تمھارا نفس ذلیل ہو جائے گا
اسی طرح زید بن ثابتؓ قاضی مدینہ کی عدالت میں مدعا علیہ کی حیثیت سے گئے تو انھوں نے
تعظیم کے لیے جگہ خالی کر دی حضرت عمرؓ نے کہا تم نے اس مقدمہ میں یہ پہلی بے انصافی کی"

[1] ترمذی فضائل ابی بکرؓ [2] ابو داؤد کتاب الوصایا باب ما جاء فی الرجل یوقف الوقف

یہ کہکر اپنے رفیق کے برابر بیٹھ گئے۔

حضرت عمرؓ کا مقصود تھا کہ میں اگر عیش و تنعم کی زندگی بسر کروں اور لوگ مصیبت

سادگی جھیلیں تو مجھ سے بڑا کوئی نہ ہوگا۔ سفر شام میں نفیس و لذیذ کھانے پیش کئے تھے

تو پوچھا کہ عام مسلمانوں کو بھی یہ الوان نعمت میسر ہیں۔ لوگوں نے کہا ہر شخص کے لیے کس طرح

ممکن ہے۔ فرمایا تو پھر مجھے بھی اسکی حاجت نہیں۔

خلافت کی حیثیت سے فاروق اعظمؓ کے جاہ و جلال کا سکہ تمام دنیا پر بیٹھا تھا۔

لیکن مساوات کا یہ حال تھا کہ قیصر و کسریٰ کے سفراء آتے تھے تو انہیں پتہ نہیں چلتا تھا کہ

خلیفہ کون ہے اور گدا کون۔ درحقیقت حضرت عمرؓ نے خود نمونہ بنکر تمام مسلمانوں کو مساوات

و سادگی کا ایسا درس دیا تھا کہ حاکم و محکوم اور آقا و غلام میں ہمسری پیدا ہوگئی تھی۔

غیرت — حضرت عمرؓ بالطبع غیور واقع ہوئے تھے یہانتک کہ خود رسول مقبول صلعم ان کی غیرت

کا پاس و لحاظ کرتے تھے۔ صحیح مسلم، ترمذی اور تقریباً تمام صحاح میں باختلاف الفاظ مروی ہے

کہ معراج کے موقع پر رسول اللہؐ نے جنت میں ایک عالیشان طلائی قصر ملاحظہ فرمایا جو

فاروق اعظمؓ کیلئے مخصوص تھا۔ آنحضرت اسوجہ سے اندر تشریف نہیں لے گئے کہ ان کی غیرت

کا حال معلوم تھا۔ حضرت عمرؓ سے ذکر آیا تو رو کر کہنے لگے بابی انت و امی اعلیک اغار

یعنی میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں کیا میں حضور کے مقابلہ میں غیرت کروں گا۔[1]

آیت حجاب نازل ہونے سے پہلے عرب میں پردہ کا رواج نہ تھا یہاں تک

کہ ازواج مطہرات بھی پردہ نہیں کرتی تھیں۔ حضرت عمرؓ کی غیرت اس بے حجابی کو نا

پسند کرتی تھی بار بار رسول اللہ سے ملتجی ہوتے کہ آپ ازواج مطہرات کو پردہ کا حکم دیں

---

[1] کنز العمال جلد ۶ صفحہ [illegible] بخاری مناقب عمرؓ

غذا نہایت سادہ تھی یعنی صرف روٹی اور روغن زیتون پر گذارہ تھا کبھی کبھی گوشت
و دودھ ترکاری اور سرکہ بھی دسترخوان پر ہوتا تھا۔ لباس بھی نہایت معمولی ہوتا تھا۔ اکثر صرف
قمیص پہنتے تھے۔ اکثر عمامہ باندھتے تھے جوتی قدیم عربانہ وضع کی ہوتی تھی
حلیہ یہ تھا رنگ گندم گون سر چندہ رخسارے کم گوشت داڑھی گھنی مونچھیں بڑی
بڑی قد نہایت طویل یہان تک کہ سیکڑوں کے بیچ میں کھڑے ہوں تو سب سے سربلند
نظر آئیں

# امیر المومنین عثمانؓ بن عفان ذوالنورین

نام و نسب و خاندان: عثمان نام، ابو عبداللہ اور ابو عمرو کنیت، ذوالنورین لقب، والد کا نام عفان، والدہ کا نام اروی؛ والد کی طرف سے پورا سلسلہ نسب یہ ہے، عثمان بن عفان بن ابی العاص بن امیہ بن عبد شمس بن عبد مناف بن قصی القرشی، اور والدہ کی طرف سے سلسلہ نسب یہ ہے، اروی بنت کریز بن ربیعہ بن حبیب بن عبد شمس بن عبد مناف، اس طرح حضرت عثمانؓ کا سلسلہ پانچویں پشت میں عبد مناف پر آنحضرت صلعم سے مل جاتا ہے، اور چونکہ حضرت عثمانؓ کی نانی بیضاء ام الحکیم حضرت عبداللہ بن عبدالمطلب کی سگی بہن اور رسول اللہ صلعم کی پھوپھی تھیں اس لیے وہ ماں کی طرف سے حضرت سرور کائنات کے رشتہ دار ہیں، ان کو ذوالنورین (دو نور والا) اس لیے کہا جاتا ہے کہ آنحضرتؐ کی دو صاحبزادیاں یکے بعد دیگرے ان کے نکاح میں آئیں۔[1]

حضرت عثمانؓ کا خاندان ایام جاہلیت میں غیر معمولی وقعت و اقتدار رکھتا تھا، آپ کے جد اعلیٰ امیہ بن عبد شمس قریش کے رئیسوں میں سے تھے، خاندان بنو امیہ انہی امیہ بن عبد شمس کی طرف منسوب ہو کر انہیں کے نام سے مشہور ہے، عقاب یعنی قریش کا قومی علم اسی خاندان کے قبضہ میں تھا، جنگ فجار میں اس خاندان کا نامور سوار حرب بن امیہ سپہ سالار اعظم کی حیثیت رکھتا تھا، عقبہ بن معیط جو اپنے تمرد اور قوت کے لحاظ سے اسلام کا بہت بڑا دشمن تھا اسی کا تھا، اسی طرح ابوسفیان بھی جس نے غزوۂ بدر کے بعد

[1] فتح الباری کتاب المناقب

تاہم غزوات میں رئیس قریش کی حیثیت سے رسول اللہ کا مقابلہ کیا تھا۔ اسی اموی خاندان کا ایک رکن تھا۔ غرض حضرت عثمانؓ کا خاندان اشرافت، نسب اور عزت کے لحاظ سے عرب میں نہایت ممتاز تھا۔ اور بنو ہاشم کے سوا کسی دوسرے خاندان کو اس سے ہمسری کا دعویٰ نہیں ہو سکتا تھا۔

حضرت عثمانؓ واقعہ فیل کے چھٹے سال یعنی ہجرت نبوی سے ۴۷ برس قبل پیدا ہوئے بچپن اور سن رشد کے حالات پردۂ خفا میں ہیں لیکن قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے عام اہل عرب کے خلاف اسی زمانہ میں لکھنا پڑھنا سیکھ لیا تھا۔ عہد شباب کا آغاز ہوا تو تجارتی کاروبار میں مشغول ہوئے اور اپنی صداقت، دیانت، امانت اور راستبازی کے باعث غیر معمولی فروغ حاصل کیا۔

**قبول اسلام** حضرت عثمانؓ کا چونتیسواں سال تھا کہ داعی اسلامؐ نے مکہ میں توحید کی صدائے بلند کی۔ خاندانی عظمت کی کورانہ رسم و رواج اور عرب کے مذہبی تخیل کے لحاظ سے حضرت عثمانؓ بھی بیگانہ نامانوس بھی تھے، تاہم وہ اپنی فطری عفت، پارسائی، دیانت داری اور راستبازی کے باعث اس داعی حق کو لبیک کہنے کیلئے بالکل تیار تھے۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ ایمان لائے تو انہوں نے دین مبین کی تبلیغ و اشاعت کو اپنا نصب العین قرار دیا اور اپنے حلقۂ احباب میں تلقین و ہدایت کا کام شروع کیا۔ اس جماعت میں ان سے حضرت عثمانؓ سے ارتباط تھا، اور اکثر نہایت مخلصانہ صحبت رہتی تھی۔ ایک روز وہ حسب معمول حضرت ابوبکرؓ کے پاس آئے اور اسلام کے متعلق گفتگو شروع کی۔ حضرت ابوبکرؓ نے اس خوبی سے تبلیغ کا کام انجام دیا کہ حضرت عثمانؓ بارگاہ نبوت میں حاضر ہو کر اسلام قبول کرنے پر آمادہ ہو گئے۔ ابھی دونوں بزرگ جانے کا خیال ہی کر رہے تھے کہ خود حضرت

سرورِ کائنات صلعم تشریف لے آئے اور حضرت عثمانؓ کو دیکھ کر فرمایا: عثمان اللہ کی
جنت قبول کرو میں تیری اور تمام خلق کی ہدایت کے لیے مبعوث ہوا ہوں" حضرت
عثمانؓ کا بیان ہے کہ زبانِ نبوت کے ان صاف و سادہ جملوں میں نہ جانے کیا
تاثیر تھی کہ میں بے اختیار کلمہ شہادت پڑھنے لگا اور دستِ مبارک میں ہاتھ دے کر
حلقہ بگوشِ اسلام ہو گیا۔

اس موقع پر یہ نکتہ بھی ذہن نشین رکھنا چاہیے کہ حضرت عثمانؓ کا تعلق اموی خاندان
سے تھا جو بنو ہاشم کا حریف مقابل تھا اور رسول اللہ صلعم کی کامیابی کو اس لیے خوف
وحسد کی نگاہ سے دیکھتا تھا کہ اس طریقے سے عرب کی سیادت کی باگ بنو امیہ کے ہاتھ
سے نکل کر بنو ہاشم کے دستِ اقتدار میں چلی جائے گی یہی وجہ تھی کہ عقبہ بن معیط اور
ابوسفیان وغیرہ اس تحریک کے دبانے میں نہایت سرگرمی سے پیش پیش تھے۔ لیکن حضرت
عثمانؓ کا آئینۂ دل خاندانی تعصب کے گرد و غبار سے پاک تھا۔ اس لیے اس قسم کی کوئی
پیش بینی ان کی صفائے باطن کو مکدر نہ کر سکی انہوں نے نہایت آزادی کے ساتھ اپنے
خاندان کے خلاف اس زمانہ میں حق کی آواز پر لبیک کہا جبکہ حضرت حمزہؓ یا عمرؓ جیسے با جبروت بھی
اس شرف سے مشرف ہوئے تھے۔

شادی | قبولِ اسلام کے بعد حضرت عثمانؓ کو وہ شرف حاصل ہوا جو ان کی کتابِ منقبت کا
سب سے درخشاں ورق ہے یعنی یہ کہ آنحضرت صلعم نے ان کو اپنی فرزندی میں قبول
فرمایا۔ پہلی صاحبزادی حضرت رقیہ کا نکاح چچا ابولہب کے بیٹے عتبہ سے ہوا تھا مگر
اسلام کے بعد عتبہ کے باپ ابولہب کو آنحضرت صلعم سے جو عداوت ہو گئی تھی اس سے مجبور ہو کر
اس نے اپنے بیٹے پر زور ڈالا اور طلاق دلا دی آنحضرت صلعم نے صاحبزادی ممدوحہ کا عقد

معلوم ہوا کہ یہ خبر جھوٹی ہے، اس بنا پر بعض صحابہ پھر ملک حبش کی طرف لوٹ گئے، مگر حضرت عثمانؓ پھر نہ گئے۔

**مدینہ کی طرف ہجرت**

اسی اثنا میں مدینہ کی ہجرت کا سامان پیدا ہو گیا، اور رسول اللہ صلعم نے اپنے تمام صحابہ کو مدینہ کی ہجرت کا ایما کیا تو حضرت عثمانؓ بھی اپنے اہل و عیال کے ساتھ مدینہ تشریف لے گئے اور حضرت اوس بن ثابتؓ کے مہمان ہوئے اور آپ نے انہیں اور حضرت اوس بن ثابتؓ میں برادری قائم کر دی، اس مواخات سے دونوں خاندانوں میں جو محبت اور یگانگت پیدا ہو گئی تھی اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ حضرت عثمانؓ کی شہادت پر حضرت حسان بن ثابتؓ تمام عمر سوگوار رہے اور ان کا نہایت پُردرد مرثیہ لکھا۔[1]

**بیر رومہ کی خریداری**

مدینہ آنے کے بعد مہاجرین کو پانی کی سخت تکلیف تھی، تمام شہر میں صرف بیر رومہ ایک ایسا کنواں تھا جس کا پانی پینے کے لائق تھا لیکن اس کا مالک ایک یہودی تھا، اور اس نے اس کو ذریعہ معاش بنا رکھا تھا، حضرت عثمانؓ نے اس عام مصیبت کو دفع کرنے کے لیے اس کنوئیں کو خرید کر وقف کر دینا چاہا، اس کی طمع کے سبب یہودی صرف نصف حق فروخت کرنے پر راضی ہوا، حضرت عثمانؓ نے ۱۲ ہزار درہم میں نصف کنواں خرید لیا، اور شرط یہ قرار پائی کہ ایک دن حضرت عثمانؓ کی باری ہوگی اور دوسرے دن اس یہودی کے لیے یہ کنواں مخصوص رہیگا، جس روز حضرت عثمانؓ کی باری ہوتی تھی اس روز مسلمان اس قدر پانی بھر کر رکھ لیتے تھے کہ دو دن تک کے لیے کافی ہوتا تھا، یہودی نے دیکھا کہ اب اس سے کچھ نفع نہیں ہو سکتا تو وہ بقیہ نصف بھی

---

[1] طبقات ابن سعد قسم اول جزو ۳ صفحہ ۴۰

عثمان رضی ان تمام لڑائیوں میں شریک رہے تھے یہاں تک کہ سنہ ۶ھ میں رسول اللہ نے زیارت کعبہ کا قصد فرمایا، حدیبیہ پہونچکر معلوم ہوا کہ مشرکین آمادۂ پرخاش ہیں چونکہ رسول اللہ کو لڑنا مقصود نہیں تھا اسلیے مصالحت کے خیال سے حضرت عثمان رض کو سفیر بنا کر بھیجا،

سفارت کی خدمت | حضرت عثمان رض سفارت کی خدمت پر مامور ہوکر پہونچے تو کفار قریش نے ان کو روک لیا، دو تین دن گزر گئے اور حضرت عثمان رض کا کچھ حال نہیں معلوم ہوا، تو مسلمانوں کو سخت فکر لاحق ہوئی پھر اسی حالت میں افواہ پھیلی کہ وہ شہید کر دیے گئے، رسول اللہ صلعم نے یہ خبر سنکر صحابہ سے جو تعداد میں چودہ سو تھے ایک درخت کے نیچے بیعت لی اور حضرت عثمان رض کی طرف سے خود اپنے ایک ہاتھ پر دوسرا ہاتھ رکھ کر بیعت کی، یہ حضرت عثمان رض کا حصہ اور دلوں کی وہ انتہا تھی جو حضرت عثمان رض کے تاج فخر کا طرۂ شرف ہے، اسی بیعت کا نام بیعت رضوان ہے[1]

ایک دفعہ ایک خارجی نے حضرت عبداللہ بن عمر رض سے دریافت کیا کہ یہ سچ ہے کہ حضرت عثمان رض نے بیعت رضوان نہیں کی آپ نے جواب دیا کہ ہاں عثمان رض اس وقت موجود نہ تھے، مگر اس ہاتھ نے ان کی طرف سے قائم مقامی کی جس سے بہتر کوئی دوسرا ہاتھ نہیں ہے،

مشرکین قریش نے مسلمانوں کے جوش سے خائف ہوکر مصالحت کر لی اور حضرت عثمان رض کو چھوڑ دیا، رسول اللہ صلعم اس سال بغیر عمرہ کیے اپنے فدائیوں کے ساتھ مدینہ واپس آئے،

[1] سیرۃ ابن ہشام جلد ۲ صفحہ ۲۰۰ و آنحضرت کے ان الفاظ اور فرمایا کہ بخاری کتاب المناقب باب مناقب عثمان بن عفان میں کلام داقعات کی تفصیلات تحقیق طور پر صحت اسباب میں مذکور ہیں،

سنہ ۷ھ میں معرکۂ خیبر پیش آیا پھر سنہ ۸ھ میں مکہ فتح ہوا پھر اسی سال ہوازن کی جنگ ہوئی جو غزوۂ حنین کے نام سے منسوب ہے حضرت عثمانؓ ان تمام معرکوں میں شریک تھے۔

**غزوۂ تبوک**
**تجہیز جیش عسرۃ**

سنہ ۹ھ میں یہ خبر مشہور ہوئی کہ قیصر روم عرب پر حملہ آور ہونا چاہتا ہے چونکہ یہ زمانہ نہایت عسرت و تنگی کا تھا اس لیے رسول اللہ صلعم نے تشویش ظاہر کی اور صحابہ کو جنگی سروسامان کیلئے زر و مال سے اعانت کی ترغیب دلائی، اکثر لوگوں نے بڑی بڑی رقمیں پیش کیں، حضرت عثمانؓ ایک متمول تاجر تھے اور اس زمانہ میں اُن کا تجارتی قافلہ ملک شام سے نفع کثیر کے ساتھ واپس آیا تھا اس لیے انھوں نے ایک تہائی فوج کو سروسامان سے آراستہ کر دینے کا ذمہ لیا، ابن سعد کی روایت کے مطابق غزوۂ تبوک کی مہم میں تیس ہزار پیادے اور دس ہزار سوار شامل تھے، اس بنا پر تنہا حضرت عثمانؓ نے دس ہزار سے زیادہ فوج کو سامان جنگ سے آراستہ کیا تھا اور اس اہتمام کے ساتھ کہ اس کے لیے ایک ایک تسمہ تک اُن کے روپے سے خریدا گیا تھا، اس کے علاوہ حضرت عثمانؓ نے ایک ہزار اونٹ ستر گھوڑے اور سامان رسد کے لیے ایک ہزار دینار پیش کیا، حضور انور صلعم اس فیاضی سے اس قدر خوش تھے کہ اشرفیوں کو دست مبارک سے اُچھالتے تھے اور فرماتے تھے،

ما ضر عثمان ما عمل بعد هذا الیوم — یعنی آج کے بعد عثمان کا کوئی کام ان کو نقصان نہ پہنچائیگا[1]

سنہ ۱۰ھ میں سید المرسلین نے آخری حج کیا جو حجۃ الوداع کے نام سے موسوم ہے، حضرت عثمانؓ بھی ہمرکاب تھے، حج سے واپس آنے کے بعد ماہ ربیع الاول سنہ ۱۱ھ کی ابتدا میں سرور کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام بیمار ہوئے اور بارہویں ربیع الاول دو شنبہ کے دن گھر میں

[1] مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۱۰۲ و ترمذی ابواب المناقب باب مناقب عثمانؓ

جاؤ بہ دوران جیسے ایاغا نذیجوی انّا اجتکہ تا جعو ن

رسول اللہؐ کی وفات کے بعد سقیفہ بنی ساعدہ میں حضرت ابوبکر صدیقؓ کے دست مبارک پر خلافت کی بیعت ہوئی خلافت صدیقی میں حضرت عثمان غنیؓ شوریٰ کے ایک معتمد رکن تھے، سوا دو برس کی خلافت کے بعد حضرت ابوبکر صدیقؓ نے بھی رحلت فرمائی اور حضرت ابوبکرؓ کی وصیت اور عام مسلمانوں کی پسندیدگی سے حضرت فاروق اعظمؓ مسند آرائے خلافت ہوئے حضرت عمرؓ کے استخلاف کا وصیت نامہ حضرت عثمانؓ ہی کے ہاتھ سے لکھا گیا تھا، اس سلسلہ میں ایک بات لحاظ رکھنے کے قابل ہے کہ وصیت کے دوران کتابت میں کسی کو خلیفہ نامزد کرنے کے قبل حضرت ابوبکرؓ پر غشی طاری ہوگئی حضرت عثمانؓ نے اپنی عقل و فراست سے سمجھ کر اپنی طرف سے حضرت عمرؓ کا نام لکھ دیا اور عبارت پوری کر دی، حضرت ابوبکرؓ کو ہوش آیا تو پوچھا کہ پڑھو کیا لکھا، انھوں نے سنانا شروع کیا اور جب عمرؓ کا نام آیا تو حضرت ابوبکرؓ نے بے اختیار اللہ اکبر پکار اٹھے اور حضرت عثمانؓ کی اس فہم و فراست کی بہت تعریف و توصیف کیؓ۔

تقریباً دس برس کی خلافت کے بعد ۲۳ھ میں حضرت عمرؓ نے بھی سفر آخرت اختیار کیا، مرض الموت میں لوگوں کے اصرار سے عہدۂ خلافت کیلئے چھ آدمیوں کا نام پیش کیا کہ ان میں سے کسی کو منتخب کر لیا جائے، ان کے نام یہ ہیں: علیؓ، عثمانؓ، زبیرؓ، طلحہؓ، سعد وقاصؓ، عبدالرحمٰنؓ بن عوف اور تاکید کی کہ تین دن کے اندر انتخاب کا فیصلہ ہو جانا چاہیےؓ۔

فاروق اعظمؓ کی تجہیز و تکفین کے بعد انتخاب کا مسئلہ پیش ہوا اور دو دن تک اس پر

---

[1] ابن سعد جزو ۳ قسم اول تذکرہ ابوبکرؓ ۔ ابن سعد تذکرہ عثمانؓ

# خلافت اور فتوحات

فاروق اعظمؓ نے اپنے عہد میں شام، مصر، اور ایران کو فتح کر کے ممالک محروسہ میں شامل کر لیا تھا، نیز ملکی نظم و نسق اور طریقہ حکمرانی کا ایک مستقل دستور العمل بنا دیا تھا، اس لیے حضرت عثمانؓ کیلئے میدان صاف تھا، انہوں نے صدیق اکبرؓ کی نرمی و ملاطفت اور فاروق اعظمؓ کی سیاست کو اپنا شعار بنایا، اور ایک سال تک قدیم طریق نظم و نسق میں کسی قسم کا تغیر نہیں کیا، البتہ خلیفہ سابق کی وصیت کے مطابق حضرت سعد وقاصؓ کو مغیرہ بن شعبہ کی جگہ کوفہ کا والی بنا کر بھیجا، اور یہ پہلی تقرری تھی جو حضرت عثمانؓ کے ہاتھ سے عمل میں آئی۔

۲۵ھ میں بعض بعض نے چھوٹے واقعات بھی پیش آئے یعنی آذربائیجان اور آرمینیہ پر فوج کشی ہوئی کیونکہ وہاں کے باشندوں نے حضرت عمرؓ کی وفات سے فائدہ اٹھا کر خراج دینا بند کر دیا تھا، سیطرح رومیوں کی چھیڑ چھاڑ کی خبریں سن کر حضرت عثمانؓ نے کوفہ سے سلمان بن ربیعہ کو چھ ہزار کی جمعیت کے ساتھ شام میں امیر معاویہؓ کی مدد کیلئے روانہ کیا۔

اب تک مصر کے والی عمرو بن العاص تھے، مصر کا تھوڑا سا علاقہ جو صعید کے نام سے مشہور ہے وہ حضرت عمرؓ ہی کے زمانے سے عبداللہ بن ابی سرح کے متعلق تھا، مصر کے خراج کی جو رقم دربار خلافت کو بھیجی جاتی تھی حضرت عمرؓ ہی کے زمانے سے اس کی کمی کے متعلق

---

ابن اثیر جلد ۳ صفحہ ۶۱

مصری حکومت اور مدینہ کی مرکزی حکومت کے درمیان اختلاف تھا۔ حضرت عثمان رضی نے مصری خراج کے اضافہ کا مطالبہ کیا۔ عمرو بن العاص رضی نے کہلا بھیجا کہ اونٹنی اس سے زیادہ دودھ نہیں دے سکتی۔ اس پر حضرت عثمان رضی نے ان کو معزول کر کے عبداللہ بن ابی سرح کو پورے مصر کا گورنر بنا دیا۔ عمرو بن العاص رضی جنگی تدبیر و سیاست کا لوہا رومیوں سے منوا لیا تھا۔ ان کی برطرفی سے ان کے دلوں میں مصر کے دوبارہ قبضہ کا خیال پیدا ہوا۔ سنہ ۲۵ھ میں ان کی شہ پا کر اسکندریہ کے لوگوں نے بغاوت کی۔ حضرت عثمان رضی نے خود مصر والوں کے مشورہ سے اس فتنہ کو فرو کرنے کے لیے حضرت عمرو رضی کو متعین کیا جنھوں نے نہایت حسن تدبیر اور مصلحت اندیشی سے اس بغاوت کو فرو کیا۔ حضرت عثمان رضی نے چاہا کہ فوج کا صیغہ عمرو بن العاص رضی کے پاس رہے اور مال و خراج کے صیغے عبداللہ بن ابی سرح کے سپرد رہیں۔ مگر عمرو بن العاص رضی نے منظور نہ کیا۔ یعقوبی نے لکھا ہے کہ عمرو بن العاص رضی نے باغیوں کے اہل و عیال کو لونڈی غلام بنا ڈالا تھا۔ حضرت عثمان رضی ان کی اس حرکت سے نہایت ناخوش ہوئے اور جو لوگ لونڈی غلام بنائے گئے تھے ان کو آزاد کرا دیا۔[1] اس کے بعد بھی دو برس تک عمرو بن العاص رضی مصر کے مال و خراج کے شعبوں کے افسر رہے۔

اسی سال عبداللہ بن ابی سرح نے دربار خلافت کے حکم سے طرابلس (لیبیا) کی مہم کا انتظام کیا۔ نیز امیر معاویہ رضی نے انطاکیہ کے پاس شامی سرحدوں کے قریب کے دو رومی قلعے فتح کر لیے۔

سنہ ۲۶ھ میں سب سے اہم واقعہ حضرت سعد بن وقاص رضی کی معزولی ہے۔ معزولی کی وجہ یہ پیش آئی کہ حضرت سعد وقاص رضی نے بیت المال سے ایک بڑی رقم قرض لی تھی

[1] طبری ۱۸۰۲

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ مہتمم بیت المال نے تقاضا کیا تو سعدؓ نے اپنی نادری ظاہر کی، دونوں میں بات بڑھی یہاں تک کہ یہ قضیہ دربار خلافت تک پہونچا، چونکہ یہ نہایت غلط کارروائی تھی جو ایک بڑے افسر کے لیے موزوں نہ تھی اس لیے حضرت عثمانؓ حضرت سعد بن وقاصؓ پر نہایت برہم ہوئے اور ان کو معزول کرکے ولید بن عقبہ کو والی کوفہ مقرر کیا، عبداللہ بن مسعودؓ سے بھی غلطی ظاہر ہوئی لیکن چونکہ ان کی غلطی کی نوعیت صرف بے احتیاطی تھی اس لیے ان کو اپنے عہدہ پر برقرار رکھا۔[1]

سنہ ۲۶ھ میں مصر کی دو عملی میں اختلاف ہوا یعنی عبداللہ بن ابی سرح اور عمرو بن العاصؓ نے جو فوجی اور مالی صیغوں کے مستقل افسر تھے، باہم ایک دوسرے کے خلاف مرکزی حکومت میں شکایت کی، حضرت عثمانؓ نے تحقیقات کرکے عمرو بن العاصؓ کو معزول کر دیا اور عبداللہ بن ابی سرح کو مصر کے تمام صیغوں کا تنہا حاکم بنا دیا، عمرو بن عاصؓ اس فیصلہ سے نہایت ناخوش ہوئے اور مدینہ چلے گئے، عمرو بن العاصؓ کے زمانہ میں مصر کا خراج ۲۰ لاکھ تھا، عبداللہ بن ابی سرح نے کوشش کرکے چالیس لاکھ کر دیا، حضرت عثمانؓ نے فخریہ عمرو بن عاصؓ سے کہا دیکھو آخر اونٹنی نے دودھ دیا، عمروؓ نے جواب دیا کہ ہاں دودھ تو دیا لیکن بچے بھوکے رہ گئے۔[2]

فتح طرابلس | سمندر طرابلس کا اہتمام تو سنہ ۲۶ھ ہی میں ہوا تھا لیکن باقاعدہ فوج کشی سنہ ۲۷ھ میں ہوئی، عبداللہ بن ابی سرح گورنر مصر افسر عام تھے، حضرت عثمانؓ نے دار الخلافت سے بھی ایک لشکر جرار کمک کے لیے روانہ کیا، اس میں عبداللہ بن زبیرؓ، حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور حضرت عبدالرحمن بن ابی بکرؓ خصوصیت سے قابل ذکر ہیں۔

[1] ابن اثیر جلد ۳ صفحہ ۷۰ [2] یعقوبی جلد ۲ صفحہ ۱۹۱

مجبوری ہے۔

ایک اور روایت ہے کہ افریقہ کا خمس مدینہ بھیجا گیا تھا جو مروان کے ہاتھ پانچ لاکھ دینار میں بیچا گیا تھا۔ ابن الاثیر نے فتوح افریقہ میں لکھا ہے کہ عبداللہ بن ابی سرح کو افریقہ کے پہلے غزوہ و دوسرا غزوہ عبادلہ کے مال غنیمت کا خمس دیا گیا تھا اور مروان کے ہاتھ دوسرے افریقہ کی غنیمت کا خمس بیچا گیا تھا۔

فتح قبرص: قبرص جس کو اب سائپرس کہتے ہیں بحر روم میں شام کے قریب ایک نہایت زرخیز جزیرہ ہے اور یورپ اور روم کی طرف سے مصر و شام کی فتح کا دروازہ ہے اور مصر و شام کی حفاظت اس وقت تک نہیں ہو سکتی تھی اور رومیوں کا خطرہ اس وقت تک دور ہو سکتا تھا جب تک اس بحری ناکہ پر مسلمانوں کا قبضہ نہ ہوتا۔ امیر معاویہؓ نے عہد فاروقی میں اس پر فوج کشی کی اجازت طلب کی تھی مگر حضرت عمرؓ بحری جنگ کے مخالف تھے اس لیے انکار کر دیا۔ اس کے بعد ۲۸ھ میں امیر معاویہؓ نے پھر حضرت عثمانؓ سے اصرار کے ساتھ قبرص پر لشکر کشی کی اجازت طلب کی، اور اطمینان دلایا کہ بحری جنگ کو جس قدر خوفناک سمجھا جاتا ہے اس قدر خوفناک نہیں ہے۔ حضرت عثمانؓ نے لکھا کہ اگر تمہارا بیان صحیح ہے تو حملہ میں مضائقہ نہیں، لیکن اس مہم میں اسی کو شریک کیا جائے جو اپنی خوشی سے آمادگی ظاہر کرے۔ غرض عبداللہ بن قیس حارثی کی زیر سیادت ایک بحری بیڑا قبرص پر حملہ کے لیے روانہ ہوا، اور صحیح و سلامت قبرص پہنچ کر لنگر انداز ہوا، عبداللہ بن قیس امیر البحر اتفاقی طور پر شہید ہوئے لیکن سفیان بن عوف الازدی نے علم سنبھال کر اہل قبرص کو مغلوب کر لیا اور شرائط ذیل پر مصالحت ہوئی۔

(۱) اہل قبرص ۷۰۰۰ دینار سالانہ خراج ادا کریں گے۔

(۲) مسلمان قبرس کی حفاظت کے ذمہ دار نہیں ہوں گے

(۳) بحری جنگوں میں اہل قبرس مسلمانوں کے دشمنوں کی نقل و حرکت کی ان کو اطلاع دیا کریں گے[1]

اہل قبرس عرصہ تک اس معاہدہ پر قائم رہے لیکن ۳۳ھ میں انھوں نے رومی جہازی لشکر کو مدد دی اس لیے امیر معاویہؓ نے نئے سرے سے اس پر فوج کشی کی اور فتح کر کے کامل طور پر ممالک محروسہ میں شامل کر لیا[2] نیز شرط کر دی کہ اب یہاں کے باشندے رومیوں کے ساتھ کسی قسم کے تعلقات نہ رکھیں یہاں تک کہ شادی بیاہ کا تعلق بھی قائم نہ ہونے پائے

والی بصرہ کی معزولی | حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ عہد فاروقی سے بصرہ کی ولایت پر مامور تھے حضرت عثمانؓ نے بھی اپنے زمانہ میں چھ برس تک ان کو اس منصب پر برقرار رکھا لیکن یہاں ایک بڑی جماعت ہمیشہ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کی مخالفت پر آمادہ رہتی تھی چنانچہ حضرت عمرؓ کے عہد میں بارہا ان کی شکایتیں پہونچیں مگر فاروقی رعب و داب نے مخالفین کو ہمیشہ دبائے رکھا، حضرت عثمانؓ کا زمانہ آیا تو ان کو زیادہ آزادی کے ساتھ حضرت ابو موسیٰؓ کے خلاف سازش پھیلانے کا موقع مل گیا، اسی اثنا میں کردوں نے بغاوت کر دی حضرت ابو موسیٰؓ نے مسجد میں جہاد کا وعظ کہا اور راہ خدا میں پیادہ پا چلنے کے فضائل بیان کیے، اس کا یہ اثر ہوا کہ بہت سے مجاہدین جنکے پاس سواریاں موجود تھیں وہ بھی پیادہ پا چلنے پر تیار ہو گئے لیکن چند آدمیوں نے کہا کہ ہم کو جلدی نہ کرنا چاہیے، دیکھیں امیر کس شان سے چلتا ہے، غرض صبح کے وقت دارالامارت کے قریب مجاہدین کا مجمع ہوا، حضرت ابو موسیٰؓ اس شان کے ساتھ محل سے برآمد ہوئے کہ خود ایک نفیس ترکی نسل کے

[1] ابن اثیر جلد ۳ صفحہ ۷۶، [2] ابن اثیر جلد ۳ صفحہ ۱۰۷

تھوڑے سے سوار تھے اور چالیس خچروں پر اسباب و سامان بار تھا، لوگوں نے شور کر کے انکی
برطرفی اور کہا۔ قول و فعل میں یہ اختلاف کیسا ہے؟ دوسروں کو جس چیز کی ترغیب دیتے تھے خود آپ اس پر
عمل کیوں نہیں کرتے؟ حضرت ابو موسیٰ اس کا کوئی تشفی بخش جواب نہ دے سکے اور
اہل بصرہ کی ایک جماعت شکایت لیکر مدینہ پہنچی اور ان کی معزولی کا مطالبہ کیا۔ حضرت
عثمانؓ نے ۲۹ھ میں ان کو معزول کر دیا اور عبداللہ بن عامر کو اس منصب پر مامور کیا۔

فتح طبرستان ۳۰ھ میں عبداللہ بن عامر بصرہ کے نئے والی اور سعید بن عاص نے دو
مختلف راستوں سے خراسان اور طبرستان کو فتح کیا۔ سعید بن عاص کے ساتھ امام حسنؓ
امام حسینؓ، عبداللہ بن عباسؓ، عبداللہ بن عمرؓ، عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ، عبداللہ بن زبیرؓ
اور بڑے بڑے صحابہ کرام شریک تھے۔ ان لوگوں نے پیش قدمی کرکے عبداللہ بن عامر سے
پہلے جرجان، خراسان اور طبرستان کو فتح کر لیا۔ اسی اثناء میں ولید بن عقبہ والی
کوفہ کے خلاف ایک سازش ہوئی اور ان پر شراب خوری کا الزام لگایا گیا۔ حضرت
عثمانؓ نے ان کو معزول کرکے سعید بن عاص کو ان کے نمایاں کارناموں کی بنا پر کوفہ
کا گورنر کیا۔ اب عبداللہ بن عامر نے اس مہم کی تکمیل اپنے ہاتھ میں لی

عبداللہ بن عامر نے ہرات، کابل اور سجستان کو فتح کرتے ہوئے نیشاپور کا رخ کیا
راستہ میں طبسین و رخ و زوابی، اسفرائن، ارغیان وغیرہ فتح کرتے ہوئے خاص شہر نیشاپور کا محاصرہ
کر لیا۔ اہل نیشاپور نے چند مہینوں تک محصور ہو کر مدافعت کی لیکن پھر مجبور ہو کر سات لاکھ درہم
سالانہ پر مصالحت کر لی

عبداللہ بن عامر نے نیشاپور کے بعد عبداللہ بن خازم کو سرخس کی طرف روانہ کیا

۱؎ طبری ص ۲۸۰۰ ۲؎ ابن اثیر جلد سوم ص ۸۲

اور خود بذات خود ابرشہر کی طرف پیشقدمی کی، نیشاپور فتح ہوگیا، مرو الرود اور ابرشہر نے بھی مصالحت
پر آمادگی ظاہر کی اور بہت سے گھوڑے ریشمی کپڑے اور دوسرے انواع و اقسام کے
تحائف لیکر حاضر ہوئے، عبداللہ بن عامر نے مصالحت کرلی اور قیس بن الہیثم کو قائم مقام
کرکے تمام اسباب و سامان کے ساتھ دارالخلافہ کا رخ کیا۔

**ایک عظیم الشان بحری جنگ**

سنہ ۳۱ھ میں قیصر روم نے ایک نہایت عظیم الشان جنگی بیڑا جس میں
تقریباً پانچ سو جہاز شامل تھے سواحل شام پر حملہ کرنے کے لیے بھیجا، بیان کیا جاتا ہے
کہ رومیوں نے شروع سے اس وقت تک کبھی ایسی عظیم الشان قوت کا مظاہرہ نہیں کیا
تھا، امیر معاویہ والی شام نے امیر المومنین کے ایماء سے عبداللہ بن ابی سرح امیر مصر کو
حکم دیا کہ اسلامی بیڑے کو از سر نو مرتب کرکے سمندر ہی میں اس کا مقابلہ کریں، غرض اسلامی
بیڑا ان سے آراستہ ہوکر نہایت شان کے ساتھ بڑھا اور رومی جہازوں کا راستہ روک کر
کھڑا ہوگیا، رومیوں نے جیرہ دستی شروع کی تو اسلامی ملاحوں نے نہایت تیز دستی کے
ساتھ اپنے جہازوں کو رومیوں کے جہازوں سے ملا کر باندھ دیا لیکن قبل اس کے کہ مسلمان
حملہ کی ابتدا کریں رومی ریلا کرکے اسلامی جہازوں میں گھس آئے، دونوں طرف سے
تیغ و سنان کا رد و بدل شروع ہوگیا، جہازوں کی لاشیں گر رہی تھیں اور سمندر کی موجیں
اچھال اچھال کر دور پھینک دیتی تھیں، غرض نہایت گھمسان کا رن پڑا، رومیوں نے نہایت
جوش کے ساتھ مقابلہ کیا لیکن اسلامی خنجر زنوں نے سب کو کاٹ کر [illegible]
صرف کچھ تھوڑے سے جان بچا کر بھاگ سکے، اس طرح اسلامی بیڑا نہایت شان و شوکت کے
ساتھ نصرت و کامرانی کا پھریرا اڑاتا ہوا اپنے بندرگاہوں میں واپس آگیا۔[1]

[1] ابن اثیر ج ۳ ص ۹۱

متفرق فتوحات

قبرس، طرابلس اور طبرستان کے علاوہ حضرت عثمانؓ کے عہد میں بعض سے دوسرے فتوحات بھی ہوئے، چنانچہ ۲۵ھ میں حبیب بن مسلمہ فہری نے آرمینیہ کو فتح کر کے اسلامی ممالک محروسہ میں شامل کر لیا۔

اسی طرح ۲۶ھ میں امیر معاویہؓ نے تنگنائے قسطنطنیہ تک اپنے فتوحات کا دائرہ وسیع کر دیا، ۳۲ھ میں عبداللہ بن عامر نے مرو رود، طالقان، فاریاب اور جوزجان کو فتح کیا، ۳۳ھ میں امیر معاویہؓ نے ارض روم میں حصن المرأۃ پر حملہ کیا، نیز اسی سال اہل خراسان نے بغاوت کی اس لیے عبداللہ بن عامر والی بصرہ نے احنف بن قیس کو بھیج کر اس کو فرو کر دیا، اسی طرح ۳۳ھ میں اہل طرابلس نے نقض امن کیا اور عبداللہ بن ابی سرح نے ایک لشکر جرار کے ساتھ چڑھائی کر کے دوبارہ ملک میں امن و امان قائم کر دیا۔

# انقلاب کی کوشش
## اور
# حضرت عثمانؓ کی شہادت

حضرت عثمانؓ کے دوازدہ سالہ خلافت میں ابتدائی چھ سال کامل امن و امان سے گذرے، فتوحات کی وسعت، مال غنیمت کی فراوانی، وظائف کی بیشی، زراعت اور تجارت کی ترقی اور حکومت کے عمدہ نظم و نسق نے تمام ملک میں تجمل اور تعیش و تنعم[1] کو عام کر دیا، یہاں تک کہ بعض متقشف صحابہ ایام نبوت کی سادگی اور بے تکلفی کو یاد کر کے اس زمانہ کی ثروت اور سامان تعیش کو دیکھ کر صد درجہ مغموم ہوتے تھے، کعب مسلمانوں کے

[1] ابن اثیر جلد ۳ صفحہ ۹۱

اس دنیاوی رشک وحسد کا دور آگیا جسکی آنحضرت صلعم نے پیشین گوئی فرمائی تھی چنانچہ
حضرت ابوذر غفاریؓ جن کو آنحضرت نے مسیح و اسلام کا خطاب دیا تھا علانیہ اسکے خلاف وعظ کہتے
اور فرماتے تھے کہ ضرورت سے زیادہ دولت جمع کرنا ایک مسلمان کیلئے ناجائز ہے، شام کا
ملک جسکے حاکم امیر معاویہ تھے، اور جو صدیوں تک رومی تعیش و تکلفات کا گہوارہ رہ چکا
تھا وہاں کے مسلمانوں میں سب سے زیادہ یہ برائیاں پیدا ہو رہی تھیں حضرت ابوذرؓ برملا
ان امرا و دولتمندوں سے برسر پیکار رہتے تھے اور امیر معاویہؓ کی استدعا پر حضرت عثمانؓ نے
ان کو مدینہ بلوالیا، مگر مدینہ بھی وہ اگلا مدینہ نہیں رہا تھا، شہر کے باہر لوگوں کے بڑے بڑے
محل اور قصر تیار ہو چکے تھے، اس لئے وہ یہاں سے بھی بیزار ہو کر ربذہ نام ایک گاؤں میں جاکر اقامت گزین ہوگئے
حضرت عثمانؓ کے پچھلے زمانہ میں جو فتنہ و فساد برپا ہوا اسکی وجہ درحقیقت یہی تھی
کہ دولتمندی اور تمول کی کثرت نے مسلمانوں میں اُس کے وہ لوازم بھی پیدا کر دیے جو ہر
قوم میں ایسی حالت میں پیدا ہو جاتے ہیں، اور جو اُس کے ضعف اور انحطاط کے اسباب
بن جاتے ہیں، اسی لیے آنحضرت صلعم نے مسلمانوں سے فرمایا کہ تھا کہ ما اخاف علیکم الفقر
بل اخاف علیکم الدنیا، مجھے تمہارے فقر و فاقہ سے کوئی خوف نہیں ہے بلکہ تمہاری
دنیاوی دولتمندی ہی کے خطرات سے ڈرتا ہوں، تمول اور دولت کی کثرت کا لازمی
نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ کل قوم کے فوائد کے مقابلہ میں ہر جماعت اور ہر شخص اپنے جماعتی
اور شخصی فوائد کو ترجیح دینے لگتا ہے، اس طرح قومی وحدت کا شیرازہ بکھر جاتا ہے، باہم بغض
و عناد پیدا ہو جاتا ہے، اور انحطاط کا دور شروع ہو جاتا ہے،

لیکن اس کے علاوہ اس فتنہ و فساد کی پیدائش کے اور بھی وجوہ تھے،
ان میں سب سے پہلی وجہ یہ ہے کہ صحابہ کرام کی وہ نسل جو فیض نبوت سے براہ راست

ستہ نہیں ہوئی تھی ختم ہو چلی تھی جو موجود تھے وہ اپنی کبر سنی کے سبب سے گوشہ نشین
ہو بیٹھے تھے اور اب اُن کی اولاد موروثی حیثیت سے اُن کی جگہ لے رہی تھی یہ نوجوان
زہد و اتقا عدل و انصاف حق پسندی اور راستبازی میں اپنے بزرگوں سے کمتر تھے
اس بنا پر عام اکثریت ایسے نوخیز حضرات ثابت نہ ہوئے جیسے اُن کے اسلاف تھے

(۲) حضرت ابوبکرؓ کے مشورہ اور مسلمانوں کی پسندیدگی سے امامت خلافت کیلیے
قریش کا خاندان مخصوص کر دیا گیا۔ بڑے بڑے صحابی بھی زیادہ تر انہیں کو سمجھتے تھے
نوجوان قریش اسکو اپنا موروثی حق سمجھکر دوسرے عرب قبیلوں کو اپنا محکوم سمجھنے لگے عام
عرب قبائل کا دعوی تھا کہ ملک کی فتوحات ہماری تلواروں کی کمائی ہے اس لیے
خلافت میں منصب اعلیٰ عہدوں میں بھی قریش اور غیر قریش میں مساوات چاہیے

(۳) اس وقت ایران سے لیکر افریقہ تک اسلام کے زیر نگین تھا جس میں بکثرت ایسی
قومیں آباد تھیں جو محکوم و مفتوح ہو چکی تھیں۔ ان کو کسی طرح سے بھلے انتقام کی
صورت نہ دیکھکر سازشوں کا جال پھیلایا جن میں سب سے آگے یہ یہودی تھے

(۴) حضرت عثمانؓ غنی فطرۃً نیک ذی مروت اور نرم تھے عمال لوگوں سے سختی کا
برتاؤ نہیں کرتے تھے اکثر جرم کو برداشت اور غلطیوں سے ٹال جاتے تھے اس سے شریروں کی
ہمت زیادہ ہوئی

(۵) حضرت عثمانؓ اموی تھے اور اس لیے فطرۃً اُن کے جذبات اپنے
اہل خاندان کے ساتھ خیر خواہانہ تھے اس لیے ان کو فائدہ پہنچانا چاہتے تھے اور ذاتی
طور سے امداد فرمایا کرتے تھے۔ شریر لوگ اسکو دوسرے رنگ میں پھیلاتے تھے کہ حضرت عثمانؓ
سرکاری بیت المال سے اُن کو دیتے ہیں۔

(۲) ہر امام کے لیے ضرورت ہے کہ اس کے کارکن اور عمال اُس کے مطیع اور فرمان بردار ہوں، اسلام کی دوسری نسل جو اب پہلی نسل کی جگہ لے رہی تھی امین امام وقت کی اطاعت کا وہ مذہبی جذبہ نہ تھا جو اول الذکر میں موجود تھا ایسی حالت میں خاندانی عصبیت سے کام لینا پڑا اور بنو امیہ کے افراد میں سے فوج اور خراج کے افسر زیادہ لیے گئے، تاکہ حکومت کے نظم و نسق، ورکار روبار میں فرق نہ آنے پائے۔

(۳) مختلف محکوم قوموں کے شورش پسند اشخاص انقلاب کے اس لیے خواہاں تھے کہ شاید اس سے اُن کی حالت میں کوئی فرق پیدا ہو۔

(۴) غیر قوم کے جو لوگ مسلمان ہو گئے تھے یا مسلمانوں نے غیر قوموں کی لڑکیوں سے جو شادیاں کر لی تھیں یا وہ ذمہ ان ہی تھیں ان کی اولاد میں بہت کچھ فتنہ کا باعث ہیں۔

الغرض اس فتنہ و فساد کے یہ حقیقی اسباب تھے جنکی بنا پر ملک کے مختلف حصوں میں مختلف وجوہ سے ناراضی پیدا ہو رہی تھی ان مختلف الخیال جماعتوں کے اغراض اور مقاصد پر ایک نظر ڈال لو۔

۱۔ بنو ہاشم بنو امیہ کے عروج و ترقی کو پسند نہیں کرتے تھے اور خلافت کے مناصب اور عہدوں کا سب سے زیادہ اپنے کو حق جانتے تھے۔

۲۔ عام عرب قبائل مناصب اور عہدوں اور جاگیروں کے استحقاق میں اپنے کو قریشیوں سے کم نہیں سمجھتے تھے اس لیے وہ قریشی افسروں کے غرور و تمکنت کو توڑنا اور اپنا جائز استحقاق اور مساوات حاصل کرنا چاہتے تھے۔

۳۔ مجوسی چاہتے تھے کہ حکومت اپنے خاندان میں منتقل ہو جو اُن کی مدد سے

اُنکو حاصل کریں تاکہ وہ اس سے بہتر سے بہتر حقوق اور مراعات حاصل کر سکیں اور عام مسلمانوں کے مقابلہ میں اُن کا استحقاق کم نہ قرار پائے۔

۲- یہودی چاہتے تھے کہ اسلام کے مذہب میں ایسا افتراق پیدا کر دیا جائے کہ یہ قوت پاش پاش ہو جائے۔

یہ اغراض مختلف تھیں اور ہر جماعت اپنی غرض کیلئے کوشش میں مصروف تھی اس کے لیے خفیہ ریشہ دوانیاں شروع ہوئیں عمال کے خلاف سازشیں ہونے لگیں اور امیر المومنین کو بدنام کرنے کی کوشش شروع ہوئی حضرت عثمانؓ نے ان فتنوں کو دبانا چاہا لیکن یہ آگ ایسی لگی تھی جس کا بجھانا آسان نہ تھا۔ فتنہ پردازوں کا دائرہ عمل روز بروز وسیع ہوتا گیا یہاں تک کہ تمام ملک میں ایک خفیہ جماعت پیدا ہو گئی جس کا مقصد فتنہ برپا کرنا تھا۔

کوفہ کی انقلاب پسند جماعت میں اشتر نخعی، ابن ذی الحبکہ، جندب، صعصعہ، ابن الکواء، کمیل، اور عمیر بن ضابی خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ ان لوگوں کا خیال تھا کہ امارت و ریاست قریش کی مخصوص وراثت ہونے کی کوئی وجہ نہیں ہے، عام مسلمانوں نے جو ممالک فتح کیے ہیں وہ سب اس کے مستحق ہیں سعید بن عاص والی کوفہ سے اس جماعت کو خاص طور پر عداوت تھی، اُن کو بدنام کرنے کے لیے روز ایک نئی تدبیر اختراع کی جاتی تھی اور قریش کے خلاف ملک کو تیار کرنے کے لیے طرح طرح کے وسائل کام میں لائے جاتے تھے اشراف کوفہ نے ان مفسدہ پردازیوں سے تنگ آ کر امیر المومنین سے التجا کی کہ ان کے لیے جلد ان فتنہ جوئیوں سے کوفہ کو نجات دیجیے حضرت عثمانؓ نے تقریباً

---

ابن اثیر جلد ۳ صفحہ [illegible]

ان آدمیوں کو جو اس جماعت کے سرگروہ تھے ملک شام کی طرف جلاوطن کر دیا[1]
بصرہ میں بھی ایک فتنہ پرداز جماعت پیدا ہو گئی تھی حضرت عثمانؓ نے یہاں سے
بھی کچھ آدمیوں کو ملک بدر کرا دیا لیکن فتنہ کی آگ اس حد تک بھڑک چکی تھی کہ پھول
پھیلنے سے نہ بجھ سکی بلکہ یہ انتقال مکانی اور بھی ان خیالات کی اشاعت کے اسباب
بن گئے۔

مصر سازش کا سب سے بڑا مرکز تھا عبداللہ بن سبا نے جو یہودی الاصل
نومسلم تھا اپنی حیرت انگیز سازشانہ قوت عمل سے مختلف الخیال مفسدوں کو ایک مرکز پر
متحد کر دیا اور اس کو زیادہ موثر کرنے کے لیے اس نے مذہب میں وسعت طرازی کے
عجیب و غریب عقائد اختراع کیے اور خفیہ طور پر ملک میں ان کی اشاعت کی موجودہ
شیعی فرقہ اصل انہیں عقائد پر قائم ہے۔

مفسدوں کی جماعت تمام ملک میں پھیلی ہوئی تھی لیکن جیسا کہ اوپر گذر چکا ہے
ہر ایک کا مطمح نظر مختلف تھا پھر آئندہ خلیفہ کے انتخاب میں بھی ہر ایک کی نظر الگ الگ
شخصیتوں پر تھی اہل مصر حضرت علیؓ کے عقیدت کیش تھے اہل بصرہ حضرت طلحہؓ کے طرفدار
تھے اہل کوفہ حضرت زبیرؓ کو پسند کرتے تھے اور بعض اہل عراق تو تمام قریش سے عداوت
رکھتے تھے اور بعض سرے سے عرب ہی کے دشمن تھے لیکن امیر المومنین حضرت عثمانؓ
کی معزولی اور خونریزی کی تجویز پر سب باہم متفق تھے عبداللہ بن سبا نے حکمت عملی کے
ساتھ تمام اختلافات سے قطع نظر کر کے صرف اسی ایک مقصد پر سب کو متحد کر دیا اور
تمام ملک میں اپنے داعی اور سفیر پھیلا دیے کہ ہر طرف فتنہ کی آگ بھڑکا کر بدامنی پیدا

[1] ابن اثیر جلد ۳ صفحہ ۱۳۳

لوین اور مقصد برآری کیلئے حسب ذیل طریقون کو طرز عمل بنانے کی خاص طور پر ہدایت کی:

(۱) بظاہر متقی و پرہیزگار رہنا اور لوگون کو وعظ و پند سے اپنا معتقد بنانا۔

(۲) عمال کو دق کرنا اور ہر ممکن طریقے سے اُن کو بدنام کرنے کی کوشش کرنا۔

(۳) ہر جگہ امیرالمومنین کی کنبہ پروری اور نا انصافی کی داستان سنانا۔

مذکورہ بالا طریقون پر نہایت مستعدی کے ساتھ عمل کیا گیا ولید بن عقبہ والی کوفہ پر شراب خواری کا الزام قائم کیا گیا اور حد بھی جاری کی گئی لیکن درحقیقت یہ ایک بہت بڑی سازش تھی اسی طرح حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ والی بصرہ کی معزولی بھی انھیں ریشہ دوانیون کا نتیجہ تھی:

سنہ ھ میں ملک قیصر روم نے پانچ سو جنگی جہازون سے عظیم الشان بیڑے سے اسلامی سواحل پر حملہ کر کے مسلمانون کو خوف و ہراس میں مبتلا کر دیا تھا اس وقت بھی یہ انقلاب پسند اپنے مساعی سے باز نہیں آئے محمد بن ابی حذیفہ اور محمد بن ابی بکر جو حضرت عثمان کے دام تزویر میں پھنس چکے تھے عبداللہ بن سعد بن ابی سرح کو جو اسلامی بیڑے کے امیر البحر مقرر ہوئے تھے ہر طرح دق کیا، نمازون میں بے موقع تکبیرین بلند کر کے برہمی پیدا کرتے، عبداللہ بن سعد کی علانیہ مذمت کرتے، اور مجاہدین سے کہتے کہ تم رومیون کے مقابلہ میں جہاد کرنے جاتے ہو حالانکہ اسلام کو خود مدینہ میں مجاہدین کی ضرورت ہے، لوگ تعجب سے پوچھتے کہ مدینہ میں کیا ضرورت ہے تو وہ حضرت عثمانؓ کا نام لیتے اور کہتے کہ اس ظالم امیر کو معزول کرنا اسلام کی سب سے بڑی خدمت ہے، اُس نے سنت شیخین کو چھوڑ دیا ہے کبار صحابہ کو معزول کر کے اپنے اعزہ و اقارب

سیاہ و سپید کا مالک بنا دیا ہے" غرض ہر قسم کی فریب کاریوں سے لوگوں کو متنفر
کرنے کی کوشش کی گئی۔ مسلمانوں کا بیڑا رومیوں کے مقابلہ کے لیے روانہ ہوا تو محمد
بن ابی حذیفہ اور محمد بن ابی بکر نے ایک کشتی پر سوار ہو کر چند قبطی ملاحوں کی اعانت سے
بیڑے کا تعاقب کیا اور جہاں جہاں جہاز لنگر انداز ہوتے وہ اپنی کشتی کو قریب لیجا کر اپنے
خیالات کی اشاعت کرتے گئے۔ چونکہ رومی بیڑے کو شکست دیکر مظفر و منصور واپس
آئے تو چند آدمیوں نے محمد بن ابی بکر اور محمد بن ابی حذیفہ کو جہاد سے پہلو تہی کرنے پر
ملامت کی، انھوں نے کہا کہ ہم اس جہاد میں کس طرح حصہ لے سکتے ہیں جس کا انتظام
عثمان رض کے ایماء سے ہوا اور عبد اللہ بن سعد امیر البحر مقرر ہوا۔ اسکے بعد سب سے پہلے حضرت عثمان رض کے عمال
اور والیوں کی طویل داستان شروع کر دی۔ عبداللہ بن سعد نے دیکھا کہ یہ دونوں
کسی طرح اپنی حرکتوں سے باز نہیں آتے اور ان کے مسموم خیالات آہستہ آہستہ اثر
پھیلا رہے ہیں تو نہایت سختی سے ان کو منع کیا اور کہا کہ خدا کی قسم اگر امیر المومنین کا خیال
نہ ہوتا تو تمہیں اس مفسدہ پردازی کا مزہ چکھا دیتا۔

مدینہ بھی مفسدین سے خالی نہ تھا لیکن کبار صحابہ حضرت عثمان رض کے ساتھ تھے اس لیے
مدینہ پر اس جماعت کا کوئی اثر نہ تھا، البتہ آخر عہد یعنی ۳۵ھ میں جس سال حضرت عثمان رض
شہید ہوئے مفسدین مدینہ نے بیرونی مفسدین کی اعانت سے اپنی سرگرمی کا ثبوت دیا اور
اس قدر بیباک ہو گئے کہ خود امیر المومنین پر بھی دست تعدی دراز کرنے سے نہیں جھجکتے تھے
ایک دفعہ جمعہ کے روز حضرت عثمان رض منبر پر خطبہ دے رہے تھے اور ابھی حمد و ثنا ہی شروع
کی تھی کہ ایک شخص نے کھڑے ہو کر کہا "عثمان! کتاب اللہ کو اپنا طرز عمل بنا" لیکن صبر و تحمل کے

۱ ابن اثیر صفحہ ۶۹۔ ۶۲

اس پر اُس نے نرمی سے کہا بیٹھ جاؤ۔ دوسری مرتبہ پھر کھڑے ہو کر اُس نے اسی بات کا اعادہ کیا۔ حضرت عثمانؓ نے پھر بیٹھنے کو کہا۔ غرض تین دفعہ اس نے اسی طرح خطبہ کے درمیان بد تمیزی کی اور ہر بار اُس کے جواب میں نرمی سے بیٹھنے کو کہا گیا۔ لیکن یہ پوری سازش ہو چکی تھی۔ ہر طرف سے مفسدین نے یورش کر لیا اور اس قدر سنگریزوں اور پتھروں کی بارش کی کہ نائب رسولؐ زخموں سے چور چور ہو کر منبر سے فرش خاک پر گر پڑا۔ مگر صبر و تحمل کا یہ عالم تھا کہ اس بے ادبی پر بھی جذبۂ غیظ و غضب کو ہیجان نہ ہوا۔

غرض تمام دنیائے اسلام بلکہ خوب تھی۔ ہر طرف مفسدہ پردازی اور فتنہ سازی کا بازار گرم تھا۔ مفسدین نے خفیہ ریشہ دوانیوں سے ایک عظیم الشان انقلاب کا سامان بہم پہونچا لیا تھا۔ اور افترا پردازیوں اور کذب بیانیوں سے اسطرح حضرت عثمانؓ کو بدنام کرنے کی کوشش کی گئی تھی۔

اس طویل مدت کے بعد اس زمانہ میں بھی بہت سے تعلیم یافتہ حضرات بھی واقعات کی حقیقت تک پہونچنے کی کوشش نہیں کرتے انھیں غلط بیانیوں اور فریب کاریوں سے متاثر نظر آتے ہیں اس لیے ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ اس موقع پر تمام اعتراضات کو فہرست وار کرکے اصل حقیقت کو بے نقاب کر دیں۔

اسوقت تک حضرت عثمانؓ پر جسقدر اعتراضات کئے گئے ہیں اُن کی تفصیل یہ ہے۔

(۱) کبار صحابہ مثلاً حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ، مغیرہ بن شعبہؓ، عمرو بن عاصؓ، عمارؓ بن یاسرؓ، عبداللہ بن مسعودؓ اور عبداللہ بن ارقمؓ کو معزول کرکے خاص اپنے کنبہ کے نااہل اور ناتجربہ کار افراد کو مامور کیا۔

---

سلہ ابن اثیر جلد ۳ صفحہ ۱۲۰

(۲) بیت المال میں بیجا تصرف کیا اور مسرفانہ طریقے پر اپنے اعزہ و اقارب کے

ساتھ سخاوت کا اظہار کیا، مثلاً حکم بن العاص جسکو رسول اللہ صلعم نے طائف میں جلاوطن

کر دیا تھا اسکو مدینہ آنے کی اجازت دی اور بیت المال سے ایک لاکھ درہم عطا کیا اور

اُنکے لڑکے حارث کو اختیار دیا کہ بازار میں جو فروخت ہو اس کی قیمت سے اپنے لیے

عشر وصول کرے، مروان کو افریقہ کے مال غنیمت کا خمس دیا گیا، اسیطرح عبد اللہ بن خالد کو

تین لاکھ درہم کا گرانبہا عطیہ مرحمت کیا، اور خود اپنی صاحبزادیوں کو بیت المال سے کے

قیمتی جواہرات عنایت فرمائے حالانکہ فاروق اعظم نے نہایت شدت کے ساتھ اس قسم کے

تصرفات سے احتراز کیا تھا، یہاں تک کہ ایک دفعہ اُن کے ایک صاحبزادہ نے مال غنیمت

میں سے ایک انگوٹھی اُٹھالی تو اس سے چھین کر بیت المال میں داخل کر دیا، اسکے علاوہ

اپنے لیے ایک عظیم الشان محل تعمیر کرایا اور مصارف کا تمام بار بیت المال پر ڈالا، عبد اللہ

بن ارقم اور معیقیب خازنان بیت المال نے اس اسراف پر اعتراض کیا تو اُن کو معزول

کرکے زید بن ثابت کو یہ عہدہ تفویض کیا گیا،

ایک دفعہ بیت المال میں وظائف تقسیم ہونے کے بعد ایک لاکھ درہم پس انداز

ہوئے حضرت عثمان نے بوجہ زید بن ثابت کو اس گرانقدر رقم کے لینے کی اجازت دی

(۳) عبد اللہ بن مسعودؓ اور ابی بن کعب کے روزینے بند کر دیئے،

(۴) مدینہ کے اطراف میں بقیع کو سرکاری چراگاہ قرار دیا اور عوام کو اس سے مستفید

ہونے سے روک دیا،

(۵) مدینہ کے بازار میں بعض اشیاء کی خرید و فروخت اپنے لیے مخصوص کرلی اور

حکم دیا کہ کھجور کی گٹھلیاں امیر المومنین کے ایجنٹ کے سوا کوئی دوسرا نہیں خرید سکتا،

کرنے کا الزام ایک حد تک قابل غور ہے۔ اس میں شک نہیں کہ شیخین نہایت محتاط تھے
اور ہر ایک شک و شبہ کے موقع سے بچتے تھے یہی وجہ ہے کہ وہ خلافت کے معاملات میں
اپنے اعزہ و اقارب کے لیے ہمیشہ کوتاہ دست رہے لیکن حضرت عثمانؓ ایک سادہ طبع
اور نیک نفس بزرگ تھے مزاج میں استقامت بھی نہ تھی نیز اپنے اختیارات سے اپنے
اہل قرابت کو فائدہ پہونچانا صلۂ رحم جانتے تھے۔ ایک دفعہ جب لوگوں نے اس طرز عمل کی
علانیہ شکایتیں کیں تو حضرت عثمانؓ نے صحابہ کو جمع کیا اور خدا کا واسطہ دیکر پوچھا کہ کیا
رسول اللہ صلعم قریش کو تمام اہل عرب پر ترجیح نہیں دیتے تھے۔ اور کیا قریش میں سے
بنو ہاشم کا سب سے زیادہ خیال نہیں رکھتے تھے سب لوگ خاموش رہے تو ارشاد فرمایا کہ اگر
میرے ہاتھ میں جنت کی کنجی ہوتی تو تمام بنو امیہ کو اس میں چھوڑ دیتا[1] بہرکیف یہ امر تو
ایک اجتہادی سا حق ہے ممکن ہے کہ عام لوگ اس سے متفق نہ ہوں لیکن اس سے حضرت
عثمانؓ کے فضل و کمال کا دامن داغدار نہیں ہو سکتا۔

دوسرا الزام بیت المال میں اسراف و تصرف کا ہے لیکن ثبوت میں جن واقعات سے
کام لیا گیا ہے وہ یا تو سرتا پا غلط ہیں یا رنگ آمیزی کرکے ان کی صورت بدل دی گئی ہے
ہم ذیل میں تفصیل کے ساتھ ہر ایک واقعہ کو اس کی اصلی صورت میں دکھاتے ہیں جس سے
اندازہ ہوگا کہ مفسدین نے کس طرح واقعات کی صورت کو مسخ کرکے حضرت عثمانؓ کو بدنام
کرنے کی کوشش کی تھی۔

تحقیق واقعات سے قطع نظر کرکے ہم کو یہ دیکھنا چاہیے کہ ذاتی طور پر حضرت عثمانؓ
کی مالی حالت کیسی تھی؟ تاکہ اندازہ ہوسکے کہ وہ اپنی ذاتی دولت سے اس قسم کی

[1] ابن سعد جلد ۳ قسم اول تذکرہ عثمانؓ و ابن حنبل جلد اول صفحہ ۶۲۔

فیاضی اور جود و کرم برتا کرتے تھے یا نہیں؟

عام طور پر تاریخوں سے ثابت ہے کہ حضرت عثمانؓ صحابہ کرام میں سب سے زیادہ دولتمند اور متمول تھے [illegible] بیر رومہ کی خریداری پر صرف کیے، ایک بیش قرار رقم سے مسجد نبوی کی توسیع کی اور ہزاروں روپیے سے جیش عسرہ کو آراستہ کیا، اب سوال یہ ہے کہ عام طور پر جو خاندان جسکے جود و سخا کا یہ حال ہو وہ اپنی دولت سے ذوی القربیٰ کے ساتھ کچھ صلۂ رحم نہیں کرسکتا تھا؟

حضرت عثمانؓ نے ایک موقع پر حسب ذیل تصریحات کے ساتھ اس الزام کو دفع کیا تھا۔

وقالوا انی احب اهل بیتی و اعطیهم فاما حبی فانه لم یمل معهم علی جور بل احمل الحقوق علیهم واما اعطاؤهم فانی انما اعطیهم من مالی ولا استحل اموال المسلمین لنفسی ولا لاحد من الناس ولقد کنت اعطی العطیة الکبیرة الرغیبة من صلب مالی ازمان رسول اللہ ﷺ وابی بکر وعمر رضی اللہ عنهما وانا یومئذ شحیح حریص افحین اتیت علی اسنان اهل بیتی وفنی عمری وودعت الذی لی فی اهلی قال الملحدون ما قالوا

لوگ کہتے ہیں کہ میں اپنے خاندان والوں سے محبت رکھتا ہوں اور ان کے ساتھ فیاضی کرتا ہوں لیکن میری محبت نے ظلم کی طرف مائل نہیں کیا بلکہ میں صرف ان کے واجبی حقوق ادا کرتا ہوں اسی طرح فیاضی بھی اپنے ہی مال تک محدود ہے مسلمانوں کا مال میں اپنے لیے حلال سمجھتا ہوں نہ کسی دوسرے کیلئے میں رسول اللہؐ اور ابوبکرؓ و عمرؓ کے عہد میں بھی اپنے مال سے گرانقدر عطیے دیا کرتا تھا حالانکہ میں اس زمانہ میں بخیل و حریص تھا اور اب جبکہ میں اپنی خاندانی عمر کو پہنچ چکا ہوں، زندگی ختم ہو چکی ہے اور اپنا تمام سرمایہ اپنے اہل و عیال کے سپرد کر دیا ہے تو ملحدین

جہیز میں ایک لاکھ درہم کا عطیہ مرحمت کیا، یہ ہے اصل واقعہ جسکو مفسدین نے رنگ آمیزی کرکے کچھ سے کچھ کردیا۔

طرابلس کے مال غنیمت سے مروان کو خمس لانے کا واقعہ سراسر بہتان ہے اس کی صحیح کیفیت یہ ہے کہ مروان نے اسکو خرید لیا تھا۔

چنانچہ مورخ ابن خلدون لکھتا ہے:

| | |
|---|---|
| وارسل ابن الزبير بالفتح والخمس فاشتراه | عبداللہ ابن زبیر نے فتح کی خوشخبری اور پانچواں حصہ |
| مروان بن الحكم بخمسمائة الف دينار | دارالخلافہ روانہ کیا جسکو پانچ لاکھ دینار پر مروان نے خرید لیا |
| وبعض الناس يقول اعطاه اياه | بعض لوگ جو یہ کہتے ہیں کہ مروان کو دیدیا گیا یہ صحیح |
| ولا يصح وانما اعطى ابن ابي سرح | نہیں ہے بلکہ پہلے معرکہ کے مال غنیمت کے خمس کا |
| خمس الخمس من الغزوة الاولى[1] | خمس ابن ابی سرح کو دیا تھا |

اب یہ اعتراض رہ جاتا ہے کہ کسی غزوہ کے مال غنیمت کا کوئی حصہ ابن ابی سرح کو دینے کا کیا حق تھا لیکن واقعہ یہ ہے کہ طرابلس کی جنگ سے قبل حضرت عثمان رضی نے ابن ابی سرح سے وعدہ کیا تھا کہ اگر تم اس معرکہ میں کامیاب ہوئے تو مال غنیمت کے پانچویں حصہ کا پانچواں حصہ تم کو دیا جائیگا، چنانچہ فتح کے بعد حسب وعدہ ان کو دیدیا، اس سے عام مسلمانوں کو شکایت پیدا ہوئی اور انہوں نے حضرت عثمان رضی سے آکر شکایت کی تو انہوں نے اسکو واپس لے لیا، طبری کے یہ الفاظ ہیں:

| | |
|---|---|
| فان رضيتم فقد جاز وان سخطتم فهو رد | حضرت عثمان رضی نے کہا کہ اگر تم لوگ اس پر راضی ہو |
| قالوا انا نسخطه قال فهو رد وكتب | تو ان کا ہو چکا اور اگر تمہاری مرضی کے خلاف ہے تو |

[1] ابن خلدون جلد ۲ ص ۲۴۹

الیٰ عبد اللہ بن مسعود ذالک[1] — واپس دے لوگوں نے کہا ہم راضی نہیں ہیں تو آپ

واپس کردو اور عبداللہ کو واپس کرنیکا حکم لکھ دیا۔

عبداللہ بن خالد کو تین لاکھ کا عطیہ مرحمت فرمایا گیا لیکن اس کی نسبت خود حضرت
عثمانؓ نے مصری معترضین سے فرمایا تھا کہ میں نے بیت المال سے یہ رقم بصورت
قرض لی ہے۔

حارث بن حکم کو بازار مدینہ سے عشر وصول کرنے کا اختیار دینا محض خلاف عقل اور
بالکل بے بنیاد ہے۔ اسی طرح اپنی صاحبزادیوں کو ہیرے جواہرات دینے کا قصہ صرف
ابن اسحاق نے ابوموسیٰ اشعری سے روایت کیا ہے اور چونکہ درمیانی راوی مجہول ہے،
اس لیے قابل استناد نہیں۔

بیت المال کے مصرف سے اپنے لیے محل تعمیر کرانے کا قصہ محض کذب صریح ہے جو
فیاض طبع اپنے ابر کرم سے دوسروں کو سیراب کرتا ہو اور جو اپنا مقررہ وظیفہ بھی بیت المال
سے لینا پسند نہ کرتا ہو، وہ اپنے لیے عام مسلمانوں کا خزانہ لٹانا کس طرح گوارا کرتا۔

زید بن ثابتؓ کو بیت المال کو ایک لاکھ درہم دینے کی روایت بالکل بے بنیاد ہے
اصل واقعہ یہ ہے کہ ایک دفعہ بیت المال میں اخراجات کے بعد ایک معقول رقم بچ رہی
ہوئی حضرت عثمانؓ نے زید بن ثابتؓ کو حکم دیا کہ مسلمانوں کی رفاہ عام کے کام پر صرف کردیں
چنانچہ انھوں نے اس کو مسجد کی توسیع اور تعمیر میں صرف کر دیا۔ انشاء اللہ اس کی تفصیل بیان
تعمیرات کے سلسلہ میں آئیگا۔

(۳) حضرت عبداللہ بن مسعودؓ و حضرت ابی ذرؓ کے وظائف کا بند کرنا کوئی قابل اعتراض

---

[1] طبری صفحہ ۳۰۰۰۔

انھیں سے امام وقت کو سیاسی وجوہ کی بنا پر اس قسم کے اختیارات حاصل ہیں،
حضرت عثمانؓ کو ان دونوں بزرگوں کی طرف سے کچھ غلط فہمی پیدا ہوگئی تھی اس لیے
انھوں نے کچھ دنوں کیلئے وظیفہ روک دیا تھا چنانچہ جب حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے
وفات پائی تو عثمانؓ نے انصاف سے کام لیکر جس قدر وظیفہ بیت المال کے ذمہ باقی تھا جو
تخمیناً بیس پچیس ہزار تھا ان کے ورثہ کے حوالہ کر دیا۔[1]

(۴) چوتھا اعتراض بالکل بے معنی ہے، فوجی گھوڑوں اور زکوٰۃ کے اونٹوں کیلئے
چراگاہیں بنوانا خلیفہ وقت کا منصبی فرض ہے خود رسول اللہ نے مقام نقیع کو چراگاہ قرار دیا
تھا حضرت عمرؓ نے تمام ملک میں وسیع چراگاہیں تیار کرائی تھیں عہد عثمانیؓ میں ان دونوں
گھوڑوں اور اونٹوں کی تعداد میں غیر معمولی اضافہ ہوگیا۔ یہاں تک کہ صرف ایک چراگاہ میں
چالیس ہزار اونٹ پرورش پاتے تھے اس لیے سرکاری چراگاہوں کا وسیع پیمانہ پر انتظام
کرنا ضروری تھا اور چونکہ یہ تمام چراگاہیں سرکاری خرچ سے تیار ہوئی تھیں اس لیے عوام
کو اس سے مستفید ہونے کا کوئی حق نہ تھا۔

البتہ اگر الزام کی یہ صورت ہو کہ حضرت عثمانؓ نے اپنے ذاتی گھوڑوں اور اونٹوں
کے لیے مقام نقیع کی چراگاہ کو مخصوص کر لیا تھا تو اس کے متعلق انھوں نے خود جن الفاظ میں
اپنی برات ظاہر کی ہے وہ اس بحث کے فیصلہ کے لیے کافی ہے:

| | |
|---|---|
| قالوا انی حمیت حمی وانی واللہ ما | لوگ کہتے ہیں کہ تو نے مخصوص چراگاہیں بنالی ہیں خدا کی |
| حمیت حمی قبلی واللہ ما حموا شیئاً | قسم مجھ سے پہلے ہی کو مخصوص چراگاہ قرار دیا گیا تھا پھر جو |
| لاحد الا ما غلب علیہ | مخصوص ہو چکی تھی وہ صرف اسی کو ان لوگوں سے بچانا |

[1] ابن سعد جزو سوم قسم اول ذکر عبداللہ بن مسعود سے لیکر بنا اضافہ دار المصنفین صفحہ ۱۱۲

حضرت عثمانؓ نے ان لوگوں کی راحت اور سہولت کے خیال سے ، اراضی نزول
ان کی یمن کی جائداد سے تبادلہ کر لیا تھا۔ مثلاً حضرت طلحہؓ کو ایک قطعہ زمین دیا تو اس کے
معاوضہ میں کندہ میں ان کی مملوکہ جائداد پر قبضہ کر لیا انتظامی حیثیت سے اس قسم کا
ردوبدل ناگزیر تھا۔

عراق میں بہت سی زمین غیر آباد پڑی ہوئی تھی جن لوگوں نے اس کو قابل زراعت
بنایا حضرت عثمانؓ نے من احیی ارضا میتة فھی له پر عمل کر کے ان کو اس کا مالک قرار دیدیا
ملک کو آباد اور قوم کو مرفہ الحال کرنے کے لیے اس قسم کی ترغیب وتحریص نہ صرف جائز
بلکہ ضروری ہے۔

(۲) اگر حضرت عثمانؓ نے اخلاقی یا سیاسی مصالح کی بنا پر کسی صحابی کی تادیب
کی تو اس سے انکی تذلیل نہیں ہوئی، حضرت عمرؓ نے ابی بن کعب پر کوڑا اٹھایا عیاض
بن غنم کا کرتہ اتروا کر بکریاں چرانے کو دیں اور سعد وقاصؓ کو درے مارے تو کسی نے
اسکو تذلیل پر محمول نہیں کیا۔

حضرت ابوذرؓ کو حضرت عثمانؓ نے جلاوطن نہیں کیا تھا بلکہ وہ خود تارک دنیا
ہو گئے تھے، چنانچہ جب حضرت عثمانؓ نے تحقیقات کے لیے طلب کیا اور حضرت ابوذرؓ
دربار خلافت میں حاضر ہوئے تو حضرت عثمانؓ نے پہلے فرمایا کہ آپ میرے پاس رہیئے
آپ کے اخراجات کا میں کفیل ہوں لیکن انھوں نے یہ کہکر انکار کر دیا کہ تمہاری دنیا کی
مجھکو ضرورت نہیں ہے۔

اسیطرح عبادہ بن صامتؓ کے ساتھ بھی کوئی واقعہ پیش نہیں آیا تھا بلکہ انکی جلاوطنی

---

۱؎ ابن سعد تذکرۂ ابوذرؓ

روایت کے برخلاف ایک مستند روایت موجود ہے کہ وہ حضرت عثمانؓ کے آخری عہد تک
ہشام بن تقسیم غنیمت کے عہدہ پر مامور تھے البتہ عمار بن یاسرؓ جندب بن جنادہؓ اور
عبداللہ بن مسعودؓ کے ساتھ کچھ زیادتیاں ہوئیں لیکن اس سے اُن کی تذلیل نہیں ہوئی۔
ایک مصحف کے سوا تمام مصاحف کے جلا دینے کا الزام صرف ان لوگوں کے
نزدیک قابلِ وقعت قرار پا سکتا ہے جن کے دل بصیرت سے اور آنکھیں بصارت سے
محروم ہیں۔ حضرت عثمانؓ نے خود کوئی صحیفہ ترتیب دے کر پیش نہیں کیا بلکہ تفرقہ کے ظہور سے
پہلے آنحضرت صلعم کی وفات کے بعد ہی حضرت ابوبکرؓ نے جو مصحف تیار کرایا تھا اُسی کی
نقلیں حضرت عثمانؓ نے مختلف امصار میں بھجوا دیں اور اسی کی تسلیم پر تمام امت کو
متفق کر دیا۔ یہ آپ کا وہ کارنامہ ہے جس کے بارِ احسان سے امتِ محمدیہ کبھی سبکدوش
نہیں ہو سکتی۔

(۹) اس میں شک نہیں ہے کہ حضرت عثمانؓ نہایت معتدل اور رقیق القلب تھے
لیکن شرعی حدود کے اجرا میں انہوں نے کبھی تساہل سے کام نہیں لیا۔ جن واقعات کی
بنا پر اُن کو اجرائے حدود میں تغافل شعار بنایا جاتا ہے اُن کی تفصیل یہ ہے۔

(۱) عبیداللہ بن عمرؓ سے ہرمزان کا قصاص نہیں لیا گیا۔

(۲) ولید بن عقبہ پر شراب خوری کی حد جاری کرنے میں غیر معمولی تاخیر ہوئی۔

ہرمزان کا واقعہ یہ ہے کہ جب فاروقِ اعظمؓ کو ابو لؤلؤ مجوسی نے شہید کیا تو عبیداللہ
بن عمرؓ نے غضبناک ہو کر قاتل کی لڑکی اور ہرمزان کو جو ایک نو مسلم ایرانی تھے قتل کر دیا کیونکہ
ان کے خیال میں یہ سب سازش میں شریک تھے۔ حضرت عثمانؓ نے مسندِ خلافت
پر قدم رکھنے سے پہلے یہی مقدمہ پیش ہوا۔ صحابہ سے اس کے متعلق رائے طلب کی

تو حضرت علیؓ نے عبید اللہ بن عمرؓ کو ہرمزان کے قصاص میں قتل کر دینے کا مشورہ دیا لیکن
مہاجرین نے کہا عمرؓ کل قتل کیے گئے اور ان کا لڑکا آج مارا جائیگا؟ عمرو بن عاصؓ نے
کہا امیر المومنین اگر آپ عبید اللہ کو معاف کر دیں گے تو یہ ہے کہ خدا آپ سے باز پرس
نہ کریگا، غرض اکثر صحابہ عبید اللہ کے قتل کر دینے کے خلاف تھے حضرت عثمانؓ نے فرمایا چونکہ
ہرمزان کا کوئی وارث نہیں ہے اس لیے بحیثیت امیر المومنین میں اس کا ولی ہوں
اور قتل کے بجائے دیت پر راضی ہوں اس کے بعد خود اپنے ذاتی مال سے دیت کی رقم ادا کی
حضرت عثمانؓ نے جس عمدگی کے ساتھ اس مقدمہ کا فیصلہ کیا ہے اس سے بہتر نہیں
ہو سکتا تھا کیونکہ عام طور سے کوئی ہرمزان کے قصاص میں عبید اللہ بن عمرؓ کے قتل کر دینے کو
اچھی نگاہ سے نہیں دیکھتا اور درحقیقت اس وقت فتنہ و فساد کی آگ مشتعل ہو جاتی
ولید بن عقبہ والی کوفہ نے بادہ نوشی کی تو حضرت عثمانؓ نے فوراً معزول کر دیا
لیکن حد کے اجراء میں اس وجہ سے تاخیر ہوئی کہ حضرت عثمانؓ کو گواہوں پر کامل اطمینان نہیں
تھا، جب کافی ثبوت بہم پہونچ گیا تو پھر حد کے اجراء میں پس و پیش نہیں کیا گیا۔
(۴) یہ خیال کہ حضرت عثمانؓ نے موثق روایات کو چھوڑ کر روایات شاذہ پر عمل
کیا قطعی غلط ہے، البتہ جزوی مسائل میں اختلافات ہیں اور یہ حضرت عثمانؓ کے ساتھ
مخصوص نہیں ہے بلکہ تمام صحابہ میں اس قسم کا اختلاف پایا جاتا ہے۔
(۵) مذہب میں اختراع و بدعات کا الزام نہایت ناشناسی ہے، اتباع سنت
حضرت عثمانؓ کا مخصوص خیال تھا منیٰ میں دو کے بجائے چار رکعت نماز ادا کرنا بھی دراصل
ایک نص شرعی پر مبنی تھا چنانچہ جب صحابہ نے سکوت پر محمول کر کے اپنی ناپسندیدگی

۱؎ ابن حجر جلد ۳ صفحہ ۵۵۰، ۲؎ فتح الباری جلد ۲ صفحہ ۲۴۸ و طبری ص ۲۸۴۶

کا الزام لگایا تو خود حضرت عثمانؓ نے ایک مجمع میں اپنے چار رکعت نماز پڑھنے کی حسب ذیل وجہ بیان کی۔

| | |
|---|---|
| یا ایھا الناس انی تاھلت بمکۃ منذ قدمت و انی سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول من تاھل فی بلد فلیصل صلوٰۃ المقیم[1] | صاحبو جب میں مکہ پہنچا تو یہاں اقامت کی نیت کر لی اور میں نے رسول اللہ صلعم کو فرماتے سنا ہے کہ جو کسی شہر میں اقامت کی نیت کرلے اسکو مقیم کی طرح نماز پڑھنا چاہیے۔ |

(۱۲) بارھواں الزام مصری وفد کے ساتھ بدعہدی کا ہے، چونکہ اس کی تفصیلی بحث حضرت عثمانؓ کی شہادت کے موقع میں آئے گی اس لیے اسکو یہاں نظر انداز کرتے ہیں۔

غرض یہی حقیقت ہے اُن تمام الزامات کی جنکی بنا پر سازش فتنہ پردازی اور انقلاب کی عمارت قائم کی گئی تھی اور اس حد تک مکمل ہو چکی تھی کہ اس کا انہدام تقریباً ناممکن ہوگیا تھا تاہم حضرت عثمانؓ نے شورش رفع کرنے کے لیے اصلاح اور رفع شکایت کی ایک آخری کوشش کا ارادہ کرلیا اور تمام عمال کو دار الخلافہ میں طلب کرکے اس کے متعلق ایک مجلس شوریٰ منعقد کی شرکائے مجلس میں امیر معاویہ، عبداللہ بن ابی سرح، سعید بن العاص اور عمرو بن العاصؓ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

**رفع فتنہ کی آخری کوشش**

حضرت عثمانؓ نے ایک مختصر تقریر کے بعد موجودہ شورش کے رفع کرنیکے متعلق ہر ایک سے رائے طلب کی، عبداللہ بن عامر نے کہا امیر المومنین! میرا خیال ہے کہ اس وقت کسی ملک پر فوج کشی کردی جائے تو لوگ جہاد میں مشغول ہو جائیں گے تو فتنہ و فساد کی آگ خود بخود سرد ہو جائیگی۔

[1] مسند ابن حنبل ج ۱ ص ۶۲۔

سعید بن العاص نے کہا: موجودہ شورش صرف ایک مخصوص جماعت کی وجہ سے ہے اس کے سرگروہ اگر قتل کر دیے جائیں تو مفسدین کا شیرازہ بکھر جائیگا اور ملک میں کامل امن وامان پیدا ہو جائیگا۔

امیر معاویہ نے کہا: ہر ایک عامل اپنے صوبہ میں امن وامان قائم رکھنے کا ذمہ لے میں ملک شام کا ضامن ہوں۔

عبداللہ بن سعد نے کہا: شورش پسند گروہ حریص وطماع ہے اس لیے مال وزر کا فیضان عام ان کو اس پسند بنا سکتا ہے۔

عمرو بن العاص نے کہا امیر المومنین! آپ کی بے اعتدالیوں نے لوگوں کو احتجاج حق پر آمادہ کیا ہے اس لیے اب صرف دو ہی صورتیں ہیں عدل وانصاف یا خلافت سے کنارہ کشی، اگر یہ دونوں ناپسند ہوں تو پھر جو چاہیے کیجئے۔ حضرت عثمانؓ نے تعجب سے عمرو بن العاص کی طرف دیکھا اور فرمایا افسوس کیا تم میری نسبت ایسی رائے رکھتے ہو؟ عمرو بن العاص خاموش رہے لیکن جب مجمع منتشر ہو گیا اور تنہا حضرت عثمانؓ رہ گئے تو کہا امیر المومنین! آپ مجھے بہت زیادہ محبوب ہیں مجمع عام میں میں نے جو رائے دی وہ صرف نمائشی تھی تاکہ مفسدین مجھے ہمخیال سمجھ کر اپنا رازدار بنائیں اور اس طرح آپ کو ان کے خیر وشر سے مطلع کرتا رہوں اگرچہ یہ جماعت رازدار بنانے خود دلنشین اور نہ قابل تعریف نہ تھا تاہم حضرت عثمانؓ خاموش ہو گئے۔

عمال کی مجلس شوریٰ نے اگرچہ بیش قیمت رائیں دیں لیکن ان سے اصل مرض کا ازالہ نہیں ہو سکتا تھا اس لیے اصلاح ملک کا کوئی مکمل دستور العمل تیار نہ ہو سکا۔ حضرت

سے ابن اثیر جلد ۳ صفحہ ۱۱۰

حضرت عثمانؓ نے تمام عمال کو واپس کر دیا[1] اور خود ایک عملی اسکیم سوچنے میں مصروف ہو گئے

مفسدین کوفہ کی شاجونی

پہلے گذر چکا ہے کہ مفسدین کوفہ سعید بن العاص سے خاص بغض و عناد رکھتے تھے چنانچہ جب وہ مجلس شوریٰ میں شریک ہونے کے لیے مدینہ گئے تو انھوں نے باہم عہد کیا کہ اب ان کے کوفہ واپس آنے میں بزور مزاحم ہوں گے، اس لیے جب سعید بن العاص مدینے سے کوفہ کی طرف روانہ ہوئے تو سب لوگ اور خصوصاً مفسدین نے شہر سے باہر نکل کر مقام جرعہ میں مزاحمت کی اور مدینہ واپس جانے پر مجبور کیا، حضرت عثمانؓ نے ان لوگوں کی خواہش کے مطابق سعید کو معزول کر کے ابو موسیٰ اشعریؓ کا تقرر کیا اور ان لوگوں کے پاس لکھ بھیجا کہ میں نے تمہاری خواہش کے مطابق تقرر کر دیا اور آخر وقت تک تمہاری اصلاح میں جدوجہد کروں گا، اور کسی وقت صبر کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑوں گا۔[2]

تحقیقاتی وفود

حضرت عثمانؓ اصلاح ملک کی فکر میں تھے لیکن کوئی مناسب تدبیر سمجھ میں نہیں آتی تھی، حضرت طلحہؓ نے مشورہ دیا کہ مختلف حصص ملک میں عام حالات کی تحقیقات کیلئے وفود روانہ کیے جائیں، چنانچہ یہ رائے پسند آئی اور سنہ ۳۵ھ میں محمد بن مسلمہؓ کو کوفہ، اسامہ بن زیدؓ کو بصرہ، عمار بن یاسرؓ کو مصر، عبداللہ بن عمرؓ کو شام اور بعض دوسرے صحابہ دیگر صوبجات کی طرف تفتیش حال کیلئے روانہ کیے گئے[3]، نیز تمام ملک میں گشتی اعلان جاری کیا کہ میں ہر سال حج کے موقع پر تمام عمال کو طلب کرتا ہوں اور جس کسی کو کسی عامل سے شکایت ہوتی ہے تو پیش کرنے پر فوراً تحقیقات کر کے تدارک کرتا ہوں لیکن باوجود اس کے معلوم ہوا ہے کہ بعض عمال بے وجہ لوگوں کو مارتے ہیں، گالی دیتے ہیں اور دوسرے طریقوں سے

[1] ابن اثیر جلد ۳ ص ۱۱۰، ۱۱۱ [2] طبری ص ۲۹۲۱ [3] طبری ص ۲۹۴۳

فتنہ و فساد اور سازش و فتنہ پردازی کی بادِ خزاں نے بے رونق کر دیا ہے پھر تازہ بہار
آ جائیگی لیکن یہ غنچہ سرسبز ابھی اچھی طرح کھلنے بھی نہ پایا تھا کہ مرجھا گیا، مدینہ کی گلیوں میں تکبیر کے
نعروں اور گھوڑوں کی ٹاپوں سے شور قیامت برپا ہو گیا، کبار صحابہ گھبرا کر گھروں سے نکل آئے
دیکھا تو مفسدین کی جماعت پھر واپس آ گئی ہے اور "انتقام انتقام" کی صدائیں بلند ہو رہی
ہیں، حضرت علیؓ نے بڑھ کر واپس آنے کا سبب دریافت کیا تو مصریوں نے کہا کہ راہ میں
دربار خلافت کا ایک قاصد ملا جو نہایت تیزی و عجلت کے ساتھ مصر جا رہا تھا، اسکی
مشتبہ حالت سے بدگمانی پیدا ہوئی اور خیال ہوا کہ ضرور ہم لوگوں کے متعلق والی مصر کے
پاس احکام جا رہے ہیں، تلاشی لی گئی تو درحقیقت ایک ایسا فرمان برآمد ہوا جس میں ہدایت
کی گئی تھی کہ ہم لوگوں کی گردن مار دی جائے، چنانچہ اب ہم اس بدعہدی اور فریب کاری
کا انتقام لینے آئے ہیں

**خلافت سے کنارہ کشی کا مطالبہ**

حضرت عثمانؓ کو واقعہ کی اطلاع دی گئی تو انہوں نے حیرت کے
ساتھ اپنی لاعلمی ظاہر کی اور قسم کھا کر کہا کہ مجھے مطلقاً اس خط کی اطلاع نہیں ہے، حضرت
عثمانؓ کے حلفیہ انکار پر لوگوں نے قیاس کیا کہ یقیناً مروان کی شرارت ہے، مصریوں
نے کہا بہرحال کچھ بھی ہو جو خلیفہ اس قدر غافل ہو کہ اس کی لاعلمی میں ایسے اہم امور طے
پا جائیں اور اسے خبر نہ ہو وہ کسی طرح خلافت کے لیے موزوں نہیں ہو سکتا، غرض مصریوں نے
مسند خلافت سے کنارہ کش ہو جانے کا مطالبہ کیا، حضرت عثمانؓ نے فرمایا کہ جب تک مجھ میں
رمق جان باقی ہے میں اس خلعت کو جو خدا نے مجھے پہنایا ہے خود اپنے ہاتھ سے نہیں
اتاروں گا، اور حضور صلعم کی وصیت کے مطابق میں اپنی زندگی کے آخری لمحہ تک صبر کرونگا

[1] طبری صفحہ ۳۰۰۹ و ابن سعد تذکرہ عثمانؓ، [2] ابن سعد تذکرہ عثمانؓ

محاصرہ

حضرت عثمانؓ کے انکار کرنے پر مفسدین نے نہایت شدت کے ساتھ ان کا خانۂ خلافت کا محاصرہ کر لیا، جو چالیس دن تک مسلسل قائم رہا، اس عرصہ میں آب رسانی تک ہو گیا ناجرم تھا، ایک دفعہ ام المومنین حضرت ام حبیبہؓ نے ساتھ کھانے پینے کی چیز لیکر حضرت عثمانؓ تک پہونچنے کی کوشش کی، مگر مفسدین کے قلوب تو ایمان سے خالی ہو چکے تھے، انہوں نے رسول اللہ کے حرم محترم کا بھی پاس و لحاظ نہ کیا، اور بے ادبی کے ساتھ مزاحمت کر کے واپس کر دیا[1]، صحابہ گھروں سے کبھی کبھی رسد رسانی کی امداد ہو جاتی تھی، مفسدین کی ناشائستگی اور صحابہ کی بے احترامی اتنی بڑھ گئی کہ بڑے بڑے اکابر صحابہ مثلاً عبد اللہ بن سلامؓ، ابوہریرہؓ، سعد وقاصؓ اور زید بن ثابتؓ کی بد دستی اور ان کی توہین بھی کی، حضرت علیؓ نے حضرت عثمانؓ کے بلانے پر ان کے گھر کے اندر جانا چاہا تو لوگوں نے ان کو روک دیا، اور آخر مجبور ہو کر اپنا سیاہ عمامہ اتار کر قاصد کو دیدیا اور کہدیا کہ جو حالت ہے وہ دیکھو، اور کہدو علیؓ بہت سے صحابہ مدینہ چھوڑ کر چلے گئے تھے، حضرت عائشہؓ نے سفر حج کا ارادہ کیا، اکابر صحابہ نے ایسی حالت میں گوشہ نشینی ہی اس فتنہ کے زمانہ میں مناسب سمجھی، صحابہ میں اس وقت تین صاحب موجود تھے، حضرت علیؓ، حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ یہ اصحاب خود بے تعلق رہ سکتے تھے اور واقعات پر قدرت رکھتے تھے، تینوں صاحبوں نے بڑی کوششیں کیں، مگر اس ہنگامہ میں کوئی کسی کی نہیں سنتا تھا، بالآخر یہ تینوں صاحب علٰحدہ رہے مگر اپنے جگر گوشوں کو خلیفۂ وقت کی حفاظت کیلئے بھیجدیا، حضرت امام حسنؓ دروازہ پر پہرہ دیتے تھے حضرت عبد اللہ بن زبیرؓ کو حضرت عثمانؓ نے گھر میں جو جاں نثار موجود تھے ان کی افسری پر

[1] طبری صفحہ ۳۰۰۰ و ابن سعد جلد ۳ قسم اول

سعید بن کیا۔

**باغیوں کو حضرت عثمانؓ کی فہمائش**

باغی جو گھر کو گھیرے تھے ان کو دو دفعہ حضرت عثمانؓ نے سمجھانے کی کوشش کی، اور ان کے سامنے مؤثر تقریریں کیں، حضرت ابی بن کعب نے تقریر کی مگر ان لوگوں پر کوئی چیز مؤثر نہ ہوئی، حضرت عثمانؓ نے چھت کے اوپر سے مجمع کو مخاطب کر کے فرمایا، کیا تمہیں معلوم ہے کہ آنحضرت صلعم جب مدینہ آئے تو یہ مسجد تنگ تھی آپ نے فرمایا کہ کون اس زمین کو خرید کر وقف کریگا کہ اس کو اس سے بہتر جگہ جنت میں ملیگی، تو میں نے آپ کے حکم کی تعمیل کی، تو کیا اسی مسجد میں تم مجھے نماز نہیں پڑھنے دیتے، میں تم کو خدا کی قسم دیتا ہوں، بتاؤ کیا تم جانتے ہو کہ آنحضرت صلعم جب مدینہ تشریف لائے تو اس میں بیر رومہ کے سوا میٹھے پانی کا کوئی کنواں نہ تھا، آپ نے فرمایا کہ اس کو کون خرید کر عام مسلمانوں پر وقف کر دیتا ہے، وہ اس سے بہتر اس کو جنت میں ملے گا، تو میں ہی نے اس کی تعمیل کی، تو کیا اسی کے پانی پینے سے مجھ کو محروم کرتے ہو، کیا تم جانتے ہو کہ عسرت کے لشکر کو میں ہی نے ساز و سامان سے آراستہ کیا تھا، سب نے جواب میں کہا، [illegible] یہ سب باتیں سچ ہیں، مگر سنگ دلوں پر اس کا ذرا بھی اثر نہ ہوا، پھر مجمع کو خطاب کر کے فرمایا، تم کو قسم دیتا ہوں تم میں کسی کو یاد ہے کہ ایک دفعہ آپ پہاڑ پر چڑھے تو پہاڑ ہلنے لگا آپ نے پہاڑ کو پاؤں سے ٹھوکر مار کر فرمایا، اے حرا ٹھہر جا کہ تیری پیٹھ پر اس وقت ایک نبی اور ایک صدیق اور ایک شہید ہے، اور میں آپ کے ساتھ تھا، لوگوں نے کہا، یاد ہے، پھر فرمایا، خدا کا واسطہ دیتا ہوں بتاؤ کہ حدیبیہ میں جب آپ نے مجھ کو سفیر بنا کر بھیجا تو کیا خود اپنے ایک دست مبارک کو میرا ہاتھ قرار نہیں دیا، اور میری طرف سے خود ہی

---

ابن سعد صفحہ ۴۸ جلد ۳ قسم اول، مسند ابن حنبل جلد اول صفحہ [illegible]

بیعت نہیں کی سب نے کہا سچ ہے۔

آخر باغی یہ دیکھ کر کہ حج کا موسم چند روز میں ختم ہوتا ہے اور واپسی کے ختم ہوتے ہی لوگ مدینہ کا رخ کریں گے اور موقع نکل جائیگا آپ کے قتل کے مشورے کرنے لگے جنکو خود حضرت عثمانؓ نے اپنے کانوں سے سنا اور مجمع کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا لوگو! آخر کس جرم پر تم میرے خون کے پیاسے ہو، اسلام کی شریعت میں کسی کے قتل کی صرف تین ہی صورتیں ہیں یا اس نے بدکاری کی ہو تو اس کو سنگسار کیا جائے یا اس نے بالارادہ کسی کو قتل کیا، تو وہ قصاص میں مارا جائیگا، یا وہ مرتد ہو گیا ہو تو وہ قتل کیا جائے گا میں نے نہ تو جاہلیت میں اور نہ اسلام میں کبھی بدکاری کی، نہ کسی کو قتل کیا، اور نہ اسلام کے بعد مرتد ہوا، اب بھی گواہی دیتا ہوں کہ خدا ایک ہے اور محمدؐ اس کے بندہ اور رسول ہیں۔[1] باغیوں پر ان میں سے کوئی تقریر کارگر نہ ہوئی۔

**جاں نثاروں کے مشورے اور اجازت طلبی**

بعض جاں نثاروں نے مختلف مشورے دیے، مغیرہ بن شعبہ نے آکر کہا، امیر المومنین! تین باتیں ہیں، ان میں سے ایک قبول کیجئے، آپ کے طرفداروں اور جاں نثاروں کی ایک طاقتور جماعت یہاں موجود ہے، اس کو لیکر نکلیے اور ان باغیوں کا مقابلہ کرکے ان کو باہر نکال دیجئے، آپ حق پر ہیں اور وہ باطل پر، لوگ حق کا ساتھ دیں گے، یا یہ نہیں تو یہ کیجئے کہ صدر دروازہ کو چھوڑ کر دوسری طرف سے دیوار کو توڑ کر اس محاصرہ سے نکلیے اور سواریوں پر بیٹھ کر مکہ معظمہ چلے جائیے وہ حرم ہے، وہ لوگ وہاں لڑ نہ سکیں گے، یا پھر شام چلے جائیے، وہاں کے لوگ وفادار ہیں اور وہاں معاویہ موجود ہیں، حضرت عثمانؓ نے فرمایا، یہ کہ میں باہر نکل کر ان سے

---

[1] ابن حنبل جلد اول صفحہ ۶۵ [2] ابن حنبل جلد اول صفحہ ۶۷

جنگ کروں تو میں وہ پہلا خلیفہ نہیں بننا چاہتا جو امت محمدی کی خونریزی کرے اگر مکہ معظمہ
چلا جاؤں تو امید نہیں کہ یہ حرم الٰہی کی توہین نہ کریں اور جنگ سے باز آجائیں اور میں
آپ کی پیشین گوئیوں کے مطابق وہ شخص نہیں بننا چاہتا جو کہ جا کر اس کی بے حرمتی کا باعث
ہوگا اور رہا شام بھی نہیں جا سکتا کہ اپنے ہجرت کے گھر اور رسول اللہ صلعم کا قرب نہیں
چھوڑ سکتا۔[1]

حضرت عثمانؓ کا گھر بہت بڑا وسیع تھا دروازہ اور چھت پر صحابہؓ اور خدام مسلمانوں کی
خاص جمعیت موجود تھی جس کی تعداد سات سو تھی اور جس کے سردار حضرت زبیرؓ کے
صاحبزادہ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ تھے وہ حضرت عثمانؓ کی خدمت میں حاضر
ہوئے اور عرض کی کہ امیرالمومنین! اس وقت گھر کے اندر ہماری خاص تعداد ہے اجازت
ہو تو ہم ان باغیوں سے لڑیں فرمایا اگر ایک شخص کا بھی ارادہ ہو تو میں اس کو خدا کا
واسطہ دیتا ہوں کہ وہ میرے لیے اپنا خون نہ بہائے۔[2]

گھر میں اس وقت بیس غلام تھے ان کو بھی بلا کر آزاد کر دیا[3] حضرت زید بن ثابتؓ
نے آکر کہا یا امیرالمومنین! انصار دروازہ پر کھڑے ہیں کہ اجازت ہو تو ہم دوبارہ اپنے
کارنامے دکھائیں فرمایا اگر لڑائی مقصود ہے تو اجازت نہ دوں گا[4] آپ بھی اسی حالت
میں فرمایا کہ اس وقت میرا سب سے بڑا مددگار وہ ہے جو میری مدافعت میں تلوار نہ
اٹھائے[5] حضرت ابوہریرہؓ نے اجازت مانگی تو فرمایا اے ابوہریرہ! کیا تمہیں
پسند آئے گا کہ تم تمام دنیا کو اور ساتھ ہی مجھ کو بھی قتل کرو؟ عرض کی نہیں تو فرمایا کہ

---

[1] ابن حنبل جلد اول صفحہ ۶۸ [2] ابن سعد قسم اول صفحہ ۴۹ [3] ابن سعد قسم اول صفحہ ۴۹ [4] ایضاً

[5] ابن حنبل جلد اول صفحہ ۶۸ [6] ابن سعد صفحہ ۴۹ [7] ابن سعد صفحہ ۴۹

اگر تم نے ایک شخص کو بھی قتل کیا تو گویا سب قتل ہو گئے، یہ سورۂ مائدہ کی آیت کی طرف
اشارہ ہے، ابوہریرہؓ یہ سن کر لوٹ آئے[1]

**شہادت کی تیاری** حضرت عثمانؓ کو آنحضرت صلعم کی پیشین گوئیوں کے مطابق یقین تھا
کہ ان کی شہادت مقدر ہو چکی ہے، آنحضرت صلعم نے متعدد دفعہ حضرت عثمانؓ کو اس سے
باخبر کیا تھا، اور صبر و استقامت کی تاکید کی تھی، حضرت عثمانؓ اس وصیت پر پوری
طرح قائم تھے، اور ہر لمحہ ہونے والے واقعہ کے منتظر تھے، جس دن شہادت ہونے والی
تھی آپ روزے سے تھے، جمعہ کا دن تھا، خواب میں دیکھا کہ آنحضرتؐ اور حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ
تشریف فرما ہیں اور ان سے کہہ رہے ہیں کہ عثمان جلدی کرو تمہارے افطار کے ہم منتظر
ہیں، بیدار ہوئے تو حاضرین سے اس خواب کا تذکرہ کیا، اہلیہ محترمہ سے فرمایا کہ میری
شہادت کا وقت آگیا، باغی مجھے قتل کر ڈالیں گے، انہوں نے کہا، امیر المومنین ایسا
نہیں ہو سکتا، فرمایا میں یہ خواب دیکھ چکا ہوں، اور ایک روایت میں ہے کہ خواب میں
یہ دیکھا کہ آنحضرت صلعم فرما رہے ہیں کہ عثمان آج جمعہ ہمارے ساتھ پڑھنا[2] پھر پائجامہ جسکو
کبھی نہیں پہنا تھا، اس کو منگوا کر پہنا[3] بیس غلاموں کو بلا کر آزاد کیا اور قرآن مجید کھول کر
اس کی تلاوت میں مصروف ہو گئے،

**شہادت** حضرت امام حسنؓ جو دروازہ پر متعین تھے واقعہ میں مضروب ہوئے، چونکہ
باغی دروازہ چھوڑ کر دیوار پھاند کر چھت پر چڑھ گئے، آگے آگے محمد بن ابی بکر تھے جو حضرت
ابوبکرؓ کے چھوٹے صاحبزادے تھے اور حضرت علیؓ کی آغوش تربیت میں پلے تھے، کسی

[1] ابن سعد جزو ۳ صفحہ ۴۸ و مسند ابن حنبل جلد اول صفحہ ۷۲ و ۔۔۔ ابن سعد صفحہ ۵۵ و ۵۶

لیکن یہ دونوں خواب مذکور ہیں، مسند ابن حنبل میں صرف پہلے خواب کا ذکر ہے، مسند ابن حنبل جلد ۱ صفحہ ۷۲

بلے عمدہ کے طلبگار تھے جن کے نہ ملنے سے حضرت عثمانؓ کے دشمن بن گئے تھے۔ ملعون نے آگے بڑھ کر حضرت عثمانؓ کی ریش مبارک پکڑی اور زور سے کھینچی۔ حضرت عثمانؓ نے کہا بھتیجے! اگر تمہارے باپ زندہ ہوتے تو ان کو یہ منظر پسند نہ آتا۔ یہ سنکر حضرت محمد بن ابی بکرؓ شرما کر پیچھے ہٹ گئے۔ کنانہ بن بشر نے آگے بڑھ کر پیشانی مبارک پر لوہے کی ایک لاٹ سے اس زور سے مارا کہ پہلو پر گر پڑے اور زبان سے اس وقت بھی بسم اللہ توکلت علی اللہ کے الفاظ نکلے۔ سودان بن حمران مرادی نے دوسری ضرب لگائی جس سے بالکل نیم جان ہو گئے اور خون کا فوارہ جاری ہو گیا۔ عمرو بن الحمق گستاخی کر کے سینہ پر کود کر چڑھ بیٹھا اور جسم کے مختلف حصوں پر پے در پے نو زخم لگائے۔ کسی شقی نے بڑھ کر تلوار کا وار کیا، وفادار بیوی حضرت نائلہ جو پاس بیٹھی تھیں ہاتھ پر روکا، تین انگلیاں کٹ کر الگ ہو گئیں۔ وار سے ذوالنورینؓ کی شمع حیات بجھا دی۔ اس بیکسی کی موت پر عالم امکان نے ماتم کیا، کائنات ارضی و سماوی نے اس خون ناحق پر آنسو بہائے۔ کاتبان قضا و قدر نے کہا کہ آج تم پر تلوار بے نیام ہوئی ہے وہ قیامت تک بے نیام رہے گی اور فتنہ و فساد کا جو دروازہ کھلا ہے وہ حشر تک کھلا رہے گا۔ انا للہ و انا الیہ راجعون

حضرت عثمانؓ چونکہ تلاوت فرما رہے تھے قرآن مجید سامنے کھلا تھا۔ اس خون ناحق نے جس آیت کو خون ناب کیا وہ یہ ہے

فسیکفیکھم اللہ وھو العلیم الحکیم — خدا تم کو بس ہوگا وہ جاننے والا اور حکمت والا ہے

جمعہ کے دن عصر کے وقت شہادت حاصل کی۔ دو دن تک لاش بے گور و کفن پڑی رہی مدینہ میں قیامت برپا تھی۔ باغیوں کی حکومت تھی۔ ان کے خوف سے کسی نے علانیہ

سلہ صحیح بخاری کتاب الفتن میں اس کا اشارہ ہے

دفن و کفن کی ہمت نہ کی، جسم کا یہ واقعہ سہ شنبہ کا دن گذر کر رات کو چند مسلمانوں نے
اپنی جان ہتھیلی پر رکھ کر ادائے فرض کی ہمت کی غسل نہیں دیا گیا اسی طرح خون میں
لتھڑے ہوئے کپڑوں میں چار آدمیوں نے لے کر جنازہ اٹھایا اور کابل سے دراکش گئے
فرمانروا کے جنازہ کی سترہ آدمیوں نے مل کر نماز پڑھی (مسند ابن حنبل میں ہے کہ حضرت زبیرؓ اور
ابن سعد میں ہے کہ حضرت جبیر بن مطعمؓ نے نماز جنازہ پڑھائی) اور جنت البقیع کے پیچھے حش کوکب
میں جس علم و بردباری کے مجسمہ اور بیکسی و مظلومی کے پیکر کو سپرد خاک کیا بعد کو یہ مقام دیوار
توڑ کر جنت البقیع میں داخل کر لیا گیا آج بھی جنت البقیع کے سب سے آخر میں مزار موجود ہے۔

**حضرت عثمانؓ کا ماتم** | صحابہ کرامؓ اور عام مسلمانوں میں سے کوئی اس سانحہ عظمیٰ کے سننے
کے لیے تیار نہ تھا اور کسی کو یہ وہم و گمان بھی نہ تھا کہ یہ باغی اس حد تک جرات کریں گے
اور امام وقت کے قتل کے مرتکب ہوں گے اور حرم رسول کی توہین کریں گے اس لیے
جس نے اس کو سنا انگشت بدنداں رہ گیا جو لوگ حضرت عثمانؓ کی طرز حکومت کے
کسی قدر شاکی تھے انہوں نے بھی اس بیکسی اور مظلومی کی موت پر آنسو بہائے تمام
لوگوں پر سناٹا چھا گیا خود باغیوں کی پیاس بھی اس خون سے بجھ چکی تھی اور اب ان کا
جوش ٹھنڈا پڑ گیا تھا اور سوچ کر اپنی حرکت پر نادم تھے، تاہم دشمنان اسلام نے سازش کا جو جال بچھایا تھا
اس میں وہ کامیاب ہو چکے تھے مسلمان اب شیعہ، خارجی، اور عثمانی تین حصوں میں
بٹ جانے کو تیار ہو گیا، اور وہ تفرقہ پڑا جو قیامت تک کے لیے قائم ہو گیا۔

حضرت علیؓ مسجد سے نکل کر حضرت عثمانؓ کے گھر کی طرف آ رہے تھے کہ راہ میں
شہادت کی اطلاع ملی حضرت علیؓ نے دونوں ہاتھ اٹھا کر فرمایا خداوندا میں عثمانؓ کے

---

ل مسند ابن حنبل جلد اصفحہ ۷۴ و ۷۳، ابن حنبل جلد ۱ صفحہ ۷۰ و ابن سعد قسم اول تذکرہ عثمانؓ۔

خون سے بری ہوں۔ سعید بن زید بن عمرو بن نفیل جو حضرت عمرؓ کے بہنوئی تھے، انھوں نے کہا لوگو! اگر کوہ احد تمھاری اس بداعمالی کے سبب سے پھٹ کر گر پڑے تو اس کو یہ حق ہے۔ حضرت حذیفہؓ جو صحابہ میں فتنہ و فساد کی پیشینگوئیوں کے سبب سے بڑے حافظ اور آنحضرت صلعم کے محرم اسرار تھے، انھوں نے کہا آہ! عثمان کے قتل سے اسلام میں وہ رخنہ پڑ گیا جو اب قیامت تک بند نہ ہوگا۔ حضرت ابن عباسؓ نے کہا اگر تمام خلقت عثمان کے قتل میں شریک ہوتی تو قوم لوط کی طرح آسمان سے اس پر پتھر برستے۔ ثمامہ بن عدی صحابی جو صنعا یمن کے والی تھے، اس کی خبر پہنچی تو رو پڑے اور فرمایا افسوس رسول اللہ صلعم کی جانشینی جاتی رہی۔ ابو حمید ساعدی صحابی نے قسم کھائی کہ جب تک جیوں گا ہنسی کا منہ نہ دیکھوں گا۔ عبداللہ بن سلام صحابی نے کہا آج عرب کی قوت کا خاتمہ ہوگیا۔ حضرت عائشہؓ نے فرمایا عثمان مظلوم مارے گئے، خدا کی قسم ان کا نامہ عمل دھلے ہوئے کپڑے کی طرح پاک ہوگیا۔ حضرت زید بن ثابتؓ کی آنکھوں سے اس دن آنسو جاری تھے۔ حضرت ابوہریرہؓ کا یہ حال تھا کہ جب اس سانحہ کا ذکر آتا تو دھاڑیں مار مار کے روتے۔

حضرت عثمانؓ کا خون سے رنگین کرتہ اور حضرت نائلہ کی کٹی ہوئی انگلیاں شام میں امیر معاویہ کے پاس پہنچیں، جب وہ کرتہ مجمع عام میں لٹکایا گیا اور انگلیاں لٹکائی گئیں تو کہرام برپا ہوگیا، اور واقعۂ انتقام کی داستانیں آگے آئیں گی۔

---

؎ یہ تمام اقوال ابن سعد جلد ۳ قسم اول صفحہ ۵۵ و ۵۶ میں مذکور ہیں۔ حضرت سعید بن زید کی روایت صحیح بخاری باب اسلام سعید بن زید میں بھی ہے، اور حضرت علی کا قول مستدرک میں بسند صحیح نقل کیا ہے۔

# عثمانی کارنامے

فتوحات پر اجمالی نظر | اس میں شک نہیں ہے کہ فاروق اعظمؓ نے اپنے حسن تدبیر اور غیر معمولی سیاسی قوت عمل سے روم و ایران کے تخت الٹ دیے، اور ان کی دولت و حکومت زیر نگین توحید کا ورثہ ہو گئی، دولت کیانی صفحۂ ہستی سے معدوم ہو گئی، اور تمام ایران مسخر ہو گیا، شام، مصر اور جزیرہ والوں نے بھی سپر ڈالدیے، لیکن کیا یہ ممکن ہے کہ فاتح قوم کا ایک ہی سیلاب مفتوح اقوام کے احساس جد و جہد کو فنا کر دے؟ اور کیا تاریخ کوئی ایسی مثال پیش کر سکتی ہے کہ ایک ہی شکست نے کسی قوم کی حریت و آزادی کے جذبہ کو معدوم کر دیا ہو اور اس کے قوائے عمل بیکار ہو گئے ہوں؟ سکندر نے تمام دنیا کو مسخر کر لیا لیکن اس کے جانشینوں نے کتنے دنوں تک حکومت قائم رکھی؟ چنگیز و تیمور نے بھی عالم کو تہ و بالا کر دیا، لیکن ان کی فتوحات کیوں نقش بر آب ثابت ہوئیں؟ درحقیقت یہ ایک تاریخی نکتہ ہے کہ جب اولوالعزم فاتح کا جانشین ویسا ہی اولوالعزم اور عالی حوصلہ نہیں ہوتا تو وہ فتوحات اس تماشاگاہ عالم میں صرف ایک وقتی نمائش ہوتی ہیں، اس بنا پر جانشین فاروقؓ کا سب سے اہم کارنامہ یہ ہے کہ اس نے ممالک مفتوحہ میں حکومت و سلطنت کی بنیاد مستحکم کی، اور مفتوح اقوام کے جذبۂ [illegible] کو، رفتہ رفتہ اپنے حسن تدبیر اور سیاسی حکمت عملی سے اس طرح مردہ کر دیا کہ مسلمانوں کی باہمی کشمکش کے موقعوں میں بھی انھیں سرتابی کی ہمت نہ ہوئی۔

تم نے فتوحات کے سلسلہ میں پڑھا ہوگا کہ حضرت عثمانؓ کو نہایت کثرت کے ساتھ بغاوتیں فرو کرنا پڑیں، مصر میں بغاوت ہوئی، اہل آرمینیہ اور آذربائیجان نے خراج دینا

بلند کیا اور اہل خراسان نے سرکشی اختیار کی، یہ تمام بغاوتیں درحقیقت اسی جذبہ کا نتیجہ تھیں جو مفتوح ہونے کے بعد بھی اقوام کی جد و جہد کو برانگیختہ کرتا رہتا ہے لیکن حضرت عثمانؓ نے تمام بغاوتوں کو نہایت اولوالعزمی کے ساتھ فرو کیا اور آہستہ آہستہ تشدد و تلطف کی مجموعی حکمت عملی سے مفتوحہ ممالک کی عام رعایا کو اطاعت اور انقیاد پر مجبور کردیا۔

**فتوحات کی وسعت** عہد عثمانی میں ممالک محروسہ کا دائرہ بھی نہایت وسیع ہوگیا، افریقہ میں طرابلس، برقہ اور مراکش (افریقہ) مفتوح ہوا، ایران کی فتح تکمیل کو پہونچی، ایران کے متصلہ علاقوں میں سے افغانستان، خراسان اور ترکستان کا ایک حصہ زیر نگیں ہوا، دوسری طرف آرمینیا اور آذربائیجان مفتوح ہوکر اسلامی سرحد کوہ قاف تک پھیل گئی، اسی طرح ایشیائے کوچک کا ایک وسیع خطہ ملک عام میں شامل کرلیا گیا۔

بحری فتوحات کا آغاز خاص حضرت عثمانؓ کے عہد خلافت سے ہوا، اس سے پہلے حضرت عمرؓ نے بھی اس کی ہمت نہ کی، ذوالنورینؓ کی اولوالعزمی نے خطرات سے بے پروا ہوکر ایک عظیم الشان بیڑا تیار کرکے جزیرۂ قبرس (سائپرس) پر اسلامی پھریرا بلند کیا، قیصر روم کے بیڑے کو شکست دی جس میں پانچ سو جنگی جہاز شامل تھے، تعجب خیز ہے کہ عرب کے صحرانشینوں نے بحری فن جنگ اور جہازرانی میں کمال مہارت پیدا کی تھی، کہ رومی بیڑے کو جس سے تمام دنیا تھراتی تھی ایسی شکست فاش دی کہ پھر اسنے اسلامی ساحل کی طرف رخ کرنے کی ہمت نہ ہوئی۔

**نظام خلافت** اسلامی حکومت کی ابتدا جمہوریت سے ہوئی، فاروق اعظمؓ نے اسکو زیادہ مکمل اور منظم بنایا، حضرت عثمانؓ نے بھی اس نظام کو اپنے ابتدائی عہد میں قائم رکھا، لیکن اخیر میں بنو امیہ کے استیلاء نے اس میں برہمی پیدا کردی، مروان جن کو حضرت

عثمانؓ کے اعتبار سے ناجائز فائدہ اٹھا کر خلافت کے کاروبار میں پورا رسوخ پیدا کر لیا تھا، تاہم جب کبھی حضرت عثمانؓ کو کسی معاملہ کی طرف توجہ دلائی جاتی تھی تو وہ سرگرمی کے ساتھ اس کے تدارک کی سعی کرتے، اور جو کوئی نیک مشورہ دیتا تھا اس کو قبول کرنے میں پس و پیش نہیں کرتے تھے، ولید بن عقبہ کی بادہ نوشی کی طرف توجہ دلائی گئی تو تحقیق کے بعد انھوں نے فوراً معزول کر دیا اور شرعی حد جاری کی، اسی طرح جب حضرت طلحہؓ نے ملک کی عام حالت دریافت کرنے کے لیے وفود بھیجنے کا مشورہ دیا تو فوراً اس کی ضرورت تسلیم کر لی۔

حکومت جمہوری کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ ہر شخص کو اپنے حقوق کی حفاظت اور حکام کے طریق عمل پر نکتہ چینی کرنے کا حق حاصل ہو، حضرت عثمانؓ کے اخیر عہد میں اگرچہ مجلس شوریٰ کا باقاعدہ نظام درہم برہم ہو گیا تھا، تاہم یہ حقوق محفوظ تھے، چنانچہ ایک دفعہ مجمع عام میں ایک شخص نے تمام عمال کو اپنے ہی خاندان سے منتخب کرنے پر بلند آہنگی کے ساتھ اعتراض کیا، اسی طرح حضرت عثمانؓ نے عبداللہ بن ابی سرح کو طرابلس کے مال غنیمت سے خمس کا پانچواں حصہ دیا تو بہت سے آدمیوں نے صدائے احتجاج بلند کی، اور ان کو واپس کرانا پڑا۔

**عمال کی مجلس شوریٰ**

ملکی و انتظامی معاملات میں حکام وقت دوسرے غیر ذمہ دار شخص سے نسبتہً بہتر اور صائب رائے قائم کر سکتے ہیں، چنانچہ اب تمام مہذب حکومتوں میں عمال و حکام کی ایک مجلس شوریٰ ہوتی ہے، لیکن عثمان ذوالنورینؓ نے تیرہ سو برس پہلے اس ضرورت کو محسوس کر کے عمال کی ایک مجلس شوریٰ ترتیب دی تھی، اس مجلس کے ارکان سے عموماً تحریری رائیں طلب کی جاتی تھیں، تو تم میں سے پہلے جب فتنہ و فساد

حکام کی نگرانی: خلیفۂ وقت کا سب سے اہم فرض حکام اور عمال کی نگرانی ہے حضرت عثمانؓ اگرچہ طبعاً نہایت نرم دل تھے بات بات پر رقت طاری ہو جاتی تھی اور ذاتی حیثیت سے تحمل، بردباری، تساہل اور چشم پوشی آپ کا خاص شیوہ تھا، تاہم ملکی معاملات میں انھیں ترش روئی احتساب اور نکتہ چینی کو بھی کام میں لانا پڑا، سعد وقاصؓ نے بیت المال سے ایک نہایت خطیر رقم قرض لی اور پھر ادا نہ کر سکے حضرت عثمانؓ نے نہایت سختی سے باز پرس کی اور معزول کر دیا، ولید بن عقبہ نے بادہ نوشی کی تو معزول کر کے علانیہ حد جاری کی، ابو موسیٰ اشعریؓ نے اسراف بیجا طرز اختیار کیا تو انھیں بھی ذمہ داری کے عہدہ سے سبکدوش کر دیا، اسی طرح عمرو بن العاصؓ والی مصر سے ان کے خراج میں اضافہ نہ کر سکنے پر ان کو علیحدہ کر دیا۔

نگرانی کا عام طریقہ یہ تھا کہ دریافت حال کے لیے دربار خلافت سے تحقیقاتی وفود روانہ کیے جاتے تھے جو تمام ممالک محروسہ میں دورہ کر کے عمال کے طرز عمل اور رعایا کی حالت کا اندازہ کرتے تھے، محمد بن مسلمہؓ، عبداللہ بن عمرؓ اور اسامہ بن زیدؓ عموماً اس خدمت پر مامور کیے جاتے تھے، یہ وہ افراد ہیں جو صحابہ میں خاص حیثیت سے ممتاز تھے چنانچہ ۳۵ھ میں ملک کی عام حالت دریافت کرنے کے لیے جو وفود روانہ کیے گئے تھے ان میں یہی حضرات تھے[1]۔

ملکی حالات سے واقفیت پیدا کرنے کا ایک طریقہ یہ بھی تھا کہ حضرت عثمانؓ جمعہ کے روز منبر پر تشریف لے جاتے تو خطبہ شروع کرنے سے پہلے لوگوں سے اطراف ملک کی خبریں پوچھتے اور نہایت غور سے سنتے[2]، نیز تمام ملک میں اعلان عام تھا کہ جس کسی کو

[1] طبری صفحہ [illegible]، [2] مسند ابن حنبل جلد ۱ صفحہ [illegible]

مہمان خانہ بنوا دیا۔

دارالخلافہ کو اطراف ملک سے جو خاص تعلق تھا اُس کے لحاظ سے ضرورت تھی کہ تمام راستوں کو سہل اور آرام دہ بنا دیا جائے۔ حضرت عثمانؓ نے اس کی طرف بہت کافی توجہ کی اور موقع موقع سے چوکیاں، سرائیں اور چشمے تیار کرا دیئے۔ چنانچہ نجد کی راہ میں مدینہ سے چوبیس میل کے فاصلہ پر ایک نہایت نفیس سرائے تعمیر کی گئی۔ اُس کے ساتھ ایک مختصر بازار بھی بسایا گیا نیز شیریں پانی کا ایک کنواں بنایا گیا جو بیر السائب کے نام سے مشہور ہے۔[1]

**بند مہزور**

خیبر کی طرف سے کبھی کبھی مدینہ میں نہایت ہی خطرناک سیلاب آیا کرتا تھا اور اس سے شہر کی آبادی کو سخت نقصان پہنچتا تھا نیز مسجد نبوی کو اس سے صدمہ پہنچنے کا احتمال تھا اس لیے حضرت عثمانؓ نے مدینہ سے تھوڑے فاصلہ پر مدری کے قریب ایک بند بندھوا دیا اور نہر کھود کر سیلاب کا رُخ دوسری طرف پھیر دیا۔ اس بند کا نام بند مہزور ہے اور در حقیقت رفاہ عام کے تعمیرات میں خلیفہ ثالث کا سب سے روشن کارنامہ ہے۔[2]

**مسجد نبوی کی تعمیر و توسیع**

مسجد نبوی کی تعمیر میں حضرت عثمانؓ ذوالنورینؓ کا ہاتھ سب سے زیادہ نمایاں ہے۔ ابتداء عہد نبوی میں جب مسلمانوں کی کثرت کے باعث مسجد نبوی ناکافی ثابت ہوئی، تو حضرت عثمانؓ نے قریب کا قطعہ زمین خرید کر بارگاہ نبوت میں پیش کیا کہ اس سے مسجد کو وسعت دی جائے۔ پھر حضرت عثمانؓ نے خود اپنے عہد میں اہتمام کے ساتھ اس کو تعمیر کرایا، اس سے زیادہ اس کی رونق دوبالا ہوگئی۔ تفصیل اس کی یہ ہے کہ حضرت

[1] طبری صفحہ ۲۸۰۴ [2] وفاء الوفا جلد ۲ صفحہ ۲۰۹ [3] وفاء الوفا جلد ۲ صفحہ ۲۱۶

عثمانؓ نے ۲۴ھ میں مسجد نبوی کو نئے سرے سے تعمیر کرنے کا ارادہ ظاہر فرمایا لیکن گردو پیش میں جن لوگوں کے مکانات تھے وہ کافی معاوضہ دینے پر بھی اس تقریب سے دست کش ہونے کے لیے راضی نہ تھے حضرت عثمانؓ نے اُن لوگوں کو راضی کرنے کے لیے مختلف تدبیریں کیں لیکن وہ کسی طرح راضی نہیں ہوتے تھے یہاں تک کہ پانچ سال تک اس ارادہ کو معرض التوا میں رکھنا پڑا۔ بالآخر ۲۹ھ میں صحابۂ کبار رضوان اللہ علیہم اجمعین سے مشورہ کرنے کے بعد حضرت عثمانؓ نے جمعہ کے روز ایک نہایت مؤثر تقریر کی اور نمازیوں کی کثرت اور مسجد کی تنگی کی طرف توجہ دلائی اس تقریر کا یہ اثر ہوا کہ لوگوں نے خوشی سے اپنے مکانات دیدیے اور نہایت اہتمام کے ساتھ تعمیر کا کام شروع ہوا۔ نگرانی کیلیے تمام عمال طلب کیے گئے اور خود شب و روز مصروف کار رہے۔ غرض دس مہینے کی مسلسل جدوجہد کے بعد اینٹ چونا اور پتھر کی ایک نہایت خوشنما اور مستحکم عمارت تیار ہوگئی۔ استحکام اور خوشنمائی کے ساتھ وسعت میں بھی اضافہ کیا گیا یعنی طول میں پچاس گز کا اضافہ ہوا البتہ عرض میں کوئی تغیر نہیں کیا گیا۔[1]

**فوجی انتظامات**

حضرت عمرؓ نے اپنے عہد میں جس اصول پر فوجی نظام قائم کیا تھا حضرت عثمانؓ نے نہ صرف اس کو باقی رکھا بلکہ ترقی دی، فوجی خدمات کے صلہ میں جن لوگوں کے وظائف مقرر کیے گئے تھے حضرت عثمانؓ نے انہیں ایک سو درہم کا اضافہ کیا، اور فوجی صیغہ کو انتظامی صیغوں سے الگ کرکے تمام صوبجات میں علیحدہ مستقل افسروں کے ماتحت کر دیا۔ اس عہد کے کل فوجی انتظامات کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ امیر معاویہ کو صرف شام میں رومیوں کے مقابلہ کے لیے فوجی کمک کی ضرورت ہوئی تو ایران اور

---

[1] خلاصۃ الوفا صفحہ ۱۲۴

مدینہ کی فوجیں حیرت انگیز عجلت کے ساتھ بروقت پہونچ گئیں، اسی طرح عبداللہ بن ابی سرح کو طرابلس میں بغاوت فرو کرنے کے لیے ایک زبردست فوجی طاقت کی ضرورت پیش آئی تو شام و عراق کی کمک نے عین وقت پر مساعدت کی، افریقہ کی فتح میں یہ پیش آئی اور مصری فوج ناکافی ہوئی تو مدینہ سے کمک روانہ کی جس کے افسر حضرت عبداللہ بن زبیرؓ تھے اور جو وقت پر پہونچی اور جس نے معرکہ کو کامیابی کے ساتھ ختم کیا،

عہد فاروقی میں جو مقامات فوجی مرکز قرار پائے تھے عہد عثمانی میں ان کے علاوہ طرابلس، قبرص، طبرستان، اور آرمینیہ میں بھی فوجی مرکز قائم کئے گئے اور اضلاع میں چھاؤنیاں بنائی گئیں جہاں تھوڑی تھوڑی فوج ہمیشہ متعین رہتی تھی،

تمام ملک میں گھوڑوں اور اونٹوں کی پرورش و پرداخت کے لیے نہایت وسیع چراگاہیں بنائی گئیں، خود دارالخلافہ کے اطراف و نواح میں متعدد چراگاہیں تھیں، سب سے بڑی چراگاہ مقام ربذہ میں تھی جو مدینہ سے چار منزل کے فاصلہ پر واقع ہے یہ چراگاہ دس میل لمبی اور اسی قدر چوڑی تھی، دوسری چراگاہ مقام نقیع میں تھی جو مدینہ سے بیس میل دور ہے، اسی طرح ایک چراگاہ مقام ضریہ میں تھی جو وسعت میں ہر طرف سے چھ چھ میل تھی، حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں جب گھوڑوں اور اونٹوں کی کثرت ہوئی تو ان چراگاہوں کو پہلے سے زیادہ وسیع کیا گیا اور ہر چراگاہ کے قریب چشمے تیار کرائے گئے، چنانچہ مقام ضریہ میں بنی ضبعہ سے پانی کا ایک چشمہ خرید کر چراگاہ کے لیے مخصوص کیا گیا اور جب یہ بھی ناکافی ثابت ہوا تو حضرت عثمانؓ نے خود اپنے اہتمام سے ایک دوسرا چشمہ تیار کرایا اور منتظمین چراگاہ کے لیے مکانات تعمیر کرائے، عہد عثمانی میں اونٹوں اور گھوڑوں کی جو کثرت تھی اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ صرف ضریہ کی چراگاہ میں چالیس ہزار اونٹ پرورش پاتے تھے،

امارت بحریہ | اسلام میں بحری جنگ اور بحری فوجی انتظامات کی ابتدا دراصل حضرت عثمانؓ کے عہد خلافت سے ہوئی، اس سے پہلے یہ ایک نہایت خطرناک کام سمجھا جاتا تھا مگر افسوس ہے کہ تاریخوں سے تفصیلی انتظامات کا پتہ نہیں چلتا صرف اس قدر مذکور ہے کہ امیر معاویہؓ کے توجہ دلانے پر بارگاہ خلافت سے ایک جنگی بیڑا تیار کرنے کا حکم ہوا، اور عبداللہ بن قیس حارثی امیر البحر مقرر ہوئے، لیکن اس قدر یقینی ہے کہ ایک نہایت زبردست بحری قوت پیدا ہو گئی تھی، اور امارت بحریہ کا انتظام اس طرح مکمل ہو گیا تھا کہ آسانی کے ساتھ قبرس زیر نگین ہو گیا، اور رومیوں کے عظیم الشان جنگی بیڑے کو اس طرح شکست ہوئی کہ پھر اس نے اسلامی سواحل کی طرف رخ کرنے کی ہمت نہ کی۔

مذہبی خدمات | نائب رسولؐ کا سب سے اہم فرض مذہب کی خدمت اور اس کی اشاعت و تبلیغ ہے خلیفہ ثالث یعنی حضرت عثمانؓ ذو النورین کو اس فرض کے انجام دینے کا ہر لحظہ خیال رہتا تھا۔ اشاعت و تبلیغ اسلام کا یہ حال تھا کہ جہاد میں جو قیدی گرفتار ہو کر آتے تھے ان کے سامنے خود اسلام کے محاسن بیان کرکے اس دین متین کی طرف دعوت دیتے تھے، ایک دفعہ بہت سی رومی لونڈیاں گرفتار ہو کر آئیں حضرت عثمانؓ نے خود ان کے پاس جا کر تبلیغ اسلام کا فرض انجام دیا چنانچہ دو عورتوں نے متاثر ہو کر کلمۂ توحید کا اقرار کیا اور دل سے مسلمان ہو گئیں۔[1]

اشاعت اسلام کے بعد سب سے بڑی خدمت خود مسلمانوں کی مذہبی تعلیم و تلقین تھی، حضرت عثمانؓ خود بالمشافہ مسائل فقہیہ بیان کرتے تھے اور عملاً اس کی تعلیم دیتے تھے، ایک دفعہ خود وضو کرکے بتایا کہ میں نے رسول اللہؐ کو اسی طرح وضو کرتے دیکھا تھا جس مسلہ میں

---

[1] زرین المفردات مختصر البلدہ ... (?) ... ذکر کتاب الطہارۃ باب صفۃ وضوء النبی صلی اللہ علیہ وسلم

شبہ ہوتا تھا یا اس کے متعلق کوئی صحیح رائے قائم نہیں کر سکتے تھے تو دوسرے صحابہ سے
استفسار کرتے تھے اور عوام کو بھی ان کی طرف رجوع کرنے کی ہدایت کرتے تھے، ایک دفعہ
سفر حج میں تھے، اس اثنا میں ایک شخص نے ایک پرندہ کا گوشت پیش کیا جو شکار کیا گیا
تھا، کھانے کے لیے بیٹھے تو شبہ ہوا کہ حالت احرام میں اس کا کھانا جائز ہے یا نہیں، حضرت
علیؓ بھی ہمسفر تھے، اُن سے استصواب کیا تو انہوں نے عدم جواز کا فتویٰ دیا، حضرت
عثمانؓ نے اسی وقت کھانے سے ہاتھ کھینچ لیا۔[1]

مذہبی انتظامات کی طرف بھی کافی توجہ کی، مسجد نبوی کی تعمیر کا حال گذر چکا، شہر
کی آبادی اس قدر ترقی کر گئی تھی کہ جمعہ کے روز ایک اذان کافی نہیں ہو سکتی تھی، اس لیے
ایک اور موذن کا تقرر کیا جو مقام زوراء میں اذان دیکر لوگوں کو نماز کے وقت سے مطلع
کرتا تھا، نمازیوں کی صفوں کے برابر و سیدھی رکھنے کا یہ اہتمام تھا کہ خاص اس خدمت پر
متعدد اشخاص متعین تھے، جو خطبہ ختم ہونے کے ساتھ ہی مسجد میں گھوم کر صفیں برابر
کرتے تھے۔[2]

مذہبی خدمات کے سلسلہ میں حضرت عثمانؓ کا سب سے زیادہ روشن کارنامہ قرآن مجید
کو اختلاف و تحریف سے محفوظ کرنا اور اس کی عام اشاعت ہے، اس کی تفصیل یہ ہے کہ
فتح آرمینیہ و آذربائیجان میں شام، مصر، عراق اور تمام اطراف ملک کی فوجیں مجتمع ہو کر
شریک کارزار تھیں، ان میں زیادہ تر نومسلم اور عجمی النسل تھیں جن کی مادری زبان عربی نہ تھی،
حضرت حذیفہ بن یمانؓ بھی شریک جہاد تھے، انہوں نے دیکھا کہ اختلاف قرأت کا یہ
حال ہے کہ اہل شام کی قرأت اہل عراق سے بالکل جدا گانہ ہے، اسی طرح اہل بصرہ کی قرأت

[1] مسند ابن حنبل جلد ۱ صفحہ ۱۰۰ [2] مسند شافعی صفحہ ۲۰

کو اہل کوفہ کی قرأت سے کوئی مناسبت نہیں ۔ اور پھر ہر ایک ملک والے اپنی قرأت کو صحیح اور دوسری کو غلط سمجھتے ہیں حضرت حذیفہؓ کو ان اختلافات سے اس قدر خلجان ہوا کہ جہاد سے واپس آئے تو سیدھے بارگاہ خلافت میں حاضر ہوئے اور مفصل واقعات عرض کرکے کہا امیر المومنین! اگر جلد اصلاح کی فکر نہ ہوئی تو مسلمان عیسائیوں اور یہودیوں کی طرح خدا کی کتاب میں سخت اختلافات پیدا کرلیں گے ۔ حضرت حذیفہؓ کے توجہ دلانے پر حضرت عثمانؓ کو بھی خیال ہوا اور ام المومنین حضرت حفصہؓ سے عہد صدیقی کا مرتب و مدون کیا ہوا نسخہ لیکر حضرت زید بن ثابتؓ عبداللہ بن زبیرؓ اور سعید بن العاصؓ کو نقل کرنے پر مامور کیا اور تمام ملک میں اس کی اشاعت کی نیز تمام مختلف مصاحف کو جن لوگوں نے بطور خود مختلف املا وں سے لکھا تھا ان کو تلف کرکے ہستی سے معدوم کرادیا[1]

ظاہر ہے کہ ان اختلافات کو رفع کرنے کی کوشش نہ کی جاتی تو آج قرآن کا بھی وہی حال ہوتا جو توریت و انجیل اور دیگر صحف آسمانی کا ہوا ۔

## فضل وکمال

ورثت وخواند ۔ حضرت عثمانؓ ان صحابہ میں تھے جو اسلام سے پہلے ہی نوشت وخواند جانتے تھے ۔ اسلام کے بعد اس ملکہ میں اور زیادہ ترقی ہوئی ۔

کتابت وحی ۔ چنانچہ تحریر وکتابت میں جو خاص مہارت ان کو تھی اسی کی بنا پر حضور پرنور صلعم نے ان کو کتابت وحی پر مامور کیا تھا ۔ اور جب کبھی کوئی آیت نازل ہوتی تھی تو ان کو بلاکر لکھوا دیا کرتے تھے ۔ حضرت عائشہؓ کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ شب کے وقت وحی نازل

---

[1] بخاری باب جمع القرآن ۔

جُزو میں تھے اور قاری تھے بلکہ اُن کے سامنے تھے وہ قرآن کی تلاوت میں مصروف تھے

**حدیث شریف** سلسلۂ احادیث میں دوسرے صحابہ کی بہ نسبت حضرت عثمانؓ سے مرفوع احادیث بہت کم مروی ہیں، آپ کی کل مرویات کی تعداد ۱۴۶ ہے جن میں تین متفق علیہ ہیں یعنی بخاری و مسلم دونوں میں موجود ہیں اور ۸ صرف بخاری، منفرد پانچ صرف مسلم میں اس طرح صحیحین میں آپ کی کل ۱۶ حدیثیں ہیں۔

ان کی روایات کی قلت کی وجہ یہ ہے کہ وہ اس معاملہ میں حد درجہ محتاط تھے، فرمایا کہ آنحضرت صلعم سے حدیث بیان کرنے میں جو چیز مانع ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ شاید دیگر صحابہ سے زیادہ میرا حافظہ قوی نہ ہو، لیکن میں گواہی دیتا ہوں کہ میں نے رسول اللہ صلعم کو یہ کہتے سنا ہے کہ جو میری طرف وہ منسوب کریگا جو میں نے نہیں کہا ہے تو وہ اپنا ٹھکانا جہنم بنالے،[1] اسی لیے وہ حدیث کی روایت میں سخت احتیاط کرتے تھے، عبدالرحمن بن حاطب کہتے ہیں کہ میں نے کسی صحابی کو حضرت عثمانؓ سے زیادہ پوری بات بیان کرنے والا نہیں دیکھا، لیکن وہ حدیث بیان کرتے ڈرتے تھے۔[2]

**فقہ و اجتہاد** حضرت عثمانؓ اگرچہ ابوبکر و عمرؓ و حضرت علی مرتضیٰؓ کی طرح اکابر مجتہدین میں داخل نہیں تاہم وہ شرعی اور مذہبی مسائل میں ایک مجتہدانہ حیثیت رکھتے تھے بڑے بڑے صحابہ کی طرح اُن کے اجتہادات اور فیصلے بھی کتب احادیث میں مذکور ہیں، لوگ اُن کے قول و عمل سے استناد کرتے تھے، خصوصاً حج کے ارکان و مسائل کے علم میں اُن کا پایہ بہت بلند تھا، اس علم میں اُن کے بعد حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا درجہ تھا،[3] اکثر صحابہ ان سے

[1] مسند ابن حنبل جلد اول صفحہ ۶۵ [2] ابن سعد جلد ۳ قسم اول صفحہ ۳۹ [3] بخاری کتاب الفضل ابن حنبل جلد اول صفحہ ... و غیرہ [4] ابن سعد جلد ۳ قسم اول صفحہ ۴۱

عہد خلافت میں بھی حضرت عثمانؓ سے فتوے پوچھے جاتے تھے اور پیچیدہ مسائل میں اُن کی رائے دریافت کی جاتی تھی۔

ایک دفعہ حضرت عمرؓ مکہ میں آئے اور اپنی چادر ایک ایسے شخص پر ڈال دی جو خانہ کعبہ میں کھڑا ہوا تھا، اتفاق سے اس پر ایک کبوتر بیٹھ گیا، اُنھوں نے اس خیال سے کہ چادر کو اپنی بیٹ سے گندہ نہ کر دے اس کو اڑا دیا، اور کبوتر اڑ کر دوسری جگہ جا بیٹھا، وہاں اُسکو ایک سانپ نے کاٹا اور وہ اسی وقت مرگیا، حضرت عثمانؓ کے سامنے یہ مسئلہ پیش ہوا تو اُنھوں نے کفارہ کا فتویٰ دیا، کیونکہ وہ اس کبوتر کو ایک محفوظ مقام سے غیر محفوظ مقام تک پہنچانے کے باعث ہوئے تھے۔

بیعتِ خلافت کے بعد حضرت عثمانؓ کے سامنے ہرمزان کے قتل کا مقدمہ پیش ہوا، حضرت عبید اللہ بن عمرؓ مدعا علیہ تھے، اس مقدمہ میں جو فیصلہ ہوا وہ بھی درحقیقت ایک اجتہاد پر مبنی ہے یعنی مقتول کا اگر کوئی وارث نہ ہو تو حاکم وقت اس کا ولی ہوتا ہے، چونکہ ہرمزان کا کوئی وارث نہ تھا اس لیے حضرت عثمانؓ نے بحیثیت امیرالمومنین ولی ہو کر قصاص کے بجائے دیت لینا قبول کیا، اور وہ رقم بھی اپنے ذاتی مال سے دیکر بیت المال میں داخل کر دی۔

حضرت عثمانؓ کے اجتہادات نے بعض معاملات میں سہولت پیدا کر دی، مثلاً دیت میں اونٹ دینے کا رواج تھا، حضرت عثمانؓ نے اس کی قیمت بھی دینی جائز قرار دی، اور اس کے علاوہ اور بھی چند مسائل ہیں جن کے احصار کی یہاں ضرورت نہیں۔

ان کے بعض مسائل سے دوسرے مجتہدین صحابہ کو اختلاف بھی تھا، تاہم حضرت عثمانؓ

سلہ مسند شافعی طبع مصر ص ۵، سلہ کتاب الخراج ص ۹۰

چونکہ اپنی رائے کو صحیح سمجھتے تھے اس لیے انھوں نے اپنے اجتہاد سے رجوع نہیں کیا،
مثلاً حضرت عثمانؓ لوگوں کو حج تمتع یعنی حج اور عمرہ کے لیے علحدہ علحدہ نیت کرنے سے
اس بنا پر روکتے تھے کہ اس کے جواز کی علت اب باقی نہیں رہی یعنی کفار کا خوف
لیکن حضرت علیؓ اس کو تسلیم نہیں کرتے تھے[1] اسی طرح حضرت عثمانؓ کا خیال تھا کہ اگر کوئی
حج کے موقع پر اقامت کی نیت کرلے تو منیٰ میں بھی پوری چار رکعت نماز ادا کرنا چاہیے،
حضرت علیؓ منیٰ میں قصر کرنا ضروری سمجھتے تھے حضرت عثمانؓ حالت احرام میں نکاح
کرنا جائز قرار دیتے تھے[2] کیونکہ آنحضرت صلعم سے یہ ممانعت منقول نہیں ہے لیکن
حضرت علیؓ اور دوسرے صحابہ اس کے جواز کا فتویٰ دیتے تھے، حضرت عثمانؓ اس
زن مطلقہ کو بھی جسکو طلاق بائن دی گئی ہو حالت عدت میں وارث قرار دیتے تھے
کیونکہ وہ سمجھتے تھے کہ جب تک عدت پوری نہ ہو جائے اس کا رشتہ ایک قسم کا قائم ہے،
حضرت علیؓ کو اس سے اختلاف تھا، حضرت عثمانؓ کا خیال تھا کہ اگر کوئی حالت عدت
میں کسی عورت سے نکاح کرلے تو مستوجب سزا ہے کہ قرآن نے اس کی ممانعت کی ہے،
چنانچہ ایک شخص ان کے عہد میں اس کا مرتکب ہوا تو انھوں نے اسکو جلا وطن کر دیا[3]
حضرت علیؓ اس کو کسی حد شرعی کا مستحق نہیں سمجھتے تھے، جمہور کے خلاف بعض دیگر صحابہ کی
طرح غسل جنابت کی رخصت کے لیے وہ خروج منی کو ضروری کہتے تھے[4] غرض اسی طرح بعض
اور مسائل میں بھی حضرت علیؓ اور دوسرے صحابہ کرام کو اختلاف تھا، لیکن اس سے یہ نہیں
سمجھنا چاہیے کہ یہ اختلاف کسی مخاصمت پر مبنی تھا، بلکہ ان بزرگوں کی رواداری اور
صفائی قلب کا یہ حال تھا کہ جب حضرت عثمانؓ نے منیٰ میں دو رکعت کے بجائے پوری

[1] مسند ابن حنبل جلد ۱ صفحہ [illegible] [2] مسند ابن حنبل جلد ۱ صفحہ [illegible] [3] مشکل الآثار [illegible] صفحہ [illegible]
[4] [illegible]

چار رکعت نماز ادا کی تو حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا "اگرچہ میرے خیال میں قصر ضروری ہے لیکن میں خلافت امیرالمومنین کی مخالفت نہیں کروں گا چنانچہ دو رکعت کے بجائے پوری چار رکعت پڑھی اسی طرح حضرت عثمانؓ کو معلوم ہوا کہ بعض مسائل میں دوسرے صحابہ کو اختلاف ہے تو فرمایا کہ "ہر شخص کو اختیار ہے جو حق نظر آئے اس پر عمل کرے میں کسی کو اپنی رائے ماننے پر مجبور نہیں کرتا"۔ بعض ناواقفوں نے حضرت عثمانؓ کے کسی مسئلہ پر اعتراض کیا تو فرمایا ہم لوگ خدا کی قسم سفر میں آنحضرت صلعم کے ساتھ رہتے تھے، اگر بیمار ہوتے تو آپ عیادت کرتے، ہمارے جنازوں کے پیچھے چلتے، ساتھ ہو کر لیکر جہاد کرتے تھے، کم و بیش جو کچھ ہوتا اس میں ہمدردی فرماتے، اب ایسے لوگ ہم کو آپ کی سنت سکھانا چاہتے ہیں جنھوں نے شاید آپ کی صورت بھی نہ دیکھی ہو[1]

**علم فرائض** حضرت عثمانؓ کو چونکہ تجارتی کاروبار سے ہمیشہ سابقہ پڑتا تھا، اس لیے یقیناً ان کو علم حساب سے خاص لگاؤ بھی ہوگا۔ اسی بنا پر فرائض یعنی علم تقسیم ترکہ سے ان کو خاص مناسبت تھی، اس فن کی تدوین اور ترتیب میں حضرت زید بن ثابتؓ کے ساتھ ان کا ہاتھ بھی شامل ہے، قرآن شریف میں ذوی الفروض اور بعض عصبات کا ذکر ہے، حضرت عثمانؓ اور زید بن ثابتؓ نے اپنی مجتہدانہ قوت سے اسی کو بنیاد قرار دیکر موجودہ علم فرائض کی عمارت قائم کر دی[2] یہ دونوں اپنے زمانہ میں اس فن کے امام سمجھے جاتے تھے، عہد صدیقی اور عہد فاروقی میں وراثت کے جھگڑوں کا فیصلہ بھی کرتے تھے اور تمام مشکل عقدوں کو حل فرماتے تھے، بعض صحابہ کو یہاں تک خوف تھا کہ ان دونوں کی وفات سے فرائض کا علم ہی جاتا رہے گا۔

---

[1] مسند احمد بن حنبل جلد اول صفحہ ۶۸ [2] کنز العمال جلد ۶ صفحہ ۹

# اخلاق و عادات

حضرت عثمانؓ فطرۃً عفیف، پارسا، دیانت دار اور راستباز پیدا ہوئے تھے، حیا اور رحمدلی اُن کی خاص شان تھی، ایام جاہلیت میں جبکہ عرب کا ہر بچہ مست شراب تھا، اُس وقت بھی عثمان ذوالنورینؓ کی زبان بادۂ گلگوں کے ذائقہ سے ناآشنا تھی، بدعت افترا، فسق و فجور عالمگیر تھا، لیکن آپ کا دامن اس وقت بھی ان دھبوں سے آلودہ نہیں ہوا تھا، حضرت ایمان نصیب ہوا تو رسول اللہؐ کی صحبت نے ان اوصاف کو اور بھی چمکا دیا۔

**خوف خدا** خوف خدا تمام محاسن کا سرچشمہ ہے، جو دل خدا کی ہیبت و جلال سے لرزاں و ترساں نہیں اُس سے کسی نیکی کی امید نہیں ہو سکتی، حضرت عثمانؓ کو خوف خدا [illegible] آبدیدہ رہتے، موت، قبر اور عاقبت کا خیال ہمیشہ دامنگیر رہتا، سامنے سے جنازہ گذرتا تو کھڑے ہو جاتے اور بے اختیار آنکھوں سے آنسو نکل آتے، مقبروں سے گذرتے تو اس قدر روتے کہ داڑھی تر ہو جاتی، لوگ کہتے کہ دوزخ و جنت کے تذکرہ سے تو آپ پر اس قدر رقت طاری نہیں ہوتی، آخر مقبروں میں کیا خاص بات ہوتی ہے کہ آپ بیقرار ہو جاتے ہیں؟ فرماتے کہ آنحضرت صلعم کا ارشاد ہے کہ قبر آخرت کی سب سے پہلی منزل ہے، اگر یہ مرحلہ آسانی سے طے ہو گیا تو پھر تمام منزلیں آسان ہیں اور اگر اس میں دشواری پیش آئی تو پھر تمام مرحلے دشوار ہو گئے۔[1]

---

[1] کنز العمال ج [illegible] ص [illegible] و مسند ابن حنبل ج [illegible] ص [illegible]

**حب رسول** حضرت عثمانؓ تقریباً تمام غزوات میں شریک رہے اور رسول اللہ صلعم کی فدویت جاں نثاری کا حق ادا کیا،

محبت کا خاصہ ہے کہ محبوب کی تکلیف سے دل کی تڑپ بڑھ جاتی ہے، اس بنا پر حضرت عثمانؓ اپنے محبوب آقا کی فقیرانہ اور زاہدانہ زندگی دیکھ کر سخت بیقرار رہتے، اور جب کبھی موقع پاتے تحائف کے ذریعہ سے اس عسرت کو کم کرنے کی کوشش کرتے، ایک دفعہ چار دن تک آل رسول نے فقر و فاقہ سے بسر کیا، حضرت عثمانؓ کو معلوم ہوا تو آنکھوں سے آنسو نکل آئے اور اسی وقت بہت سا سامان خورد و نوش اور تین سو درہم نقد بطور نذر کے پیش کیا،[1]

**رسول کا ادب** آنحضرت صلعم کا ادب و احترام اس قدر ملحوظ تھا کہ جس ہاتھ سے بیعت کی تھی اس کو نجاست یا مکل نجاست سے مس نہ ہونے دیا کہ اس میں بھی شان بے ادبی تھی، آل رسول اور ازواج مطہراتؓ کا خاص طور سے پاس و خیال تھا، چنانچہ عہد خلافت میں اصحاب باختلاف مراتب کے لیے وظائف مقرر کیے گئے تو ازواج مطہراتؓ کا روزینہ سب سے دونا مقرر کیا،[2]

**اتباع سنت** حضرت عثمانؓ کو جناب سرور کائنات کی ذات پاک سے جو مخصوص ارادت و محبت تھی اس کا لازمی نتیجہ یہ تھا کہ وہ اپنے قول و فعل بلکہ حرکات و سکنات اور اتفاقی باتوں میں بھی اپنے محبوب آقا کی اتباع کو پیش نظر رکھتے تھے، ایک دفعہ وضو کرکے مسکرائے، لوگوں نے اس بے موقع تبسم کی وجہ پوچھی تو فرمایا کہ میں نے ایک دفعہ آنحضرت صلعم رسول خدا کو اسی طرح وضو کرکے مسکراتے ہوئے دیکھا تھا،[3] ایک دفعہ مسجد کے

---

[1] کنز العمال ج [illegible] ص [illegible] [2] طبری ص [illegible] [3] مسند ابن حنبل ج [illegible] ص [illegible]

زہد: حضرت عثمانؓ اگرچہ کچھ اپنی خلقی ناتوانی اور ضعف و پیری کے باعث اور کسی قدر اس سبب سے کہ انھوں نے ناز و نعمت کی زندگی میں پرورش پائی تھی ہلکی غذا اور نرم پوشاک استعمال کرنے پر مجبور تھے، اور فاروق اعظمؓ کی طرح موٹا جھوٹا کپڑا اور روکھا پھیکا کھانا نہیں کھا سکتے تھے لیکن اس سے یہ قیاس نہیں کرنا چاہیے کہ حضرت عثمانؓ عیش و تنعم کے گرویدہ تھے بلکہ انھوں نے باوجود غیر معمولی دولت و ثروت کے کبھی امیرانہ ٹھاٹھ نہیں جمایا اور نہ کبھی صرف زیب و زینت کی چیزیں استعمال کیں قز ایک قسم کا ریشمی کپڑا تھا جو نہایت خوش وضع و زرق برق کا ملبوس عام لباس تھا امرا تو امرا متوسط درجے کے لوگ بھی اس کو پہننے لگے تھے لیکن حضرت عثمانؓ نے کبھی اس کو استعمال نہ فرمایا اور نہ اپنی بیویوں کو استعمال کرنے دیا۔

تواضع: تواضع اور سادگی کا یہ عالم تھا کہ گھر میں سیکڑوں لونڈی اور غلام تھے لیکن اپنا کام آپ ہی کر لیتے اور کسی کو تکلیف نہ دیتے، رات کو تہجد کیلیے اٹھتے اور کوئی بیدار نہ ہوتا تو خود ہی وضو وغیرہ کا سامان کر لیتے اور کسی کو جگا کر اسکی نیند خراب نہ فرماتے اور کوئی درشت کلامی کرتا تو آپ نرمی سے جواب دیتے ایک دفعہ عمرو بن العاصؓ نے اثنائے گفتگو میں حضرت عثمانؓ کے والد کی شرافت پر حملہ کیا حضرت عثمانؓ نے نرمی سے جواب دیا کہ عہد اسلام میں زمانہ جاہلیت کا کیا تذکرہ ہے۔[1] ایک دفعہ جمعہ کے روز منبر پر خطبہ دے رہے تھے کہ ایک طرف سے آواز آئی عثمانؓ! توبہ کرو اور اپنی بے اعتدالیوں سے باز آؤ حضرت عثمانؓ نے اسی وقت قبلہ رخ ہو کر ہاتھ اٹھایا اور کہا
اللهم انی اول تائب تاب — یعنی اے خدا میں پہلا توبہ کرنے والوں میں سے

[1] طبری ص ۲۹۶۶

الہیقش ؛ تیری رگ جان میں رچ بس گیا

ایثار! اپنے ذاتی فائدہ پر دوسروں کے فوائد کو ترجیح دینا اخلاق انسانی کا منتہائے کمال ہے۔ حضرت عثمانؓ کی زندگی میں اس وصف کامل کا سب سے زیادہ روشن کارنامہ یہ ہے کہ اُنھوں نے اپنے ایام خلافت میں اس سعادت کیلیے بیت المال سے ایک حبہ نہیں لیا اور اس طرح گویا اپنا مقررہ وظیفہ عام مسلمانوں کیلیے چھوڑ دیا۔

حضرت عمرؓ کا سالانہ وظیفہ پانچ ہزار درہم سالانہ تھا اس حساب سے حضرت عثمان غنیؓ اپنے دوازدہ سالہ مدت خلافت میں ساٹھ ہزار درہم کی گراں قدر رقم مسلمانوں کے لیے چھوڑ دی جو درحقیقت ایثار نفس کا نہایت ہی اعلیٰ نمونہ ہے۔

فیاضی حضرت عثمانؓ عرب میں سب سے زیادہ دولتمند تھے اس کے ساتھ خدا نے فیاض طبع بھی بنایا تھا اس لیے اُنھوں نے عدیم النظیر فیاضیاں ظاہر کیں اور اپنے مال و دولت سے اس وقت اسلام کو فائدہ پہونچایا جب کہ اس امت میں کوئی دوسرا ان کا ہمسر موجود نہ تھا۔

مسلمان ہجرت کر کے مدینہ آئے تو پانی کی سخت تکلیف تھی اور تمام شہر میں صرف بیر رومہ ایک ایسا کنواں تھا جس کا پانی پینے کے لائق تھا لیکن اس کا مالک ایک یہودی تھا جس نے اسکو ذریعہ معاش بنا رکھا تھا۔ حضرت عثمانؓ نے رفاہ عام کے خیال سے اسکو بیس ہزار درہم میں خرید کر وقف کر دیا۔ اسیطرح جب مسلمانوں کی کثرت ہوئی اور مسجد نبوی میں جگہ کی تنگی کے باعث نمازیوں کو تکلیف ہونے لگی تو حضرت عثمانؓ نے ایک گراں قدر رقم صرف کر کے اسکی توسیع کی۔

سلہ طبری صفحہ ۳۰۰۴، سلہ طبری ص ۳۰۰۹ ؛

احباب مخلصین کے ساتھ بھی نہایت فیاضانہ برتاؤ تھا، ضرورت کے وقت بڑی بڑی رقمیں قرض دیتے تھے اور بسا اوقات واپس نہیں لیتے تھے ایک دفعہ حضرت طلحہؓ نے ایک بڑی رقم قرض لی، کچھ دنوں کے بعد واپس دینے آئے تو لینے سے انکار کر دیا اور فرمایا کہ یہ تمہاری مروت کا صلہ ہے۔[1]

صبر و تحمل | مصائب و آلام کو نہایت صبر و سکون کے ساتھ برداشت کرتے تھے، شہادت کے سرتاپا جاں نثار دن تک جس بردباری، ضبط اور تحمل کا اظہار ہوا وہ اپنی آپ نظیر ہے سیکڑوں جان نثار غلام اور ہزاروں ساعادت انصار سرفروشی کے لیے تیار تھے مگر اس اولوالعزم وقت نے خونریزی کی اجازت نہ دی، وہ اپنے اخلاق کریمانہ کا آخری منظر تھا کہ ہمیشہ کے لیے دنیا سے روپوش ہو گیا۔

مذہبی زندگی | دن کے وقت مہمات خلافت میں مصروف رہتے اور رات کا اکثر حصہ عبادت و ریاضت میں بسر کرتے تھے کبھی کبھی رات بھر جاگتے اور ایک ہی رکعت میں پورا قرآن ختم کر دیتے تھے۔[2]

دوسرے تیسرے دن عموماً روزے رکھتے تھے کبھی کبھی مہینوں مسلسل رہتے اور شب کے وقت صرف اتنا کھا لیتے تھے کہ سد رمق کے لیے کافی ہو۔

ہر سال حج کے لیے تشریف لے جاتے اور خود امیر حج کے فرائض انجام دیتے تھے خصوصاً ایام خلافت میں کوئی سال حج سے خالی نہیں گذرا، البتہ جس سال شہید ہوئے اس سال محصور ہونے کے باعث مجبور ہو گئے۔

---

[1] طبری صفحہ ۳۰۴۲

[2] ابن سعد

# ذاتی حالات

**مسکن** | ہم لکھ آئے ہیں کہ حضرت عثمانؓ ہجرت کرکے مدینہ تشریف لائے تو حضرت اوس بن ثابتؓ کے مہمان ہوئے اور غالباً عرصہ تک انھیں کے مکان میں مقیم رہے، انکے بعد اپنے عہد خلافت میں مسجد نبوی کے قریب ایک نہایت عظیم الشان محل تعمیر کیا جو عظمت شان میں مدینہ کی تمام عمارتوں سے ممتاز تھا، اور اب بھی سیدنا عثمانؓ کے نام سے مدینہ میں مشہور ہے اور یہ حصہ مغربی حاجیوں کا زاویہ ہے، اور وہاں کتب خانہ قائم ہے جس کا نام تکیہ سیدنا عثمانؓ ہے، مسجد نبوی کی پشت پر گلی کی دوسری طرف ایک مکان کے دروازے پر خمسہ سیدنا عثمانؓ کا کتبہ لگا ہے۔

**ذرائع معاش** | معاش کا اصلی ذریعہ تجارت تھا، عرب میں کوئی ان سے بڑا دولتمند تاجر نہ تھا، چنانچہ اس غیر معمولی دولت و ثروت کے باعث ان کو غنی کا خطاب دیا گیا تھا۔

**جاگیر** | فتح خیبر کے بعد رسول اللہ صلعم نے تمام صحابہ کو جو شریک معرکہ تھے جاگیریں عطا کی تھیں، حضرت عثمانؓ کے حصہ میں بھی ایک قطعہ زمین آیا تھا، اس کے علاوہ انھوں نے مختلف اوقات میں جائدادیں خریدی تھیں، مدینہ سے قریب مقام جرف میں بھی ایک نہایت وسیع قطعہ خریدا تھا جسکو انھوں نے قبرستان کے لیے وقف فرمادیا تھا۔

**زراعت** | جہاں تک معلوم ہے حضرت عثمانؓ خود زراعت نہیں فرماتے تھے بلکہ اپنی زمین کو بٹائی پر دیتے تھے کہ پیداوار میں سے دو ثلث کاشتکار کو ملتا تھا اور صرف ایک ثلث

آپ کا حق ہوتا تھا:

**غذا** | ضعف اور پیری کے باعث غذا عموماً نرم پکی اور زود ہضم تناول فرماتے تھے،
دستر خوان پر عموماً اعزہ و احباب کا مجمع رہتا تھا۔

**نفاست** | مزاج میں بہت نفاست پسندی تھی، جب سے مسلمان ہوئے روزانہ غسل کیا کرتے تھے[1]
(ابن حنبل ج ۱ ص ۷۳) ہمیشہ اچھے کپڑے پہنتے تھے، عمدہ کپڑے تھے ابن سعد

**لباس** | ابن سعد نے آپ کے لباس کا خاص عنوان باندھا ہے گو آپ اچھے کپڑے
استعمال فرماتے تھے لیکن اس میں بیہودہ تکلفات کو دخل نہیں ہوتا تھا خصوصاً ایسے کپڑوں
سے نہایت پرہیز کرتے تھے جس سے مزاج میں غرور و تکبر اور خود بینی کا مادہ پیدا ہو جاتا ہے
فقط ایک خاص قسم کا ردائی کپڑا تھا جو اس زمانہ میں عموماً نہایت مطبوع تھا لیکن
انھوں نے کبھی اس کو استعمال نہیں کیا اور صرف اپنی بیویوں کو پہننے دیا، تمام عمر انھوں نے پاجامہ
نہیں پہنا صرف شہادت کے وقت ستر کے خیال سے پہن لیا، عموماً تہبند باندھا کرتے، ایک تابعی
روایت کرتے ہیں کہ جمعہ کے روز منبر پر ان کو دیکھا تو جو موٹا تہبند وہ پہنتے تھے اس کی قیمت
پانچ درہم یا ایک ٹیپے سے زیادہ نہ تھی[2]۔

**حلیہ** | حضرت عثمان خوش رو اور خوبصورت تھے، حلیہ یہ تھا، رنگ گندم گوں، قد معتدل، ناک بلند، اور
چہرہ رخسارے پر گوشت اور ان پر چیچک کے ہلکے ہلکے داغ، داڑھی گھنی اور طویل،
سر کے بال گھنے اور بڑے بڑے یہاں تک کہ زلف کانوں تک پہنچتی تھی، بعض روایت
کے مطابق بالوں میں خضاب فرماتے تھے، دانت پیوستہ اور سونے کے تار سے
باندھ کر مضبوط کیا گیا تھا۔

۱ مستدرک حاکم جلد ۳ صفحہ ۹۶، ۲ ابن حنبل جلد اول صفحہ ۷۳، ۳ مستدرک حاکم جلد ۳ صفحہ ۹۶

ازدواج و اولاد | مختلف اوقات میں متعدد شادیاں کیں پہلی بیوی آنحضرت صلعم کی صاحبزادی
حضرت رقیہ تھیں حبشہ کی ہجرت میں وہ آپ کے ساتھ تھیں، جب آپ نے مدینہ منورہ کی ہجرت
میں بھی شریک تھیں یہاں ایک سال زندہ رہیں ۲ھ میں غزوۂ بدر کے موقع پر وفات پائی
ان سے عبداللہ نام ایک فرزند تولد ہوا تھا جس نے بچپن ہی میں وفات پائی
اس کے بعد آنحضرت صلعم کی چھوٹی صاحبزادی حضرت ام کلثوم سے ۳ھ میں نکاح
ہوا، نکاح کے بعد چھ سات برس زندہ رہیں ۹ھ میں وفات پائی ان سے کوئی
اولاد نہیں ہوئی

اس کے بعد حسب ذیل نکاح کیے۔

فاختہ بنت غزوان ان کے بطن سے بھی ایک فرزند تولد ہوا عبداللہ نام تھا لیکن وہ بھی
بچپن ہی میں فوت ہوگیا، ام عمرو بنت جندب ان کے بطن سے عمرو، خالد، ابان، عمر و
مریم پیدا ہوئے، فاطمہ بنت ولید، یہ حضرت عثمان کے صاحبزادے ولید اور سعید کی ماں تھیں
ام البنین بنت عیینہ ان سے عبدالملک پیدا ہوئے انہوں نے بھی بچپن ہی میں وفات
پائی، رملہ بنت شیبہ، عائشہ، ام ابان اور ام عمرو ان کے بطن سے تولد ہوئیں، نائلہ بنت فرافصہ
شہادت کے وقت موجود تھیں ان کے بطن سے مریم بنت عثمان پیدا ہوئیں
صاحبزادوں میں سب سے بڑے حضرت ابان تھے انہوں نے بنو امیہ کے عہد میں
نہایت اعزاز پایا

رضی اللہ عنہ

# امیر المومنین حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ

**نام و نسب، خاندان** علی نام، ابو الحسن اور ابوتراب کنیت، حیدر[1] و اظہر لقب، امیر المومنین خطاب، والد کا نام ابوطالب اور والدہ کا نام فاطمہ تھا، پورا سلسلۂ نسب یہ ہے: علی بن ابی طالب بن عبد المطلب بن ہاشم بن عبد مناف بن قصی بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لوی، چونکہ ابوطالب کی شادی اپنے چچا کی لڑکی سے ہوئی تھی اس لیے حضرت علیؓ نجیب الطرفین ہاشمی اور آنحضرت صلعم کے حقیقی چچا زاد بھائی تھے۔

خاندان ہاشم کو تمام عرب اور خصوصاً قبیلۂ قریش میں جو وقعت و عظمت حاصل تھی وہ محتاج اظہار نہیں، خانۂ کعبہ کی خدمت اور اس کا اہتمام بنو ہاشم کا مخصوص طغرائے امتیاز تھا اور اسی شرف کے باعث ان کو تمام عرب میں مذہبی سیادت حاصل تھی۔

حضرت علی مرتضیٰؓ کے والد ابوطالب گو کہ ایک نہایت ذی اثر بزرگ تھے، آنحضرت صلعم نے انہیں کی آغوش شفقت میں پرورش پائی تھی اور بعثت کے بعد انہیں کے زیر حمایت مکہ کے کفرستان میں بلند آہنگی کے ساتھ دعوت حق کا اعلان کیا تھا، ابوطالب ہر موقع پر سینہ سپر ہوئے اور سرور کائنات صلعم کو مخالفین کے تیغ ظلم و ستم سے محفوظ رکھا، مشرکین قریش نے رسول اللہ صلعم کی پشت پناہی اور حمایت کے باعث ابوطالب اور ان کے خاندان کو طرح طرح کی تکلیفیں پہنچائیں، ایک گھاٹی میں محصور کر دیا، کاروبار اور لین دین بند کر دیا، شادی بیاہ کے تعلقات منقطع کر لیے، غرض ہر طرح پریشان کیا مگر اس نیک طینت بزرگ

[1] صحیح مسلم کتاب الجہاد باب غزوۂ ذی قرد وغیرہ۔

تھے معاش کی تنگی نے نہایت پریشان کر رکھا تھا، تو وہ قحط سالی نے اس مصیبت میں اور بھی
اضافہ کر دیا، اس لیے رحمۃ للعالمین ﷺ نے اپنے چچا کی عسرت سے متاثر ہو کر حضرت عباسؓ سے فرمایا
کہ ہم کو اس مصیبت و پریشان حال میں ابوطالب کا ہاتھ بٹانا چاہیے، حضرت عباسؓ نے
حسب ارشاد جعفرؓ کی کفالت اپنے ذمہ لی اور سرور کائنات ﷺ کی نگاہ انتخاب نے علیؓ کو پسند
کیا، چنانچہ وہ اس وقت سے برابر حضور پرنور کے ساتھ رہے۔ ؎

اسلام: حضرت علیؓ کا سن ابھی صرف دس سال کا تھا کہ ان کے شفیق مربی کو خداوند کی
سے نبوت کا منصب عطا ہوا، اور چونکہ حضرت علیؓ ہمیشہ ساتھ رہتے تھے اس لیے انکو اسلام
کے مذہبی مناظر سب سے پہلے نظر آئے، چنانچہ ایک دن آنحضرت صلعم اور ام المومنین حضرت
خدیجۃ الکبریٰؓ کو مصروف عبادت دیکھا، اس مؤثر منظر سے متاثر ہو کر طفلانہ استعجاب کے ساتھ پوچھا
آپ دونوں کیا کر رہے تھے؟ حضرت سرور کائنات نے اپنے منصب گرامی کی خبر دی اور
کفر و شرک کی مذمت کر کے توحید کی دعوت دی، حضرت علیؓ کے کان ایسی باتوں سے آشنا
نہ تھے متحیر ہو کر عرض کی کہ اپنے والد ابوطالب سے اسکے متعلق دریافت کر لوں گا، چونکہ سرور
کائنات کو ابھی اعلان عام منظور نہ تھا، اس لیے فرمایا کہ اگر تمہیں تامل ہے تو خود غور کرو لیکن
کسی سے اس کا تذکرہ نہ کرنا، غرض اس کمسن نونہال کے آئینہ خیال میں حق و باطل کی معرکہ
آرائی شروع ہوئی اور ایک شب و روز کی مسلسل جد و جہد نے حق کو نمایاں کیا، دوسرے دن صبح
ہوئی تو وہ اسی وقت بارگاہ نبوت میں حاضر ہو کر مشرف باسلام ہوئے۔ ؎

اس باب میں اختلاف ہے کہ حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ کے بعد سب سے پہلے کون ایمان لایا
روایات سے حضرت ابوبکرؓ کی، بعض سے حضرت علیؓ کی اولیت ظاہر ہوتی ہے، بعضوں کے خیال میں حضرت زید بن

؎ زرقانی جلد ۱ صفحہ ۲۰۰ ؎ اسد الغابہ تذکرہ حضرت علیؓ

حارثہ کا ایمان سب پر مقدم ہے لیکن محققین نے ان مختلف احادیث میں اس طرح تطبیق دی ہے کہ اولیت میں حضرت خدیجہؓ عورتوں میں، حضرت ابوبکر صدیقؓ مردوں میں، حضرت زید بن حارثہؓ غلاموں میں اور حضرت علیؓ بچوں میں سب سے پہلے ایمان لائے۔

**مکی زندگی** اسلام قبول کرنے کے بعد حضرت علیؓ کی زندگی کے تیرہ سال مکہ معظمہ میں بسر ہوئے چونکہ وہ رات دن سرور کائنات کے ساتھ رہتے تھے اس لیے مشورہ کی مجلسوں میں، تعلیم و ارشاد کے مجمعوں میں، کفار و مشرکین کے مباحثوں میں اور معبود حقیقی کی عبادت و پرستش میں غرض ہر قسم کی صحبتوں میں شریک رہے۔

حضرت عمرؓ کے اسلام قبول کرنے سے پہلے سرزمین مکہ میں مسلمانوں کے لیے علانیہ خدا کا نام لینا اور اس کی عبادت و پرستش کرنا تقریباً ناممکن تھا، آنحضرت صلعم چھپ کر اپنے معبود حقیقی کی پرستش فرماتے اور حضرت علیؓ بھی ان مخفی عبادتوں میں شریک ہوتے۔ ایک دفعہ وادی نخلہ میں حسب معمول مصروف عبادت تھے کہ اتفاق سے ابو طالب کا گذر ہوا، اپنے معصوم بھتیجے اور نیک بخت بیٹے کو مصروف عبادت دیکھ کر پوچھا کیا کرتے ہو؟ آنحضرت صلعم نے کلمۂ حق کی دعوت دی تو کہنے لگے کہ اس دین میں کوئی ہرج نہیں لیکن مجھ سے نہیں ہو سکتا۔[1]

ایام حج میں مکہ کی سرزمین تمام قبائل عرب کا مرجع ہوتی تھی، اس لیے آنحضرت صلعم حضرت ابوبکر صدیقؓ کو ہمراہ لے کر عام مجمعوں میں تشریف لے جاتے تھے اور تبلیغ اسلام کا فرض ادا کرتے تھے، اس وقت حضرت علیؓ اگرچہ اپنی طفولیت کے باعث کوئی اہم خدمت انجام دینے کے قابل نہ تھے، تاہم کبھی کبھی ساتھ ہو جاتے تھے، کبھی کبھی آنحضرت صلعم کے ساتھ

[1] مسند ابن حنبل جلد ا صفحہ ۹۹، کنز العمال جلد ۶ صفحہ ۳۹۰۔

خانۂ کعبہ تشریف لے جاتے اور بتون کو توڑ پھوڑ کر جیب داز کر دیتے تھے۔

انتظام دعوت

منصب نبوت عطا ہونے کے بعد آنحضرت نے تین برس تک علانیہ دعوت اسلام کی صدا بلند نہین فرمائی بلکہ پوشیدہ طریقہ پر خاص خاص لوگون کو اسکی ترغیب دیتے رہے چوتھے سال حکم ہوا کہ اسلام کا عام اعلان کر دین اور سب سے پہلے اپنے قریبی رشتہ داروں سے ابتدا کرین چنانچہ یہ آیت نازل ہوئی۔

وانذر عشیرتک الاقربین — اپنے قریبی اہلکو عذاب الٰہی سے ڈراؤ

سرور کائنات نے اس حکم کے موافق کوہ صفا پر چڑھکر اپنے خاندان کے سامنے دعوت اسلام کی صدا بلند کی لیکن مدت کا زنگ ایک دن کے صیقل سے نہین دور ہو سکتا تھا ابولہب نے کہا تبالک اسی لیے تو نے ہم لوگون کو جمع کیا تھا اس کے بعد آنحضرت نے ایک مرتبہ پھر اپنے خاندان مین تبلیغ اسلام کی کوشش فرمائی اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو انتظام دعوت کی خدمت پر مامور کیا۔

حضرت علیؓ کی عمر اس وقت مشکل سے چودہ پندرہ برس کی تھی لیکن انھون نے اس کمسنی کے باوجود نہایت اچھا انتظام کیا دستر خوان پر صرف بکری کے پائے اور دودھ تھا دعوت مین تمام خاندان شریک تھا جنکی تعداد ۴۰ تھی حضرت حمزہؓ عباسؓ ابولہب اور ابوطالب بھی شریک تھے لوگ کھانے سے فارغ ہو چکے تو آنحضرت صلعم نے اٹھکر فرمایا

یا بنی عبد المطلب خدا کی قسم مین تمہارے سامنے دنیا اور آخرت کی بہترین نعمت پیش کرتا ہون بولو تم مین سے کون اس خیر پر میرا ساتھ دیتا ہے کہ وہ میرا معاون و مددگار رہیگا " سب چپ رہے لیکن شیر خدا علی مرتضیٰؓ نے اٹھکر کہا گو مین عمر مین سب سے چھوٹا ہون اور گو

---

سلہ مسند ابن حنبل جلد ۱ صفحہ ۱۵۹

مجھے آشوب چشم کا عارضہ ہے اور میری ٹانگیں پتلی ہیں [1] تاہم میں آپ کا یار و مددگار و دست و بازو ہونگا۔ آنحضرت صلعم نے فرمایا تم بیٹھ جاؤ اور یہ کہکر پھر لوگوں سے خطاب کیا لیکن کسی نے جواب نہیں دیا۔ حضرت علیؓ پھر اٹھے، آنحضرت صلعم نے اس دفعہ بھی ان کو بٹھا دیا یہانتک کہ جب تیسری دفعہ بھی اس بار گراں کا اٹھانا کسی نے قبول نہیں کیا اور حسب معمول اس مرتبہ بھی حضرت علیؓ نے جانبازی کے لہجہ میں انہی الفاظ کا اعادہ کیا تو ارشاد ہوا کہ بیٹھ جاؤ تو میرا بھائی اور میرا وارث ہے۔

**ہجرت** بعثت کے بعد تقریباً تیرہ برس تک رسول اللہ صلعم نے مکہ کی گلیوں میں اسلام کی صدا بلند کی لیکن مشرکین قریش نے لبیک کہنے کے بجائے اس کا جواب محض بغض و عناد سے دیا اور آپ کے فدائیوں پر طرح طرح کے مظالم کیے یہاں تک کہ رحمۃ للعالمین نے اپنے جان نثاروں کی یہ بیخ جور و جفا دیکھکر آہستہ آہستہ سب کو مدینہ چلے جانے کا حکم دیا، چنانچہ چند نفوس قدسیہ کے سوا مکہ مسلمانوں سے خالی ہوگیا۔ اس ہجرت سے مشرکین کو اندیشہ ہوا کہ اب مسلمان ہمارے حیطۂ اقتدار سے باہر ہوگئے ہیں، اس لیے بہت ممکن ہے کہ وہ اپنی قوت مضبوط کرکے ہم سے انتقام لیں، چنانچہ اس خطرہ نے ان کو خود رسول مقبول صلعم کی جان کا دشمن بنا دیا اور ایک روز مشورہ کرکے رات کے وقت کاشانۂ نبوت کی طرف چلے کہ مکہ چھوڑنے سے پہلے اس ذات اقدس کو دنیا سے رخصت کر دیں لیکن مشیت الٰہی تو یہ تھی کہ یہ تمام عالم حقانیت کے نور سے منور ہو اور توحید کی روشنی شرک کی ظلمت کو کافور کر دے اس لیے اس مقصد کی تکمیل سے پہلے آفتاب رسالت کس طرح غروب ہو سکتا تھا غرض وحی الٰہی نے مشرکین

---

[1] طبری ص [illegible] یہ حدیث ابن اسحٰق کی ہے جو با اختلاف الفاظ مذکور ہے دیکھو جلد [illegible] صفحہ [illegible] مگر اس کی سند میں محدثین نے کلام کیا ہے

کے ارادوں سے اطلاع دی اور ہجرت مدینہ کا حکم ہوا۔ سرور کائنات نے اس خیال سے کہ مشرکین کو شبہ نہ ہو حضرت علی مرتضیٰ کو اپنے فرشِ اطہر پر استراحت کا حکم دیا اور خود حضرت ابوبکر صدیق کو ساتھ لیکر مدینہ منورہ کی طرف روانہ ہوئے

**فدویت و جاں نثاری کا ایک عدیم المثال کارنامہ**

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی عمر اس وقت زیادہ سے زیادہ بائیس تئیس برس کی تھی اس عنفوانِ شباب میں اپنی زندگی کو قربانی کیلئے پیش کرنا فدویت و جاں نثاری کا عدیم المثال کارنامہ ہے۔ رات بھر مشرکین کا محاصرہ رہا ہر طرف برہنہ تلواروں کی جھنکار اور چمک سے ظلمتِ شب میں رعد و برق کا دھوکا ہوتا تھا لیکن یہ نوجوان اس مسرت و اطمینان کے ساتھ فرشِ اطہر پر سبز چادر اوڑھے محوِ خواب تھا کہ اگر اس راہ میں جان گئی تو اس سے زیادہ اور کیا سعادت ہو سکتی ہے۔ غرض تمام رات مشرکین قریش اس دھوکے میں رہے کہ خود حضرت سرورِ کائنات استراحت فرما ہیں۔ صبح ہوئی تو حسبِ قرارداد اپنے ارادہ کی تکمیل کیلئے اندر آئے لیکن یہاں یہ دیکھ کر ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے کہ خفتۂ دو عالم کے بجائے آپ کا ایک جاں نثار اپنے آقا پر قربان ہو جانے کے لیے سرکف سو رہا ہے۔ مشرکین اپنی غفلت پر سخت برہم ہوئے اور اس فدائی کو چھوڑ کر اصل مقصود کی تلاش و جستجو میں سرگرداں پھرنے لگے

حضرت علی کرم اللہ وجہہ آنحضرت صلعم کے تشریف لیجانے کے بعد وہاں تین دن تک مکہ میں مقیم رہے۔ اس عرصہ میں آنحضرت صلعم کا جن لوگوں سے کاروبار و لین دین تھا حسبِ ہدایت اُن سے فراغت حاصل کی اور تیسرے یا چوتھے وطن کو خیرباد کہکر عازمِ مدینہ ہوئے

اس زمانہ میں حضرت سرورِ کائنات حضرت کلثوم بن ہدم کے مہمان تھے اس لیے حضرت

---

سلہ مستدرک حاکم جلد ۳ صفحہ ۴

ملاقعہ بن اشعی کے مکان میں جاکر فروکش ہوئے[1]، رسول اللہ صلعم نے باہم مہاجرین میں بھائی چارہ کرایا تو اُن کو اپنا بھائی بنایا[2]۔

تعمیر مسجد | مدینہ کا اسلام مکہ کی طرح بے بس و مجبور نہ تھا بلکہ یہ آزادی و حریت کی سرزمین تھی جہاں ہر شخص علانیہ خدائے واحد کی پرستش کرسکتا تھا اور احکام شرعیہ کا نہایت اطمینان کے ساتھ پابند ہوسکتا تھا اس کے ساتھ مسلمانوں کی تعداد بھی روز بروز بڑھتی گئی جہاں تک کہ ہجرت کے پہلے ہی سال آپ نے سرورِ کائنات کو ایک مسجد تعمیر کرنے کا خیال پیدا ہوا، چنانچہ اسکی بنیاد رکھی اور آنحضرت صلعم نے اپنے رفقاء کے ساتھ خود اسکی تعمیر میں حصہ لیا، تمام صحابہ جوش کے ساتھ شریک کار تھے، حضرت علی کرم اللہ وجہہ اینٹ اور گارا لالا کر دیتے تھے اور جوش کے ساتھ یہ رجز پڑھتے تھے[3]

| | |
|---|---|
| لا یستوی من یعمر المساجدا | جو مسجد تعمیر کرتا ہے اور کھڑے ہوکر اور بیٹھ کر اس میں مشغول رہتا ہے |
| یدأب فیہ قائما و قاعدا | اور جو گرد و غبار کے باعث اس کام سے بچ کر جاتا ہے |
| ومن یری عن الغبار حائدا | دونوں برابر نہیں ہوسکتے، |

## غزوات اور دیگر حالات

غزوۂ بدر | سلسلۂ غزوات میں سب سے پہلا معرکہ غزوۂ بدر ہے، آنحضرت صلعم اپنے تین سو تیرہ جاں نثاروں کے ساتھ مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے آگے آگے دو سیاہ رنگ کے علم تھے، ان میں سے ایک حیدر کرار کے ہاتھ میں تھا جب رزمگاہ بدر کے قریب پہنچے تو سرورِ کائنات نے حضرت علیؓ کو چند منتخب جاں بازوں کے ساتھ غنیم کی نقل و حرکت دریافت کرنے کیلئے

[1] ابن سعد تذکرۂ علی صفحہ ۱۳ [2] ایضاً صفحہ ۱۴ [3] زرقانی جلد اصفحہ ۴۰۳

بھیجا۔ انھوں نے نہایت خوبی کے ساتھ یہ خدمت انجام دی اور مجاہدین نے پہلے پہونچکر اہم
مقاموں پر قبضہ کر لیا۔ سترھوین رمضان جمعہ کے دن جنگ کی ابتدا ہوئی۔ قاعدہ کے موافق
پہلے تنہا تنہا مقابلہ ہوا۔ سب سے پہلے قریش کی صف سے تین نامی بہادر نکل کر مسلمانوں سے
مبارز طلب ہوئے۔ تین انصاریوں نے اُن کی دعوت کو لبیک کہا۔ اور آگے بڑھے قریش کے
بہادروں نے ان کا نام و نسب پوچھا۔ اور جب یہ معلوم ہوا کہ وہ یثرب کے جوان ہیں تو اُنکے
ساتھ لڑنے سے انکار کر دیا۔ اور آنحضرت صلعم کو پکار کر کہا کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہمارے
مقابلہ میں ہمارے جوڑ کے آدمی بھیجو۔ اس وقت آنحضرت صلعم نے اپنے خاندان کے تین عزیزوں
کے نام لیے۔ حمزہ، علی اور عبیدہ تینوں میدان میں آکر اپنے اپنے حریفوں کے سامنے کھڑے
ہو گئے۔ حضرت علیؓ نے اپنے حریف ولید کو ایک وار میں تہ تیغ کیا۔ اس کے بعد جھپٹ کر
عبیدہ کی مدد کی۔ اور اُن کے حریف شیبہ کو بھی قتل کیا۔ اس کے بعد عام مقابلہ شروع ہو گیا
اور مشرکین نے طیش میں آکر عام حملہ کر دیا۔ یہ دیکھ کر مجاہدین بھی نعرۂ تکبیر کے ساتھ کفار کے
نرغہ میں گھس گئے۔ شیر خدا نے بڑھ بڑھ کر صفین کی صفیں الٹ دیں اور ذوالفقار حیدری نے
بجلی کی طرح چمک چمک کر اعدائے اسلام کے خرمن ہستی کو جلا دیا۔ مشرکین کے پاؤں اکھڑ گئے اور
مسلمان مظفر و منصور ہتھیار، مال غنیمت اور تقریباً ستر قیدیوں کے ساتھ مدینہ واپس آئے۔ مال غنیمت[1]
میں سے آپ کو ایک زرہ، ایک اونٹ اور ایک تلوار ملی تھی۔

**حضرت فاطمہؓ سے نکاح**

اسی سال یعنی ۲ھ میں حضرت سرور کائنات نے اُن کو دامادی
کا شرف بخشا یعنی اپنی محبوب ترین صاحبزادی سیدۃ النساء حضرت فاطمہ زہراؓ سے
نکاح کر دیا۔

[1] دیکھو سیرت ابن ہشام غزوۂ بدر

حضرت فاطمہؓ سے عقد کی درخواست سب سے پہلے حضرت ابوبکرؓ اور ان کے بعد حضرت عمرؓ نے کی تھی لیکن آنحضرت صلعم نے کچھ جواب نہیں دیا، جب حضرت علیؓ نے خواہش کی تو آپ نے فرمایا تمہارے پاس مہر ادا کرنے کے لیے کچھ ہے؟ بولے ایک گھوڑے اور ایک زرہ کے سوا کچھ نہیں، آپ نے فرمایا گھوڑا تو لڑائی کے لیے ہے البتہ زرہ کو فروخت کر ڈالو۔ غرض حضرت علیؓ نے اس کو حضرت عثمانؓ کے ہاتھ چار سو اسّی درہم میں بیچا اور قیمت لاکر آنحضرت صلعم کے سامنے پیش کی، آنحضرت صلعم نے حضرت بلالؓ کو حکم دیا کہ بازار سے عطر اور خوشبو کی چیزیں خرید لائیں اور خود نکاح پڑھا دیا، اور دونوں میاں بیوی پر وضو کا پانی چھڑک کر خیر و برکت کی دعا دی۔[1]

**رخصتی** نکاح کے تقریباً دس گیارہ ماہ بعد باقاعدہ رخصتی ہوئی، اس وقت تک حضرت علیؓ آنحضرت صلعم کے ساتھ رہتے تھے، اس لیے جب رخصتی کا وقت آیا تو آنحضرت صلعم نے ان سے فرمایا کہ ایک مکان کرایہ پر لو، چنانچہ حارثہ بن النعمان کا مکان ملا، وہ حضرت کو رخصت کرا کے اسی میں لے آئے۔

**جہیز** حضرت علی مرتضیٰؓ کو سسرال سے یا حضرت سیدۃ النساءؓ کو اپنے گھر سے جو سامان ملا وہ یہ تھا، ایک پلنگ، ایک بستر، ایک چادر، دو چکیاں اور ایک مشکیزہ، عجیب اتفاق ہے کہ یہ تمام چیزیں حضرت فاطمہؓ کی زندگی تک ان کی رفیق رہیں اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ بھی اس میں کچھ اضافہ نہ کر سکے۔

**دعوت ولیمہ** حضرت علیؓ کی زندگی نہایت فقیرانہ تھی چنانچہ خود رسول اللہ صلعم کے ساتھ رہتے تھے اور ان کی ملکیت میں صرف ایک اونٹ تھا جس کے ذریعہ سے اذخر لا کر ایک قسم کی گھاس

---

[1] زرقانی جلد ۲ صفحہ ۳، اصابہ جلد ۸ صفحہ ۱۵۷

کی جائدات گروی رکھ کے دعوت ولیمہ کے لیے کچھ رقم جمع کرنے کا ارادہ تھا لیکن حضرت حمزہؓ نے عالم
نشہ[1] میں اس اونٹ کو بھی کباب سیخ بنا دیا اس لیے اب زہد و فقر کے اس بادشاہ کے
پاس اُس رقم کے سوا جو زرہ کی قیمت میں سے مہر ادا کرنے کے بعد بچ رہی تھی اور کچھ
نہ تھا چنانچہ اسی سے دعوت ولیمہ کا سامان ہوا دسترخوان پر صرف کھجور جو کی روٹی پنیر
اور ایک خاص قسم کا شوربا تھا لیکن اس سادگی پر بھی اس زمانے کے لحاظ سے تکلف تھا
حضرت اسماءؓ کا بیان ہے کہ اس زمانہ میں اس سے بہتر ولیمہ نہیں ہوا۔[2]

غزوۂ احد | ۳ھ میں احد کا معرکہ پیش آیا ۷ شوال ہفتہ کے دن لڑائی شروع ہوئی اور
پہلے مسلمانوں نے باوجود قلت تعداد کے غنیم کو بھگا دیا لیکن عقب کے محافظ تیراندازوں کا اپنی
جگہ سے ہٹنا تھا کہ مشرکین پیچھے سے یکایک لوٹ پڑے اس ناگہانی حملہ سے مسلمانوں کے اوسان
جاتے رہے اسی حالت میں سرورِ کائنات کو زخم لگا دندان مبارک شہید ہوگئے اور ایک
خندق میں گر پڑے۔ حضرت مصعب بن عمیرؓ نے کفار کو مرکز نبوت تک جانے سے روکا اور
لڑتے لڑتے شہید ہوگئے اس کے بعد حیدر کرار نے بڑھ کر علم کو سنبھالا اور بے جگری کے ساتھ
داد شجاعت دی ابو سعد بن ابی طلحہ مشرکین کے علمبردار نے مبارزت کے لیے للکارا شیر خدا
کو کہاں تاب تھی بڑھ کر ایسا ہاتھ مارا کہ فرشِ خاک پر تڑپنے لگا اور بدحواسی کے عالم میں
بالکل برہنہ ہوگیا حضرت علیؓ کو اس کی بے بسی اور برہنگی پر رحم آگیا اور زندہ چھوڑ کر
واپس آگئے[3]

غرض جب مشرکین کا زور کم ہوا تو حضرت علیؓ چند صحابہ کے ساتھ آنحضرت صلعم کو پہاڑ پر

---

[1] اس وقت شراب حرام نہیں ہوئی تھی بخاری میں مفصل واقعہ مذکور ہے [2] زرقانی جلد ۲ صفحہ ...
[3] بخاری باب غزوۂ احد، سیرت ابن ہشام جلد ۲ صفحہ ۹۹

اسے حضرت فاطمہؓ نے زخم دھویا اور حضرت علیؓ ڈھال میں بھر بھر کر پانی گرایا اس سے خون بند نہ ہوا تو حضرت فاطمہؓ نے چٹائی جلا کر اس کی راکھ سے زخم کا منہ بند کیا۔[1]

بنو نضیر | غزوۂ احد کے بعد ۴ھ میں بنو نضیر کو اُن کی بد عہدی کے باعث جلا وطن کیا گیا۔ حضرت علیؓ اس میں بھی پیش پیش تھے علم انہی کے ہاتھ میں تھا۔

غزوۂ خندق | ۵ھ میں غزوۂ خندق پیش آیا۔ کفار کبھی کبھی خندق میں گھس گھس کر حملہ کرتے تھے ایک دفعہ عرب کے بہادروں نے حملہ کیا حضرت علیؓ نے چند جانبازوں کے ساتھ بڑھ کر روکا عمرو بن عبدود سواروں کے سردار نے کسی کو تنہا مقابلہ کیلئے بلایا۔ حضرت علیؓ نے بڑھ کر اپنے کو پیش کیا اُس نے کہا میں تم کو قتل کرنا نہیں چاہتا شیر خدا نے کہا لیکن میں تم کو قتل کرنا چاہتا ہوں وہ برہم ہو کر گھوڑے سے کود پڑا اور مقابلہ میں آیا تھوڑی دیر تک شجاعانہ مقابلہ رہا بعد ذوالفقار حیدری نے اس کو واصل جہنم کیا اس کا مقتول ہونا تھا کہ دوسرے سوار بھاگ کھڑے ہوئے۔[2]

کفار بیس دنوں تک خندق کا محاصرہ کیے رہے لیکن بالآخر مسلمانوں کی پامردی اور استقلال کے آگے اُن کے پاؤں اکھڑ گئے۔ اس طرح یہ معرکہ بھی مجاہدین کرام کے ہاتھ رہا۔

بنو قریظہ | غزوۂ خندق سے فارغ ہونے کے بعد آنحضرت صلعم نے بنو قریظہ کی طرف توجہ کی کیونکہ انھوں نے باوجود معاہدے کے قریش کا ساتھ دیا تھا اور تمام قبائل عرب کو مسلمانوں کے خلاف بھڑکا دیا تھا اس مہم میں بھی علم حضرت علیؓ کے ہاتھ میں تھا اور انھوں نے رسول اللہؐ کے حکم کے مطابق قلعہ پر قبضہ کر کے قلعے کے صحن میں عصر کی نماز ادا کی۔[3]

---

[1] بخاری باب غزوۂ احد [2] سیرۃ ابن ہشام جلد ۲ صفحہ ۹۰ [3] مشکوٰۃ نقل غزوۂ بنی قریظہ

**بنو سعد کی سرکوبی** سنہ ۶ھ میں آنحضرت صلعم کو معلوم ہوا کہ بنو سعد یہود خیبر کی اعانت کیلئے مجتمع ہو رہے ہیں اس لیے حضرت علیؓ کو ایک سو کی جمعیت کے ساتھ اس قبیلہ کی سرکوبی پر مامور کیا انھوں نے ماہ شعبان میں حملہ کرکے بنو سعد کو منتشر کر دیا اور پانچ سو اونٹ اور دو ہزار بکریاں مال غنیمت میں لائے۔

**صلح حدیبیہ** اسی سال یعنی سنہ ۶ھ میں رسول اللہ صلعم نے تقریباً چودہ سو صحابہ کرام کے ساتھ زیارت کعبہ کا ارادہ فرمایا۔ مقام حدیبیہ پہنچ کر معلوم ہوا کہ مشرکین مزاحمت پر تلے بیٹھے ہیں، حضرت عثمانؓ سفیر بنا کر بھیجے گئے مشرکین نے ان کو روک رکھا لیکن یہاں یہ خبر مشہور ہوئی کہ وہ شہید کر دیے گئے اس لیے آنحضرت نے حضرت عثمانؓ کے انتقام پر سب سے بیعت لی۔ حضرت علیؓ بھی اس بیعت میں شریک تھے۔ بعد کو جب معلوم ہوا کہ یہ خبر غلط تھی تو مسلمانوں کا جوش کسی قدر کم ہوا اور فریقین نے مصالحت پر رضامندی ظاہر کی۔ حضرت علیؓ کو صلح نامہ لکھنے کا حکم ہوا انھوں نے حسب دستور "ہذا ما قاضی علیہ محمد رسول اللہ" کی عبارت سے عہد نامہ کی ابتدا کی۔ مشرکین نے "رسول اللہ" کے لفظ پر اعتراض کیا کہ اگر ہم کو رسول اللہ ہونا تسلیم ہوتا تو پھر جھگڑا ہی کیا تھا۔ سرور کائنات نے اس لفظ کو مٹا دینے کا حکم دیا لیکن حضرت علیؓ کی غیرت نے گوارا نہ کیا اور عرض کی خدا کی قسم میں اس کو نہیں مٹا سکتا۔ غرض آنحضرتؐ نے خود اپنے دست مبارک سے مٹا دیا۔ اس کے بعد معاہدہ صلح لکھا گیا اور اس سال زیارت کا ارادہ ملتوی کرکے مدینہ واپس تشریف لائے۔[1]

**فتح خیبر** سنہ ۷ھ میں خیبر پر فوج کشی ہوئی یہاں یہودیوں نے بڑے بڑے مضبوط قلعے بنائے تھے جن کا مفتوح ہونا آسان نہ تھا۔ پہلے حضرت ابوبکرؓ اور ان کے بعد حضرت عمرؓ اس کی تسخیر پر مامور ہوئے

---

[1] زرقانی جلد ۲ صفحہ ۲۰۰ و مسلم و بخاری کتاب الصلح و زرقانی باب غزوۂ حدیبیہ

لیکن کامیابی نہ ہوئی، حضرت سرور کائنات نے فرمایا کل ایک ایسے بہادر کو علم دونگا جو خدا کا اور رسول کا محبوب ہے اور اس کا فتح ہونا اسی کے ہاتھ سے مقدر ہے صبح ہوئی تو ہر شخص متمنی تھا کہ کاش آج اس فخر و شرف کا تاج اسی کے سر پہ ہوتا، لیکن یہ دولت گرانمایہ حیدر کرار کے لیے مقدر ہو چکی تھی صبح کو بڑے بڑے جان نثار اپنے نام سننے کے منتظر تھے کہ دفعۃً آپ نے علی کا نام لیا، یہ آواز غیر متوقع تھی کیونکہ اسد دین آشوب چشم مین مبتلا تھے، آنحضرت صلعم نے اُن کو بلا کر اُن کی آنکھون مین اپنا لعاب دہن لگایا اور دفعۃً بالکل بیماری دور ہو گئی اور پھر کبھی آشوب نہ ہوا[1] دعا کے بعد علم مرحمت فرمایا، حضرت علیؓ نے پوچھا یا رسول اللہ کیا مین لڑ کر ان کو مسلمان بنا لون، فرمایا نہیں بلکہ پہلے اسلام پیش کرو اور ان کو اسلام کے فرائض سے آگاہ کرو کیونکہ اگر تمہاری کوششون سے ایک شخص بھی مسلمان ہو گیا تو وہ تمہارے لیے بڑی سے بڑی نعمت سے بہتر ہے[2]،

لیکن یہودیون کی قسمت مین اسلام کی عزت کے بجاے شکست ذلت اور بربادی لکھی تھی اس لیے انھون نے آنحضرت صلعم کے اس حکم سے کوئی فائدہ نہ اٹھایا اور ان کا معزز سردار مرحب نہایت جوش و خروش سے یہ رجز پڑھتا ہوا نکلا،

قد علمت خیبر انی مرحب      شاکی السلاح بطل مجرب

خیبر مجھکو جانتا ہے کہ مین مرحب ہون      سلح پوش ہون بہادر ہون تجربہ کار ہون

اذا الحروب اقبلت تلهب

جبکہ لڑائی کی آگ بھڑکتی ہے

فاتح خیبر اس متکبر کے رجز کا جواب یہ کہتے ہوے بڑھا،

---

[1] بخاری کتاب المغازی غزوۂ خیبر [2] ایضاً

انا الذی سمتنی امی حیدرہ          کلیث غابات کریہ المنظرہ

اوفیہم بالصاع کیل السندرہ

اور مرحب کو ایک ہی وار میں اس کا کام تمام کر دیا[1]

اس کے بعد حیدر کرار نے بڑھ کر قلعہ پر حملہ کیا اور حیرت انگیز شجاعت کے ساتھ اسکو فتح کر لیا

مہم مکہ ۸ھ | رمضان سنہ ۸ھ میں کہ جب فتح مکہ کی تیاریاں شروع ہوئیں لیکن ابھی تک مدینہ سے روانہ بھی نہ ہوئے تھے کہ معلوم ہوا کہ ایک عورت مکہ کو یہاں کے تمام حالات سے مطلع کرنے کے لیے روانہ ہو گئی ہے، آنحضرت صلعم نے حضرت علی، زبیر اور مقداد کو اس کی گرفتاری پر مامور کیا، یہ تینوں نہایت تیز گھوڑوں پر سوار ہو کر اس کے تعاقب میں روانہ ہوئے اور خاخ کے باغ میں گرفتار کر کے خط مانگا، پہلے اس عورت نے لاعلمی ظاہر کی لیکن جب ان لوگوں نے جامہ تلاشی کا ارادہ کیا تو اس نے حوالہ کر دیا، اور یہ لوگ خط لیکر آنحضرت صلعم کی خدمت میں حاضر ہوئے، جب پڑھا گیا تو معلوم ہوا کہ یہ خط مشہور صحابی حضرت حاطب بن ابی بلتعہ نے قریش مکہ کے نام بھیجا تھا، اور اس میں بعض مخفی حالات کی اطلاع تھی، آنحضرت صلعم نے حاطب بن ابی بلتعہ سے پوچھا یہ کیا ہے؟ انہوں نے کہا کہ حضور قرار داد جرم لگانے سے قبل اصل حالات سن لیں، واقعہ یہ ہے کہ مجھ کو قریش سے کوئی نسبی تعلق نہیں بلکہ صرف ان کا حلیف ہوں، مکہ میں دوسرے مہاجروں کی قرابتیں ہیں جو مکہ کے وقت ان کے اہل و عیال کی حفاظت کرتے ہیں، میں نے اس خیال سے کہ اگر کوئی نازک وقت آئے تو میرے بچے بچ جائیں اور محفوظ رہ جائیں یہ خط لکھا تھا، حاشا وکلا اس سے کفری یا اسلام کے ساتھ دشمنی مقصود نہیں تھی، آنحضرت صلعم نے اس عذر کو قبول فرمایا اور لوگوں سے مخاطب ہو کر کہا کہ انہوں نے سچ

[1] صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۱۰۰، مطبوعہ مصر باب غزوہ ذی قرد وغیرہا

بیان کیا ہے، لیکن حضرت عمرؓ کی آتش غضب بھڑک چکی تھی انھون نے کہا یا رسول اللہ اجازت دیجیے کہ اس منافق کی گردن اڑا دون، آپ نے فرمایا کہ یہ بدری ہین اور تم کو معلوم نہین کہ بدریون کے تمام گناہ معاف ہین۔[1]

غرض آنحضرت صلعم ۱۰ رمضان سنہ ۸ھ کو مدینہ روانہ ہوے، اور ایک مرتبہ پھر اس محبوب سرزمین مین دس ہزار قدوسیون کے ساتھ فاتحانہ جاہ و جلال کے ساتھ داخل ہوے، ایک علم حضرت سعد بن عبادہؓ کے ہاتھ مین تھا اور وہ جوش کی حالت مین یہ رجز پڑھتے جاتے تھے

الیوم یوم الملحمۃ الیوم تستحل الکعبۃ — یعنی آج شدید جنگ کا دن ہے آج حرم مین خونریزی جائز ہے

آنحضرت صلعم کو معلوم ہوا تو فرمایا نہین آج تو کعبہ کی عظمت کا دن ہے، اور حضرت علیؓ کو حکم دیا کہ سعد بن عبادہؓ سے علم لیکر فوج کے ساتھ شہر مین داخل ہون، چنانچہ وہ کدا کی جانب سے مکہ مین داخل ہوے[2] اور مکہ بلا کسی خونریزی کے فتح ہو گیا، اور وہ وقت آگیا کہ خلیل بت شکن کی یادگار یعنی خانہ کعبہ کو بتون کی آلودگیون سے پاک کیا جائے جس کے گرد تین سو ساٹھ بت نصب تھے، آنحضرت صلعم نے سب سے پہلے اس فریضہ کو ادا کیا، اور خانہ کعبہ کے گرد جس قدر بت تھے سب کو لکڑی سے ٹھکراتے جاتے اور یہ آیت تلاوت فرماتے جاتے تھے جاء الحق وزھق الباطل ان الباطل کان زھوقا، پھر خانہ کعبہ کے اندر سے حضرت ابراہیمؑ و اسمٰعیلؑ کی مورتون کو الگ کر دیا، اور تطہیر کعبہ کے بعد اندر داخل ہوے تکبیر پڑھکر وحدت کدہ کا گوشہ گوشہ بتون کی آلودگی سے اٹا ہوا تھا، اس لیے آپ کے اہتمام کے باوجود تانبے کا سب سے بڑا بت باقی رہ گیا، یہ لوہے کی سلاخ مین پیوست کیا ہوا زمین پر نصب تھا، اس لیے بہت بلندی پر تھا، پہلے آنحضرت صلعم نے حضرت علیؓ کے کندھون پر چڑھکر اس کے گرانے کی کوشش کی لیکن جسم مبارک

---

[1] بخاری کتاب المغازی باب غزوۂ فتح مکہ [2] بخاری کتاب المغازی باب غزوۂ فتح مکہ [3] ایضاً

باوجود دشمن کو شکست دیدی۔

**اہلبیت کی حفاظت** سنہ ۹ ہجری میں آنحضرت نے تبوک کا قصد کیا اور حضرت علیؑ کو اہلبیت کی حفاظت کیلئے مدینہ میں رہنے کا حکم دیا۔ شیر خدا کو شرکت جہاد سے محرومی کا غم تو تھا ہی ادھر منافقین کی طعنہ زنی نے اور بھی بددل کردیا۔ سرور کائنات کو ان کی دلشکستگی کا حال معلوم ہوا تو ان کا غم غلط کرنے کے لیے فرمایا علی! کیا تم اسے پسند نہیں کرتے کہ میرے نزدیک تمہارا وہ درجہ ہو جو ہارون کا موسیٰ کے نزدیک تھا۔[1]

**تبلیغ قرآن** غزوۂ تبوک سے واپسی کے بعد اسی سال آنحضرت نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کو امیر حج بناکر مکہ کی طرف روانہ فرمایا۔ اسی اثنا میں سورۂ برأت نازل ہوئی، لوگوں نے کہا کہ اگر یہ سورہ ابوبکرؓ کے ساتھ حج کے موقع پر لوگوں کو سنانے کے لیے بھیجدی جاتی تو اچھا ہوتا۔ سرور کائنات نے فرمایا کہ میری طرف سے صرف میرے خاندان کا آدمی اس کی تبلیغ کرسکتا ہے چنانچہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو بلاکر حکم دیا کہ اس سورہ کو لیجا کر سنائیں اور عام اعلان کردیں کہ کوئی کافر جنت میں داخل نہ ہوگا، نہ اس سال کے بعد کوئی مشرک حج کرنے پائے گا نہ کوئی شخص برہنہ خانۂ کعبہ کا طواف کرے اور جس کا رسول اللہ صلعم سے کوئی عہد ہے وہ مدت معینہ تک باقی رہیگا۔[2]

**یمن میں اشاعت اسلام** اس مہم پر پہلے حضرت خالد بن ولیدؓ مامور ہوئے لیکن چھ مہینے کی مسلسل جد و جہد کے باوجود اشاعت اسلام میں کامیاب نہ ہوسکے، اس لیے رمضان سنہ ۱۰ ہجری میں آنحضرت صلعم نے حضرت علیؑ کو بلاکر یمن جانے کا حکم دیا۔ انھوں نے عرض کیا یا رسول اللہ میں ایک ایسی قوم میں بھیجا جاتا ہوں جس میں مجھ سے زیادہ عمر اور تجربہ کار لوگ موجود ہیں ان لوگوں کے

---

[1] سیرۃ ابن ہشام جلد ۲ صفحہ ۵۰۰، مستدرک حاکم ج ۳ صفحہ ۱۰۹، ترمذی کتاب المناقب مناقب علیؓ

[2] سیرۃ ابن ہشام ج ۲ صفحہ ۳۳۳، ۳۳۴

حادثہ جانکاہ کا جو اثر ہوا اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ جس وقت سقیفۂ بنو ساعدہ کی مجلس حل وعقد خلافت وحکومت کا فیصلہ کر رہی تھی اس وقت بھی یہ غمزدہ اپنے محبوب آقا کی عزاداری میں مصروف تھا۔

حضرت علی چونکہ رسالتماب صلعم کے عزیز قریب اور خاندان کے رکن رکین تھے اسلئے غسل اور تجہیز وتکفین کے تمام مراسم انہیں کے ہاتھ سے انجام پائے انصار اور مہاجرین دروازہ کے باہر کھڑے تھے ایک روایت میں ہے کہ ایک انصاری کو بھی اس میں شرکت کا شرف حاصل ہوا۔

خلیفہ اول کی بیعت اور توقف کی وجہ

سقیفۂ بنو ساعدہ کی مجلس سے حضرت ابوبکر صدیقؓ کی خلافت پر اتفاق کیا اور تقریباً تمام اہل مدینہ نے بیعت کی البتہ صحیح روایات کے مطابق حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے چھ مہینے تک دیر کی اور لوگوں نے اس توقف کیلئے عجیب وغریب وجوہ اختراع کرلیے ہیں لیکن صحیح یہ ہے کہ حضرت فاطمہؓ کی سوگوار زندگی نے اُن کو بالکل خانہ نشین بنادیا تھا اور تمام معاملات سے قطع تعلق کرکے وہ صرف ان کی تسلی ودلدہی اور قرآن شریف کے جمع کرنے میں مصروف تھے جب حضرت فاطمہؓ کا انتقال ہو گیا اس وقت انھوں نے خود حضرت ابوبکرؓ سے اُن کے فضل کا اعتراف کیا اور بیعت کرلی۔

سوا دو برس کی خلافت کے بعد حضرت ابوبکر صدیقؓ نے وفات پائی اور حضرت عمرؓ مسند آرائے خلافت ہوئے، حضرت عمرؓ بڑی بڑی مہمات میں حضرت علیؓ کے مشورے کے بغیر کام نہیں کرتے تھے اور حضرت علی بھی نہایت دوستانہ اور مخلصانہ مشورہ دیتے تھے نہاوند کے معرکہ میں اُن کو سپہ سالار بنا کر بھیجنا چاہا تھا لیکن انھوں نے منظور نہیں کیا بیت المقدس گئے

---

سلہ مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۵۹ سلہ بخاری غزوۂ خیبر

ذمہ داری پر واپس کیا، مصری وفد کے ارکان ابھی راہ ہی میں تھے کہ ان کو سرکاری قاصد کی تلاشی سے ایک فرمان ہاتھ آیا جس میں حاکم مصر کو ہدایت کی گئی تھی کہ اس وفد کے تمام شرکاء کو تہ تیغ کر دیا جائے، مصری اس غداری سے غضبناک ہو کر پھر مدینہ واپس آ گئے، اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی کہ ایک طرف تو آپ نے ہم کو اصلاحات کا اطمینان دلا کر واپس کیا اور دوسری طرف سے دربار خلافت کا یہ غدارانہ فرمان جاری ہوا، حضرت علیؓ نے فرمان دیکھا تو سخت متعجب ہوئے اور حضرت عثمانؓ کے پاس آ کر اس کی حقیقت دریافت کی، انھوں نے اس فرمان کے متعلق حلف کے ساتھ اپنی لاعلمی ظاہر کی، حضرت علیؓ نے کہا مجھے بھی آپ سے ایسی توقع نہیں ہو سکتی، لیکن اب میں آئندہ کسی معاملہ میں مداخلت نہیں کروں گا، چنانچہ وہ اس کے بعد بالکل عزلت نشین ہو گئے[1]

مصریوں نے جوش انتقام میں نہایت سختی کے ساتھ کاشانۂ خلافت کا محاصرہ کر لیا اور آخر میں یہاں تک شدت اختیار کی کہ آب ودانہ سے بھی محروم کر دیا، حضرت علیؓ کو معلوم ہوا تو عزلت گزینی اور خلوت نشینی کے باوجود محاصرہ کرنے والوں کے پاس تشریف لے گئے اور فرمایا کہ تم لوگوں نے جس قسم کا محاصرہ قائم کیا ہے وہ نہ صرف اسلام بلکہ انسانیت کے بھی خلاف ہے، کفار بھی مسلمانوں کو قید کر لیتے ہیں تو آب ودانہ سے محروم نہیں کرتے، اس شخص نے تمہارا کیا نقصان کیا ہے جو ایسی سختی روا رکھتے ہو، محاصرین نے حضرت علیؓ کی سفارش کی کچھ پروا نہ کی اور محاصرہ میں سہولت پیدا کرنے سے قطعی انکار کر دیا، حضرت علیؓ کو ناگوار تو ہوا لیکن کیا کرتے غصہ میں اپنا عمامہ پھینک کر واپس چلے آئے[2]

---

[1] ابن اثیر ج ۳ صفحہ ۱۴۹ [2] طبری ص ۳۰۱۸

محاصرہ اگرچہ نہایت سخت تھا، تاہم حضرت علیؓ کو اس کا وہم بھی نہ تھا کہ یہ معاملہ
اس قدر طول کھینچے گا، کہ شہادت تک نوبت پہونچے گی، وہ سمجھتے تھے کہ جس طرح اس عرصہ میں
حقوق طلبی کے متواتر مظاہرے ہوتے رہے ہیں یہ بھی اسی قسم کا ایک سخت مظاہرہ ہے
تاہم اپنے دونوں صاحبزادوں کو حفاظت کے لیے بھیجا، انہوں نے نہایت بہادری
اور جانفشانی کے ساتھ مدافعت کی یہاں تک کہ اسی کشمکش میں زخمی ہوئے لیکن کثیر التعداد
مفسدین کا روکنا آسان نہ تھا، وہ دوسری طرف سے دیوار پر چڑھ کر اندر گھس گئے اور خلیفۂ وقت
کو شہید کر ڈالا، حضرت علیؓ کو معلوم ہوا تو اس سانحۂ جانکاہ پر حد درجہ متاسف ہوئے اور جو
لوگ محافظت پر مامور تھے ان پر نہایت خفگی ظاہر کی، حضرت امام حسنؓ اور امام حسینؓ کو طمانچہ
مارا، محمد بن طلحہؓ اور عبداللہ بن زبیرؓ کو برا بھلا کہا، کہ تم لوگوں کی موجودگی میں یہ واقعہ
کس طرح پیش آیا۔

**بیعت خلافت** حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد تین دن تک مسند خلافت خالی رہی،
اس اثنا میں لوگوں نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے اس منصب کے قبول کرنے کے لیے
سخت اصرار کیا، انہوں نے پہلے اس بارگراں کے اٹھانے سے انکار کردیا لیکن آخر میں مہاجرین
و انصار کے اصرار سے مجبور ہو کر اس بار عظیم کو اٹھانا پڑا، غرض واقعۂ شہادت کے تیسرے دن
۲۵ ذی الحجہ روز جمعہ کے دن مسجد نبوی میں جناب مرتضیٰؓ کے دست حق پرست پر بیعت ہوئی
مسند نشین خلافت ہونے کے بعد سب سے پہلا کام حضرت عثمانؓ کے قاتلوں کا پتہ
چلانا اور ان کو سزا دینا تھا، لیکن دقت یہ تھی کہ شہادت کے وقت صرف ان کی بیوی نائلہ
بنت الفرافصہ موجود تھیں اور وہ اس کے سوا کچھ نہیں بتا سکیں کہ محمد بن ابی بکرؓ دو شخصوں

۱؎ ابن اثیر جلد ۳ صفحہ ۱۵۰

ساتھ جھگڑ رہے تھے پہلے سے چھپا تی نہیں تھیں اندر آئے حضرت علیؓ نے محمد بن ابی بکرؓ کو پکڑا تو
انھوں نے قسم کھا کر اپنی برأت ظاہر کی کہ وہ قتل کے ارادہ سے ضرور داخل ہوئے تھے
لیکن حضرت عثمانؓ کے ایک جملے سے محجوب ہو کر پیچھے ہٹ آئے البتہ ان دونوں نابکاروں
نے بڑھ کر حملہ کیا جن کو وہ بھی نہیں جانتے کہ کون تھے۔ حضرت نائلہؓ نے بھی اس بیان کی
تصدیق کی کہ محمد بن ابی بکرؓ شریک قتل نہ تھے۔ غرض تحقیق و تفتیش کے باوجود قاتلوں کا پتہ نہ
چلا۔ تاریخ کی کتابوں میں قاتلوں کے مختلف نام مذکور ہیں لیکن وہ عدالت میں شہادت
کی قانونی حیثیت سے ثابت نہیں کیے جا سکتے تھے۔

مقدمہ قتل سے فارغ ہونے کے بعد ملکی نظم و نسق کی طرف متوجہ ہوئے اور تمام
عمال عثمانی کی معزولی کا فرمان جاری کر کے عثمان بن حنیف کو بصرہ کا عامل مقرر کیا۔
عمارہ بن حسان کو کوفہ کی حکومت سپرد کی۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ کو یمن کی ولایت پر مامور کیا۔ سہل کو حکومت شام کا
فرمان دے کر روانہ کیا۔ سہل تبوک کے قریب پہنچے تو امیر معاویہ کے سواروں نے ان کو مدینہ
واپس جانے پر مجبور کیا۔ چنانچہ یہ پہلا موقع تھا جس سے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو معلوم ہوا کہ
ان کی خلافت جھگڑوں سے پاک نہیں ہے۔

حضرت علیؓ نے امیر معاویہ کو لکھا کہ مہاجرین و انصار نے اتفاق عام کے ساتھ
میرے ہاتھ پر بیعت کی ہے اس لیے یا تو میری اطاعت کرو یا جنگ کے لیے تیار ہو جاؤ۔
امیر معاویہ نے اپنے خاص قاصد کی معرفت جواب بھیجا اور خط میں صرف بسم اللہ الرحمن الرحیم
کے بعد مکتوب الیہ کا اور اپنا نام لکھا۔ لیکن قاصد نہایت طرار اور زبان آور تھا۔ اس نے
کھڑے ہو کر کہا صاحبو! میں نے شام میں پچاس ہزار شیوخ کو اس حال میں چھوڑا ہے کہ

شاع نے عام طور پر ملک میں بدظنی پیدا کر دی تھی حضرت عثمانؓ کے قاتلوں کا پتہ نہ چلنا، ان کے اعداء کو اپنا ساتھی اور انصار بنانا، اور مسند خلافت پر متمکن ہونے کے ساتھ تمام عمال و حکام کو برطرف کر دینا لوگوں کے بدظن کر دینے کے لیے نہایت کافی تھا۔ چنانچہ مخالفین بدگمانیوں نے ام المومنین حضرت عائشہؓ کو بھی حضرت عثمانؓ کے قصاص پر آمادہ کر دیا قصاص کی تیاریاں شروع ہوئیں عبداللہ بن عامر حضرمی والی مکہ، مروان بن حکم، سعید بن العاصؓ اور دوسرے بنو امیہ نے جو مدینہ سے مفرور ہو کر مکہ میں پناہ گزین تھے تمام جوش کے ساتھ اس تحریک کو پھیلایا اور ایک معتدبہ جمعیت فراہم کر کے اس خیال سے بصرہ کی طرف روانہ ہوئے کہ پہلے بیت المال پر قبضہ کر کے مالی مشکلات میں سہولت پیدا کریں پھر بصرہ کوفہ اور عراق کی دوسری نو آبادیوں میں اس تحریک کی اشاعت کر کے لوگوں کو اپنا ہم آہنگ بنائیں

**سفر عراق** حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو ان تیاریوں کا حال معلوم ہوا تو اس خیال سے عراق کا قصد کیا کہ وہاں مخالفین سے پہلے پہنچ کر بیت المال کی حفاظت کا انتظام کریں اور اہل عراق کو وفاداری کا سبق دیں انصار کو جب اس ارادہ کی خبر ہوئی تو وہ بارگاہ خلافت میں حاضر ہوئے اور حضرت عقبہ بن عامر نے جو بڑے پایہ کے صحابی اور غزوۂ بدر میں سرور کائنات صلعم کے ہمرکاب تھے اس جماعت کی طرف سے قائم مقام ہو کر گذارش کی کہ دارالخلافہ چھوڑ کر جانا کسی طرح مناسب نہیں ہے حضرت فاروقؓ کے عہد میں بڑی بڑی جنگیں پیش آئیں لیکن انہوں نے کبھی مدینہ سے باہر قدم نہیں نکالا، اگر اس وقت فاتح ابو عبیدہ، سعد وقاص اور ابو موسیٰ اشعریؓ نے تمام ایران کو زیر و زبر کر دیا تھا تو اس وقت بھی بے جان بازان کی کمی نہیں" حضرت علیؓ نے فرمایا ہاں یہ صحیح ہے لیکن عراق پر مخالفین کے قبضہ سے

نہایت دشواری پیش آنے لگی وہ اس وقت مسلمانوں کی بہت بڑی نوآبادی تھا جو اہم جنگی
بیت المال بھی اس وقت یہیں تھا اس لیے میرا وہاں موجود رہنا نہایت ضروری ہے
غرض یہ خبریں عام منادی ہوئی کہ لوگ سفر عراق کے لیے تیار ہو جائیں ادھر چند صحابہ
کے سوا تقریباً تمام اہل مدینہ جو کہ سب جمع ہوئے جب یہ عظیم الشان جمعیت مقام ذی قار میں
پہونچی تو معلوم ہوا کہ حضرت طلحہؓ و زبیرؓ بیعت فسخ کرکے بصرہ پہونچ گئے ہیں اور بنو سعد کے
علاوہ تقریباً تمام بصرہ والوں نے اُن کے ہاتھ پر بیعت کر لی ہے۔

حضرت امام حسنؓ کا سفر کوفہ

حضرت علیؓ نے ذی قار میں قیام کر کے حضرت امام حسنؓ و حضرت
عمار بن یاسرؓ کے ساتھ کوفہ روانہ کیا کہ لوگوں کو مرکز خلافت کی اعانت پر آمادہ کریں حضرت
امام حسن جس وقت کوفہ پہونچے حضرت ابو موسیٰ اشعری والی کوفہ مسجد میں ایک عظیم الشان
مجمع کے سامنے تقریر کر رہے تھے کہ سرور کائنات صلعم نے اس فتنہ کا خوف دلایا تھا وہ اب
سر پر ہے اس لیے ہتھیار بیکار کر دو اور بالکل عزلت نشین ہو جاؤ رسول اللہ صلعم نے فرمایا ہے
کہ فتنہ و فساد کے وقت سونے والا بیٹھنے والے سے اور بیٹھنے والا چلنے والے سے بہتر ہے اسی
اثناء میں حضرت امام حسنؓ مسجد میں داخل ہوئے اور حضرت ابو موسیٰ اشعری سے کہا "تم
ابھی ہماری مسجد سے نکلو اور جہاں تمہارا جی چاہے چلے جاؤ" اس کے بعد منبر پر کھڑے
ہو کر لوگوں کو امیر المومنین کی مساعدت پر آمادہ کیا حجر بن عدی کندی جو کوفہ کے نہایت معزز
اور ذی اثر بزرگ تھے حضرت امام حسنؓ کی تائید کی اور کہا صاحبو امیر المومنین نے
خود اپنے صاحبزادہ کو بھیج کر تمہیں دعوت دی ہے اس دعوت کو قبول کرو اور علم حیدری کے
نیچے جمع ہو کر فتنہ و فساد کی آگ سرد کرو میں خود سب سے پہلے چلنے کو تیار ہوں غرض حضرت
امام حسنؓ اور حجر بن عدی کی تقریروں نے لوگوں کے دل ہلا دیے ہر طرف سے امیر المومنین

کی اطاعت و فرمانبرداری کی صدائیں بلند ہوئیں اور دوسرے روز صبح کے وقت تقریباً
ساڑھے نو ہزار جوان ان کی ایک فوج سمیت ہمراہ حضرت امام حسن علیہ السلام کے ساتھ روانہ کی
اور مقام ذی قار میں امیرالمومنین کی فوج سے مل گئی۔ جناب امیر نے اپنی کل فوج کو نئے سرے
سے ترتیب دے کر بصرہ کا رخ کیا۔ اس وقت بصرہ کا یہ حال تھا کہ وہ تین گروہ میں منقسم تھا۔ ایک
خاموش رہ کر طرفدار جماعت، دوسرا حضرت علیؑ کا طرفدار اور تیسرا حضرت عائشہؓ اور حضرت طلحہؓ
وغیرہ کا حامی۔ ادھر سبائی گروہ مصالحت کے بیچ سخت کوشش میں جد وجہد کر رہا تھا۔ ہر فریق
میں سے نیک نیت لوگ جس کی تائید میں تھے۔ حضرت علیؓ اور حضرت عائشہؓ دونوں چاہتے
تھے کہ جنگ تک نوبت نہ آنے دے۔ پہلے اختلافات دور ہو جائیں۔ صلح کی گفتگو [illegible] دونوں فریقین
جنگ کے تمام اقدامات سے دور ہٹ کر بیٹھے تھے۔ رات کے سناٹے میں ہر فریق آرام کی نیند
سو رہا تھا۔ دونوں فریقوں میں کچھ ایسے عناصر شامل تھے جن کے نزدیک یہ مصالحت ان کے
حق میں سم قاتل تھی۔ حضرت علیؓ کی فوج میں سبائی مجلس کے ارکان اور حضرت عثمانؓ کے
قاتلوں کا گروہ شامل تھا اور حضرت عائشہؓ کی جرأت بھڑا رہی تھی۔ حضرت عثمانؓ کے قاتل
اور سبائی یہ سمجھے کہ اگر یہ مصالحت کامیاب ہو گئی تو ان کی خیر نہیں اس لیے انہوں نے
رات کی تاریکی میں حضرت عائشہؓ کی فوج پر شبخون مارا۔ گھبراہٹ میں فریقین نے یہ سمجھا کہ
دوسرے فریق نے دھوکا دیا اور ایک دوسرے پر حملہ شروع کر دیا۔ حضرت عائشہؓ
اونٹ پر آہنی ہودہ رکھوا کر اس لیے سوار ہوئیں کہ وہ اپنی فوج کو اس حملے سے روک سکیں۔
حضرت علیؓ نے بھی سپاہیوں کو روکا مگر جو فتنہ بھڑک چکا تھا وہ کب رک سکتا تھا۔ [illegible]
حضرت عائشہؓ کی وجہ سے ان کی فوج میں غیر معمولی جوش و خروش تھا۔ قلب فوج میں ان کا
ہودج تھا۔ محمد بن طلحہؓ سواروں کے افسر تھے۔ عبداللہ بن زبیرؓ پیادہ فوج کی سرداری پر مامور

اور حضرت طلحہؓ و زبیرؓ کل فوج کی نگرانی کر رہے تھے،

**جنگ جمل** اس جوش و خروش اور نعرۂ جنگ کی ہماہمی کے ساتھ دونوں طرف کے سردار اپنی اپنی حالت پر غور کر رہے تھے، اسی اثناء میں حضرت علیؓ گھوڑا بڑھا کر بیچ میدان میں آ گئے اور حضرت زبیرؓ کو بلا کر کہا، ابو عبداللہ تمھیں وہ دن یاد ہے جب رسول اللہ صلعم نے تم سے پوچھا تھا کہ کیا تم علیؓ کو دوست رکھتے ہو؟ تو تم نے عرض کی تھی ہاں! یا رسول اللہ، یاد کرو اس وقت تم سے حضور انورؐ نے فرمایا تھا کہ ایک دن تم اس سے ناحق لڑو گے، حضرت زبیرؓ نے جواب دیا ہاں اب مجھے بھی یاد آیا۔

حضرت زبیرؓ کو رسول اللہ صلعم کی پیشین گوئی یاد آئی تو انھوں نے اپنی غلطی محسوس کر کے عہد کر لیا کہ اب لڑائی میں حصہ نہیں لیں گے اور اپنے صاحبزادہ عبداللہ سے فرمایا جان پدر علیؓ نے ایسی بات یاد دلائی کہ جنگ کا تمام جوش فرو ہو گیا، بیشک ہم حق پر نہیں ہیں، میں اب جنگ سے منہ موڑتا ہوں اور تم بھی میرا ساتھ دو، حضرت عبداللہؓ نے انکار کیا تو وہ تنہا بصرہ کی طرف چل کھڑے ہوئے کہ وہاں سے اسباب و سامان لیکر کسی طرف نکل جائیں، حضرت طلحہؓ نے حضرت زبیرؓ کو جاتے دیکھا تو ان کا ارادہ بھی متزلزل ہوا، مروان بن حکم کو معلوم ہوا کہ یہ بھی جانا چاہتے ہیں تو اس نے ایک ایسا تاک کر تیر مارا جو گھٹنے میں ترازو ہو گیا، تیر زہر میں بجھا تھا جس نے ان کا کام کر دیا، غرض میدان جنگ میں صرف ام المومنین حضرت عائشہؓ اور ان کے جاں نثار فرزند رہ گئے، جنگ کی ابتدا ہو چکی تھی اور ایک نقصان کی تلافی ہوتی رہی، ام المومنین زرہ پوش ہودج میں بیٹھی تھیں، اب حالت یہ تھی کہ سبائی ان کو قصداً گرفتار کرنا چاہتے تھے اور گستاخی کے ساتھ پیش آنا چاہتے تھے، اور حضرت عائشہؓ کے وفادار جیالوں میں جو شخص اس اونٹ کی حفاظت میں اپنی لاشوں پر لاشیں گرا رہے تھے، بکر بن وائل

ازد اور بنو ضبہ اونٹ کو اپنے حلقے میں لیکر اس جوش شجاعت اور مردانگی کے ساتھ لڑے کہ خود عبید بن کرار کو حیرت ہوئی عبداللہ بن زبیر اونٹ کی نکیل پکڑے تھے وہ زخمی ہو کر گرے تو دوسرے نے بڑھ کر پکڑ لی وہ مارا گیا تو تیسرے نے بڑھ کر اس کی جگہ لی غرض باری باری ستر آدمیوں نے اسی طرح حیرت انگیز جانبازی کے ساتھ اپنے کو قربان کردیا[1] لیکن پھر بھی ہمت و استقلال میں فرق نہ آیا بصرہ کا شہسوار عمرو بن یثربی اس جوش سے لڑ رہا تھا کہ حضرت علیؓ کی فوج کا جو شخص اس کے سامنے پہونچ جاتا تھا مارا جاتا تھا وہ اسوقت دلیری کے ساتھ یہ رجز پڑھ رہا تھا،

یا امنا یا خیر ام نعلم　　والام تغذو ولدہا و ترحم

اے ہماری بہترین ماں، اور ماں بچوں کو کھلاتی ہے اور ان پر رحم کرتی ہے،

الا ترین کم جواد تکلم　　وتختلی ہامتہ والمعصم

کیا تو نہیں دیکھتی کہ کتنے گھوڑے زخمی کیے جاتے ہیں اور کتنی کھوپڑیاں اور کلائیاں کاٹی جاتی ہیں،

آخر کار حضرت علیؓ کی طرف سے مشہور شہسوار حارث بن زہیر ازدی نے بڑھ کر اس کا مقابلہ کیا اور تھوڑی دیر تک تیغ و سنان کے رد و بدل کے بعد دونوں ایک دوسرے کے وار سے کٹ کر ڈھیر ہو گئے،

اونٹ کے سامنے بنو ضبہ حیرت انگیز شجاعت و ثبات کے ساتھ سد سکندری بنکر دشمنوں کو روکے کھڑے تھے اور جب تک ایک شخص بھی زندہ رہا اس نے پشت نہیں پھیری اسوقت یہ رجز ان کی زبان پر تھا[2]

[1] طبری صفحہ ۳۲۰۱ و مستدرک حاکم ج ۳ صفحہ ۳۷۰

[2] طبری صفحہ ۳۲۰۳

| | |
|---|---|
| الموت احلی عندنا من العسل | نحن بنو ضبة اصحاب الجمل |
| موت ہمارے نزدیک شہد سے زیادہ شیریں ہے | ہم ضبہ کی اولاد اور اونٹ کے محافظ ہیں |
| نحن بنو الموت اذا الموت نزل | ننعی ابن عفان باطراف الاسل |
| ہم موت کے بیٹے ہیں جب موت اترے | ہم عثمانؓ کی موت کی خبر نیزوں کی نوک سے پھیلاتے ہیں۔ |

ردوا علینا شیخنا ثم بجل

ہمارے بڈھے کو ہم کو واپس کر دو ہم کو بس ہے

حضرت علیؓ نے دیکھا کہ جب تک یہ اونٹ بٹھایا نہ جائیگا مسلمانوں کی ناحق خونریزی رک نہیں سکتی، اس لیے آپ کے اشارہ سے ایک شخص نے پیچھے سے جا کر اونٹ کے پاؤں پر تلوار ماری، اونٹ بلبلا کر بیٹھ گیا، حضرت عائشہؓ کے بھائی محمد بن ابی بکر جو حضرت علیؓ کے ساتھ تھے، جناب امیرؓ نے ان کو حکم دیا کہ اپنی ہمشیرہ محترمہ کی خبرگیری کریں اور عام منادی کر دی کہ بھاگنے والوں کا تعاقب نہ کیا جائے، زخمیوں پر گھوڑے نہ دوڑائے جائیں، مال غنیمت نہ لوٹا جائے، جو ہتھیار ڈال دے وہ امان ہے، پھر خود امیر المومنین حضرت عائشہؓ کے پاس حاضر ہو کر مزاج پرسی کی اور بصرہ میں چند دنوں تک آرام و آسائش کا موقع دے کے بعد محمد بن ابی بکرؓ کے ہمراہ عزت و احترام کے ساتھ مدینہ بھیجا، بصرہ کی چالیس شریف معزز خواتین جلوس میں تھیں، حضرت علیؓ رخصت کرنے کے لیے چند میل تک خود ساتھ گئے اور ایک منزل تک اپنے صاحبزادوں کو مشایعت کے لیے بھیجا، حضرت عائشہؓ نے رخصت ہوتے وقت لوگوں سے فرمایا کہ بیٹو! ہماری باہمی کشمکش محض غلط فہمی کا نتیجہ تھی ورنہ مجھ سے علیؓ سے پہلے کوئی جھگڑا نہ تھا، حضرت علیؓ نے بھی ان الفاظ میں تصدیق کی اور فرمایا کہ یہ آنحضرت کی حرم محترم اور ہماری ماں ہیں ان کی تعظیم و توقیر ضروری ہے، غرض پہلی رجب سنہ ہجری

سنیچر کے روز مدینہ کی طرف روانہ ہولین

بصرہ مین چند روزہ قیام کے بعد حضرت علیؓ نے کوفہ کا عزم کیا اور ۱۲ رجب ۳۶ھ دوشنبہ کے روز داخل شہر ہوئے، اہل کوفہ نے قصر امارت مین اُترنے کا سامان کیا تھا لیکن زہد و قناعت کے مجسمہ نے اس مین فروکش ہونے سے انکار کیا اور فرمایا کہ عمر بن خطابؓ نے ہمیشہ ان عالیشان محلات کو حقارت کی نگاہ سے دیکھا مجھے بھی اس کی حاجت نہین، بیابان میرے لیے بس ہے، غرض میدان مین عارضی اقامت ڈالی پھر مسجد اعظم مین داخل ہو کر دو رکعت نماز ادا کی اور جمعہ کے روز ایک نہایت موثر خطبہ دے کر لوگون کو تقوی و پرہیزگاری اور وفا شعاری کی ہدایت کی۔

حضرت علیؓ نے مدینہ کو چھوڑ کر کوفہ مین مستقل اقامت اختیار کی اور دار الحکومت حجاز سے عراق کو منتقل ہوگیا، دار الحکومت کی اس تبدیلی کے وجوہ کے متعلق لوگون نے مختلف باتین بیان کی ہین مگر میرے نزدیک صحیح یہ ہے کہ حضرت عثمانؓ کے قتل سے حرم نبوی کی جو توہین کی وہ ایسا دردناک منظر تھا جس نے علی مرتضیٰ کو مجبور کیا کہ وہ آئندہ سلطنت کے سیاسی مرکز کو حجاز اور اہل حرم سے علیحدہ کردین، ایک وجہ یہ بھی تھی کہ کوفہ مین حضرت علیؓ کے طرفدارون اور حامیون کی اس وقت سب سے بڑی تعداد تھی، بہرحال حضرت علیؓ نے کوفہ مین قیام فرما کر ملک کا از سر نو نظم و نسق شروع کیا، حضرت عبداللہ بن عباسؓ کو بصرہ کی ولایت سپرد کی، مدائن پر یزید بن قیس، اصفہان پر محمد بن سلیم، کسکر پر قدامہ بن عجلان ازدی، سجستان پر ربعی بن کاس اور تمام خراسان پر خلید بن کاس کو مامور کرکے بھیجا، خلید جب خراسان پہونچے تو خبر ملی کہ شاہزادگان کسریٰ کی ایک لڑکی نے نیشاپور پہونچ کر بغاوت کرادی ہے، چنانچہ انھون نے نیشاپور پر فوج کشی کرکے بغاوت فرو کی اور اس لڑکی کو بارگاہ خلافت مین

بھیجا۔ جناب امیر نے اُس کے ساتھ نہایت لطف و کرم کا برتاؤ کیا اور اس سے فرمایا
کہ اگر پسند کرے تو اپنے فرزند اکبر امام حسن (علیہ السلام) سے نکاح کر دوں۔ اس نے گذارش
کی کہ وہ ایسے شخص سے بیاہ کرنا نہیں چاہتی جو کہ میں خود مختار ہوں۔ البتہ خود جناب امیر اپنے
عقد نکاح سے مشرف فرمائیں تو البتہ خاطر خواہ ہوں۔ حضرت علیؑ نے انکار کیا اور اسے
آزاد کر دیا کہ جہاں کہیں چاہے رہے اور جس سے چاہے بیاہ کرے۔

جزیرہ، موصل اور شام کے متصلہ علاقوں پر اشتر نخعی کو مامور کیا۔ اشتر نے بڑھ کر شام کے
بعض علاقوں پر بھی قبضہ کر لیا لیکن امیر معاویہ کے عامل ضحاک بن قیس نے حران اور رقہ
کے درمیان فوجی قوت سے مقابلہ کر کے اشتر کو پھر موصل واپس جانے پر مجبور کیا۔ اشتر نے
موصل میں قیام کر کے شامی فوج سے متصل چھیڑ چھاڑ شروع کر دی اور اس سیلاب کو آگے
بڑھنے سے روکے رکھا۔

**صلح کی دعوت**

اگرچہ یہ معلوم تھا کہ امیر معاویہ مصالحت کے ساتھ خلافت تسلیم نہیں کریں گے،
لیکن حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے ایک مرتبہ صلح کی دعوت دی اور جریر بن عبداللہؓ کو
قاصد بنا کر بھیجا۔ جریر ایسے وقت امیر معاویہ کے پاس پہنچے کہ دربار میں رؤسائے شام کا
ایک عظیم الشان مجمع موجود تھا۔ امیر معاویہ نے خط لیکر پہلے خود پڑھا پھر بآواز بلند حاضرین کو
سنایا۔ بعد حمد و نعت کے خط کا مضمون یہ تھا۔

"تم اور تمہارے زیر اثر جس قدر مسلمان ہیں سب پر میری بیعت لازم ہے کیونکہ مہاجرین
و انصار کے اتفاق عام نے مجھے منصب خلافت کے لیے منتخب کیا ہے۔ ابوبکرؓ، عمرؓ اور عثمانؓ کو
بھی انہی لوگوں نے منتخب کیا تھا۔ اس لیے جو شخص اس بیعت کے بعد سرکشی اور اعراض کرے گا
وہ جبراً اطاعت پر مجبور کیا جائیگا۔ پس تم مہاجرین و انصار کا اتباع کرو یہی سب سے بہتر طریقہ ہے

ورنہ جنگ کیلیے تیار ہو جاؤ۔ تم نے عثمانؓ کی شہادت کو اپنی مقصد برآری کا وسیلہ بنایا ہے اگر تم کو عثمانؓ کے قاتلوں سے انتقام لینے کا حقیقی جوش ہے تو پہلے میری اطاعت قبول کرو اسکے بعد باضابطہ اس مقدمہ کو پیش کرو میں کتاب اللہ اور سنت رسولؐ کے مطابق اسکا فیصلہ کرونگا۔ ورنہ تم نے جو طریقہ اختیار کیا ہے وہ محض دھوکا اور فریب ہے۔

امیر معاویہؓ بیس بائیس برس سے شام کے والی تھے۔ اس طویل مدت ولایت میں انمیں استقلال وخود مختاری کی تمنا پیدا کر دی تھی۔ حصول تمنا کے لیے اس سے زیادہ بہتر موقع نہیں ہو سکتا تھا۔ بنو امیہ اور بنو ہاشم کی پرانی چشمک پھر تازہ ہو گئی تھی حضرت علیؓ نے تمام عمال عثمانی کو برطرف کر دیا تھا۔ اور وہ سب امیر معاویہ کے گرد جمع ہو گئے تھے بہت قبائل عرب جو اگرچہ اموی نہ تھے۔ مگر شام اور دمشق نے ان کو بھی طرفدار بنا لیا تھا۔ اور بعض صحابہ بھی اپنے اغراض ومقاصد کے لحاظ سے ان کے دست وبازو تھے۔ حضرت عمرو بن العاص نے مصر کی ولایت کا عہد لیکر اعانت و مساعدت کا وعدہ کر لیا تھا۔ مغیرہ بن شعبہ اور زیاد جو عرب کے بڑے چالاک اور سیاسی لوگوں میں سمجھے جاتے تھے دربار مرتضوی سے بیزار ہو چکے تھے بالآخر امیر معاویہ کے حلقۂ احباب میں شامل ہو گئے تھے۔ عبید اللہ بن عمر جنہوں نے اپنے والد کے جوش انتقام میں ایک پارسی نو مسلم ہرمزان کو بے وجہ قتل کر دیا تھا اور حضرت عثمانؓ نے ان سے قصاص نہیں لیا تھا۔ حضرت علیؓ کی مسند نشینی کے بعد اس خوف سے بھاگ کر امیر معاویہ کے دامن عاطفت میں پناہ گزین ہو گئے تھے کہ شاید وہ مقدمہ پھر نئے سرے سے چلایا جائے حضرت عثمانؓ کی شہادت اور ان کے قاتلوں کو سزا دینے کا مسئلہ عوام کو ہیجان میں لانے کے لیے کافی تھا۔ چنانچہ تمام ملک شام میں پورے طریقہ پر اس کی اشاعت کی گئی تھی ہر ایک گاؤں قصبہ اور شہر میں واعظ اور خطیب مقرر کیے گئے تھے کہ لوگوں میں حضرت عثمانؓ کے انتقام کا

اور جب جنگ کے سد باب کی تمام کوششیں ناکام رہیں، حضرت علیؓ نے مجبور ہو کر قبضہ شمشیر کو ہاتھ رکھا، تمام عمال و حکام کو دور دراز حصص ملک سے جنگ میں شریک ہونے کے لیے بلایا، اور تقریباً اسی ہزار کی جمعیت کے ساتھ حدود شام کا رخ کیا۔

**سرگرمیاں** جب یہ فوج گراں فرات کو عبور کر کے سرحد شام میں داخل ہو گئی تو امیر معاویہ کی طرف سے ابوالاعور سلمی نے مقدمۃ الجیش کو آگے بڑھنے سے روکا، اس کے افسر زیاد بن النضر اور شریح بن ہانی تھے، انھوں نے تمام دن نہایت جانبازی کے ساتھ مقابلہ کیا، اسی اثنا میں اشتر نخعی کمک لیکر پہونچ گئے، ابوالاعور نے دیکھا کہ اب مقابلہ دشوار ہے، رات کی تاریکی میں اپنی فوج کو ہٹا لیا اور امیر معاویہ کو فوج مخالف کی آمد کی اطلاع دی، انھوں نے صفین کے میدان کو مدافعت کے لیے منتخب کیا اور پیش قدمی کر کے مناسب موقعوں پر مورچے جما دیئے گھاٹ پر بھی تسلط کر لیا، اور ابوالاعور سلمی کو ایک بڑی جمعیت کے ساتھ متعین کر دیا کہ دشمن کو پانی لینے میں فوج مخالف کی مزاحمت کریں۔

**پانی کے لیے کشمکش** حضرت علیؓ کی فوج صفین پہونچی تو اس کو پانی کی وجہ سے سخت دقت پیش آئی، دریا پر ابوالاعور نے پہلے سے قبضہ کر لیا تھا، حضرت علیؓ نے حکم دیا کہ شامی فوج کا مقابلہ کر کے بزور گھاٹ پر قبضہ کریں، چنانچہ چند آدمی اتمام حجت کے لیے اشتر کے ساتھ دریا کی طرف بڑھے لیکن جیسے ہی قریب پہونچے ہر طرف سے تیروں کی بارش شروع ہو گئی، حضرت علیؓ کی فوج اسی پیش دستی کی منتظر تھی، سب نے ایک ساتھ حملہ کر دیا، ابوالاعور نے دیر تک ثبات و استقلال کے ساتھ مقابلہ کیا، عمرو بن العاصؓ نے بھی اپنی کمک سے تقویت دی لیکن پیاسوں کو پانی سے روکنا آسان نہ تھا، آخرکار دونوں اکھڑ گئے اور تمام گھاٹ پر تشنہ کاموں کا قبضہ ہو گیا، اب جو دقت امیر المومنینؓ کی فوج کو تھی وہی امیر معاویہ کو پیش آئی

اور اپنے حریف پر اس زور سے حملہ کیا کہ بڑے بڑے بہادروں کے پاؤں اکھڑ گئے، تمام صفیں درہم برہم ہوگئیں، حبیب بکر خود فوج کے آگے آگے تھے اور اس جانبازی سے لڑ رہے تھے کہ حریف کی صفیں چیرتے ہوئے امیر معاویہ کے مقصورہ تک پہونچ گئے۔ اس وقت زبان پر یہ رجز جاری تھا۔

(اضربہم ولا اری معاویہ الجاحظ العین العظیم الحاویہ

حضرت علیؓ نے پکار کر کہا، معاویہ! خلق خدا کا خون کیوں گراتے ہو؟ آؤ ہم تم باہم اپنے جھگڑوں کا فیصلہ کر لیں۔ اس مبارزت پر عمرو بن العاصؓ اور امیر معاویہؓ میں حسب ذیل مکالمہ ہوا۔

عمرو بن العاصؓ: بات انصاف کی ہے۔

امیر معاویہ: خوب! کیا انصاف ہے، تم جانتے ہو کہ جو اس شخص کے مقابلہ میں جاتا ہے پھر زندہ نہیں بچتا۔

عمرو بن العاصؓ: جو کچھ ہو تاہم مقابلہ کے لیے نکلنا چاہیے۔

امیر معاویہ: تم چاہتے ہو کہ میرے قتل کے بعد میرے منصب پر قبضہ کرو۔

امیر معاویہ نے اعراض کیا تو عمرو بن العاص نے خود بڑھ کر حیدر کرار کو مقابلہ کے لیے بلایا، شیر خدا نے بڑھ کر لبیک کہا اور جھپٹے، دونوں آدمیوں میں تیغ و سنان کا رد و بدل ہو رہا تھا ایک دفعہ حضرت علیؓ نے ایسا وار کیا کہ اس سے سلامت بچنا ناممکن تھا۔ عمرو بن العاصؓ نے اس وار سے بچنے کے لئے اپنے کو گھوڑے سے گرا دیا اور بالکل برہنہ ہو گئے۔ فاتح خیبر نے اپنے حریف کو برہنہ دیکھ کر منہ پھیر لیا اور زندہ چھوڑ کر واپس چلے آئے۔

اس جنگ کے بعد تھوڑی تھوڑی فوج سے مقابلہ ہونے کے بجائے پوری فوج کے

ساتھ جنگ ہونے لگی چند دنوں تک یہی سلسلہ جاری رہا یہاں تک کہ جمعہ کے روز وہ عظیم الشان جنگ پیش آئی جو شدت و خونریزی کے لحاظ سے تاریخ اسلام میں اپنی آپ نظیر ہے صبح سے شام اور شام سے دوسری صبح تک اس زور کا رن پڑا کہ نعروں کی گرج گھوڑوں کی ٹاپوں اور تلوار کی جھنکاروں سے کرۂ ارض تھرا رہا تھا اسی مناسبت سے اسکو لیلۃ الہریر کہتے ہیں۔

دوسری صبح کو مجروحین و مقتولین کے اٹھانے کے لیے جنگ ملتوی ہو گئی حضرت علیؓ نے اپنے طرفداروں کو طلب کرکے نہایت پُر جوش تقریر کی اور فرمایا "جانبازو! ہماری کوششیں اس حد تک پہنچ چکی ہیں کہ انشاء اللہ کل اس کا آخری فیصلہ ہو جائے گا پس آج کچھ آرام لینے کے بعد کل اپنے حریف کو آخری شکست دینے کے لیے تیار ہو جاؤ اور اسوقت تک میدان سے منہ نہ موڑو جب تک اس کا قطعی فیصلہ نہ ہو جائے"

امیر معاویہؓ اور عمرو بن العاصؓ نے گو اس وقت تک نہایت جانبازی شجاعت اور پامردی کے ساتھ اپنی فوجوں کو سرگرم کارزار رکھا تھا، تاہم لیلۃ الہریر کی جنگ سے انھیں یقین ہو گیا تھا کہ اب لشکر حیدری کا مقابلہ ناممکن ہے، قبیلوں کے سردار بھی ہمت ہار گئے تھے اشعث بن قیس نے علانیہ دربار میں کھڑے ہو کر کہا کہ اگر مسلمانوں کی باہمی لڑائی ایسی ہی قائم رہی تو تمام عرب ویران ہو جائیگا اور رومی شام میں جا کر اہل و عیال پر قبضہ کر لینگے اسیطرح ایران کے دہقان اہل کوفہ کی عورتوں اور بچوں پر متصرف ہو جائینگے تمام درباریوں کی نظریں امیر معاویہ کے چہرہ پر گڑ گئیں اور سب نے بالاتفاق اس خیال کی تائید کی۔

امیر معاویہ نے جناب مرتضیٰ کو لکھا کہ اگر ہم کو اور خود آپ کو معلوم ہوتا کہ یہ جنگ

استقلال کھینچ لی تو تھا لیا۔ پھر دونون اس کو چھوڑنا پسند نہ کرتے تھے بہرحال اب ہم کو اس تباہ کن
جنگ کا خاتمہ کر دینا چاہیئے ہم لوگ بنی عبد مناف ہیں اور آپس میں ایک کو دوسرے پر
کوئی فوقیت نہیں اس لیے مصالحت ایسی ہو کہ فریقین کی عزت برقرار رہے۔" حضرت علی
کرم اللہ وجہہ نے اب مصالحت سے انکار کیا اور دوسرے روز علی الصباح زرہ بکتر سے آراستہ
ہو کر اپنی فوج ظفر موج کے ساتھ میدان میں صف آرا ہوئے لیکن حریف نے جنگ ختم کرنے کا
تہیہ کر لیا تھا۔ جناب امیر نے مصالحت سے اعراض کیا تو عمرو بن العاص نے کہا اب میں ایک
ایسی چال چلون گا کہ یا تو جنگ کا خاتمہ ہی ہو جائیگا یا علی کی فوج میں تفرقہ عظیم برپا ہو جائے
چنانچہ دوسری صبح کو شامی فوج ایک عجیب منظر کے ساتھ میدان جنگ میں آئی آگے آگے
دمشق کا مصحف اعظم پانچ نیزوں پر بندھا ہوا تھا اور اسکو پانچ آدمی لیئے ہوئے تھے
اسکے علاوہ جس جس کے پاس قرآن پاک تھا اس نے اسکو اپنے نیزے پر باندھ لیا تھا
حضرت علی کی طرف سے اشتر نخعی نے ایک جمعیت عظیم کے ساتھ حملہ کیا تو قلب سے فضل
ابن ادھم اور میمنہ سے شریح الجذامی اور میسرہ سے ورقا بن معمر نے بہت دور چلا کر کہا۔ "گروہ عرب
فدا رومیون اور ایرانیون کے ہاتھ سے تمھاری عورتون اور بچون کو کون بچائے گا اگر تم فنا ہوگئے دیکھو
یہ کتاب اللہ ہمارے اور تمھارے درمیان ہے" اسکے بعد ابو الاعور سلمی اپنے سر پر کلام مجید رکھے
ہوئے لشکر حیدری کے قریب آئے اور با آواز بلند کہا کہ اے اہل عراق! یہ کتاب اللہ
ہمارے اور تمھارے درمیان حکم ہے" اشتر نخعی نے اپنے ساتھیوں کو کہا کہ یہ حریف کی چال ہے اور
جوش میں آ کر نہایت زور و شور کے ساتھ حملہ کر دیا۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے لوگون کو کہا کہ مصاحف کا بلند کرنا محض عیاری ہے
ہم کو اس دام تزویر سے بچنا چاہیئے کہ اس وقت ہانی الغضبان بن ثور اور خالد بن المعمر نے

بھی امیرالمومنین کی تائید کی اور کہا کہ جب ہم نے ان کو قرآن کی طرف بلایا تو انھوں نے کچھ
پروا نہ کی لیکن جب ان کو اپنی تباہی و بربادی کا خوف ہوا تو اس مکاری کے ساتھ ہمیں دھوکا دینا
چاہتے ہیں لیکن باوجود اس کوشش کے ایک جماعت پیدا ہو گئی جس نے نہایت سختی کے
ساتھ اصرار کیا کہ قرآن کی دعوت کو رد نہ کرنا چاہیے اور دھمکی دی کہ اگر قرآن کے درمیان میں
آنے کے بعد بھی جنگ بند نہ ہوگی تو وہ حضرت عثمانؓ کی طرح کشتہ ہو جائیں گے بلکہ خود جناب امیر
کے خون کی پیاسی ہوگی، مسعر بن فدکی، زید بن حصین طائی اور ابن الکوا اس جماعت کے
سرگروہ تھے، اتفاق سے اشعث بن قیس نے عرض کی "امیرالمومنین! جس طرح کل آپ کا خیال
تھا اسی طرح آج بھی ہوں لیکن میری بھی یہی رائے ہے کہ قرآن مجید کو حکم مان لینا چاہیے
غرض یہ جماعت اس کا سبب ہوئی کہ جناب مرتضیٰ کو مجبوراً اپنی فوج کو بازگشت کا حکم دینا
پڑا، اشتر نخعی اس وقت نہایت کامیابی سے جنگ میں مصروف تھے، واپسی کا حکم ملا تو ان کو سخت
صدمہ ہوا، فرودگاہ پر پہنچے تو نہایت غیظ و غضب کی حالت میں مسعر بن فدکی وابن الکوا
وغیرہ سے جنھوں نے التوائے جنگ پر مجبور کیا تھا نہایت تلخ گفتگو ہوئی اور قریب تھا کہ باہم
کشت و خون کی نوبت پہنچ جائے لیکن جناب امیر نے درمیان میں پڑ کے معاملہ کو رفت
وگذشت کر دیا۔

جنگ ملتوی ہو گئی تو حسب قرارداد مصالحت کے بعد فریقین سے ثالثوں کا انتخاب ہوا
اور بحث و مباحثہ کے بعد قرار پایا کہ خلافت کا مسئلہ دو حکم پر محول کر دیا جائے اور وہ جو کچھ فیصلہ کریں
اس کو قطعی تصور کیا جائے، شامیوں نے اپنی طرف سے عمرو بن العاص پر اعتماد ظاہر کیا،
اہل عراق کی طرف سے اشعث بن قیس نے حضرت ابوموسیٰ اشعری کا نام لیا، حضرت
علیؓ نے ان سے اختلاف کر کے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کو تجویز کیا، لوگوں نے کہا کہ

عبداللہ بن عباسؓ اور آپ ایک ہی زبان لکھم کو جیرجانبدار رہنا چاہیئے اب جناب ابو موسیٰ اشعری کا نام لیا اشعث بن قیس نے بڑا فروختہ ہو گیا۔ جنگ کی آگ اشعری نے بھڑکائی ہے اور اس وقت تک ہم اسی کی رائے پر چلا کرتے رہے اپنی بیٹی جب تک آخری نتیجہ نہ ہو ہر فریق پر ایک دوسرے کے دربے فنا رہنا ظاہر ہے جنگی رائے یہ ہے اس کا فیصلہ بھی یہی ہوگا" حضرت علیؓ نے دیکھا کہ لوگ ابو موسیٰ کے علاوہ اور کسی پر رضامند نہیں تو تحمل و بردباری کے ساتھ فرمایا "جسکو چاہو حکم بناؤ مجھے بحث نہیں"

حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ جنگ سے کنارہ کش ہو کر کسی شام کے ایک گاؤں میں گوشہ نشین ہو گئے تھے لوگوں نے قاصد بھیجکر ان کو بلایا اور دونوں فریق کے ارباب حل و عقد ایک عہد نامہ ترتیب دینے کے لیے جمع ہوئے کاتب نے بسم اللہ الرحمن الرحیم کے بعد لکھا ہٰذا ما تقاضی علیہ امیر المومنین" امیر معاویہ نے اعتراض کیا کہ میں امیر المومنین تسلیم کر لیتا تو پھر جھگڑا ہی کیا تھا، عمرو بن العاص نے مشورہ دیا کہ صرف نام پر لکھا کیا جائے لیکن احنف بن قیس اور حضرت علیؓ کے دوسرے جان نثاروں کو اس لقب کا محو ہونا نہایت شاق تھا خدا سے رسول نے کہا "خدا کی قسم یہ سنت کبری ہے" صلح حدیبیہ میں رسول اللہ کے لقب پر بھی اعتراض ہوا تھا اس لیے جسطرح حضور انورؐ نے اپنے دست مبارک سے محو کر دیا تھا اسیطرح میں بھی اپنے ہاتھ سے مٹاتا ہوں غرض معاہدہ لکھا گیا اور دونوں طرف کے سربرآوردہ آدمیوں نے دستخط کر کے اسکو موثق کیا معاہدہ کا خلاصہ یہ ہے:

"علیؓ، معاویہ اور ان دونوں کے طرفدار باہمی رضامندی کے ساتھ عہد کرتے ہیں کہ عبداللہ بن قیس اور عمرو بن العاص قرآن پاک اور سنت نبوی کے مطابق جو فیصلہ کرینگے اسکے تسلیم کرنے میں پس و پیش نہ ہوگا اس لیے دونوں حکم کے لیے نہایت ضروری ہے کہ

وہ قرآن اور سنت نبوی کو نصب العین بنائیں اور کسی حالت میں ان سے تجاوز نہ کریں
حکم کی جان اور ان کا مال محفوظ رہیگا۔ اور ان کے حق فیصلہ کی مدت تا بہ رمضان ہوگی۔
اگر فیصلہ کتاب اللہ اور سنت نبوی کے خلاف ہوگا تو تسلیم نہیں کیا جائیگا اور فریقین کو
اختیار ہوگا کہ پھر دوسرے کو اپنا حکم بنائیں۔

**خارجی فرقہ کی بنیاد**

معاہدہ تحریر ہو چکنے کے بعد چہار شنبہ کے روز ترتیب دیا۔ اشعث بن قیس
تمام قبائل کو اس معاہدہ سے مطلع کرنے پر مامور ہوئے وہ سب کو سناتے ہوئے جب عنزہ
کے فرودگاہ پر پہنچے تو دو آدمیوں نے کھڑے ہو کر کہا کہ خدا کے سوا اور کسی کو فیصلہ کا حق
نہیں اور غضبناک ہو کر شامی فوج پر حملہ کردیا اور لڑکر مارے گئے۔ اسیطرح قبیلہ مراد اور بنو راسب
اور بنو تمیم نے بھی اس کو ناپسند کیا۔ بنو تمیم کے ایک شخص عروہ بن اُدیہ نے اشعث سے
سوال کیا کیا تم لوگ خدا کے دین میں آدمیوں کا فیصلہ قبول کرتے ہو؟ اگر ایسا ہے تو بتاؤ
ہمارے مقتول کہاں جائیں گے۔ اور غضبناک ہو کر تلوار کا ایک ہاتھ وار کیا کہ اگر غافل نہ ہوتا
تو اشعث کا کام ہی تمام ہوجاتا۔ غرض حضرت علیؓ کی خدمت میں حاضر ہو کر بہت سے آدمیوں
نے اس معاہدہ کی نسبت اپنی بیزاری ظاہر کی۔ محرز بن خنیس نے عرض کی "امیر المومنین
اس معاہدہ سے رجوع کر لیجئے، واللہ میں ڈرتا ہوں کہ اس کا انجام برا ہو" غرض
ایک معتدبہ جماعت نے اس کو ناپسند کیا اور انجام کار اسی ناپسندیدگی نے ایک مستقل فرقہ
کی بنیاد قائم کردی جس کا تفصیلی تذکرہ آگے آئیگا۔

**تحکیم کا نتیجہ**

حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور امیر معاویہ نے دومۃ الجندل کو جو عراق اور شام کے
وسط میں تھا باتفاق تحکیم کے لیے جلسہ کا مقام منتخب کیا اور ہر ایک نے اپنے حکم کے
ساتھ چار چار سو آدمیوں کی جمعیت ساتھ کردی۔ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کے ساتھ جو فوج گئی تھی

اس کے افسر شریح بن ہانی اور مذہبی نگران حضرت عبد اللہ بن عباس تھے۔ حضرت عبد اللہ
بن عمرؓ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ، حضرت مغیرہ بن شعبہ وغیرہ بھی جو اپنے ورع و تقوے کے باعث
اس خانہ جنگی میں شریک نہ ہوئے تھے حضرت سے تحکیم کی خبر سن کر اس کا آخری فیصلہ معلوم
کرنے کے لیے دومۃ الجندل میں جمع ہو گئے۔ حضرت مغیرہ بن شعبہ نہایت نکتہ رس اور دانشمند
بزرگ تھے۔ وہ دومہ پہنچے تو ابو موسیٰ اشعریؓ اور عمرو بن العاصؓ سے علیحدہ علیحدہ
گفتگو کرکے ان کی رائے کا اندازہ کیا تو انھیں یقین ہو گیا کہ ان دونوں میں اتحاد رائے
ممکن نہیں ہے چنانچہ انھوں نے علانیہ پیشین گوئی کر دی کہ اس تحکیم کا نتیجہ خوش آیند نہ ہوگا
بہرحال دونوں حکم حسب قرارداد گو خلوت میں جمع ہوئے عمرو بن العاصؓ نے حضرت
ابو موسیٰ اشعریؓ کو اپنا ہمنوا بنانے کے لیے ان کی غیر معمولی تعظیم و توقیر شروع کی تعریف
و توصیف کی بعدہٗ اصل مسئلہ کے متعلق جو گفتگو ہوئی اس کا خلاصہ یہ ہے:

ابو موسیٰ- عمرو! تم اس رائے کے متعلق کیا خیال رکھتے ہو جس سے خدا کی
خوشنودی اور قوم کی بہبودی دونوں میسر آئے؟

عمرو بن العاص: وہ کیا ہے؟

ابو موسیٰ- عبد اللہ بن عمر کو منصب خلافت پر متمکن کرنا چاہیے کیونکہ انھوں نے ان
خانہ جنگیوں میں کسی طرح حصہ نہیں لیا ہے۔

عمرو بن العاص- معاویہ میں کیا خرابی ہے؟

ابو موسیٰ- معاویہ نہ اس منصب جلیل کے لیے موزوں ہیں اور نہ ان کو کسی طرح کا
استحقاق ہے، ہاں اگر تم مجھ سے اتفاق کرو تو فاروق اعظم کا عہد لوٹ آئے اور عبد اللہ اپنے
باپ کی یاد پھر تازہ کریں۔

عمرو بن العاص۔ میرے لڑکے عبداللہ پر آپ کی نظر انتخاب کیوں نہیں پڑتی فضل
و منقبت میں تو وہ بھی کچھ کم نہیں؟

ابوموسیٰ۔ بےشک تمہارا لڑکا صاحب فضل و منقبت ہے۔ لیکن ان خانہ جنگیوں میں
شریک کرکے تم نے اُن کے دامن کو بھی ایک حد تک داغدار کردیا ہے۔ برخلاف اس کے
طیب بن الطیب عبداللہ بن عمرؓ کا لباس تقویٰ ہر قسم کے دھبوں سے محفوظ ہے۔ ایس آؤ!
انہی کو مسند خلافت پر بٹھادیں؟

عمرو بن العاص۔ ابوموسیٰ! اس منصب کی صلاحیت صرف اُس میں ہوسکتی ہے جسکے
دو دانت ہوں ایک سے کھائے اور دوسرے سے کھلائے۔

ابوموسیٰ۔ عمرو! تمہارا بُرا ہو کشت و خون کے بعد مسلمانوں نے جان کا دامن پکڑا ہے
اب ہم اُن کو پھر فتنہ و فساد میں مبتلا نہیں کرینگے۔

عمرو بن العاص۔ پھر آپ کی کیا رائے ہے؟

ابوموسیٰ۔ ہمارا خیال ہے کہ علیؓ اور معاویہؓ دونوں کو معزول کردیں اور مسلمانوں کی مجلس
شوریٰ کو پھر نئے سرے سے اختیار دیں کہ جسکو چاہے منتخب کرے۔

عمرو بن العاص۔ مجھے بھی اس سے اتفاق ہے۔

مذکورۂ بالا قرارداد کے بعد دونوں ایک دوسرے سے جُدا ہوئے تو عبداللہ بن عباسؓ نے
ابوموسیٰ کے پاس آکر کہا۔ خدا کی قسم مجھے یقین ہے کہ عمروؓ نے آپکو دھوکا دیا ہوگا اگر کسی رائے پر اتفاق
ہوا ہو تو آپ ہرگز اعلان میں سبقت نہ کیجئے گا وہ نہایت غدار ہے کیا عجب ہے کہ وہ آپکے
بیان کی مخالفت کر بیٹھے۔ ابوموسیٰ نے کہا کہ ہم لوگ ایسی رائے پر متحد ہوئے ہیں کہ اسمیں اختلاف
کی گنجائش نہیں۔ غرض دوسرے روز مسجد میں مسلمانوں کا مجمع ہوا حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ نے

**خوارج کی سرکشی** پہلے گذر چکا ہے کہ تحکیم کو حضرت علیؓ کے اعوان و انصار میں ... ایک معتد
جماعت نے ناپسند کیا تھا چنانچہ جب وہ صفین سے کوفہ واپس تشریف لائے تو اس نے
اپنی ناپسندیدگی کا ثبوت اس طرح دیا کہ تقریباً بارہ ہزار آدمیوں نے لشکر چھوڑ دیا اور الگ
ہو کر حروراء میں اقامت اختیار کی حضرت علیؓ نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کو سمجھانے کے
لیے بھیجا لیکن ناکامی ہوئی تو خود تشریف لے گئے اور مناظرہ و مباحثہ کے بعد راضی کر کے
سب کو کوفہ لے آئے، یہاں یہ افواہ پھیل گئی کہ جناب امیر نے اُن کی خاطر سے تحکیم کو کفر
تسلیم کر کے اس سے توبہ کی ہے حضرت علیؓ کے کان میں اس کی بھنک پہنچی تو آپ نے مجمع عام میں
فوراً خطبہ دیا اس کی تکذیب کی اور فرمایا کہ پہلے ان ہی لوگوں نے مجھے التوا کرنے پر مجبور کیا
پھر تحکیم پر ناپسندیدگی ظاہر کی اور اب چاہتے ہیں کہ عہد شکنی کر کے قبل اختتام میعاد جنگ شروع
کر دوں خدا کی قسم یہ نہیں ہو سکتا، جامع مسجد میں اس جماعت کے لوگ بھی موجود تھے وہ یک بیک
چلا اٹھے لاحکم الا للہ یعنی فیصلہ کا حق صرف خدا کو ہے، ایک شخص نے سامنے آکر
نہایت بلند آہنگی سے کہا:

| | |
|---|---|
| وَلَقَدْ اُوْحِیَ اِلَیْکَ وَاِلَی الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکَ | اے محمد تیری طرف اور تجھ سے قبل انبیاء کی طرف وحی کی گئی کہ اگر تم نے |
| لَئِنْ اَشْرَکْتَ لَیَحْبَطَنَّ عَمَلُکَ وَلَتَکُوْنَنَّ | شرک کیا تو تیرے سب کئے کرائے اکارت ہو جائیں گے |
| مِنَ الْخَاسِرِیْنَ (زمر) | اور تم نقصان اٹھانے والوں میں ہو گے |

حضرت علیؓ نے برجستہ جواب دیا:

| | |
|---|---|
| فَاصْبِرْ اِنَّ وَعْدَ اللّٰہِ حَقٌّ وَّلَا یَسْتَخِفَّنَّکَ | تو صبر کر خدا کا وعدہ سچا ہے اور بے یقین تجھ کو ہلکا نہ سمجھیں |
| الَّذِیْنَ لَا یُوْقِنُوْنَ (روم) | |

غرض رفتہ رفتہ اس جماعت نے ایک مستقل فرقہ کی صورت اختیار کر لی اور متواتر جلسے کرنے لگی

تحکیم کا افسوسناک نتیجہ ملک میں شائع ہوا، تو اس فرقہ نے جناب مرتضیٰؓ کی بیعت سے الگ
ہو کر عبداللہ بن وہب راسبی کے ہاتھ پر بیعت کی، اور کوفہ، بصرہ، انبار، مدائن وغیرہ میں
جسقدر اس فرقہ کے لوگ موجود تھے وہ سب ایک ایک کر کے نہروان میں جمع ہوئے، اور ملک
میں عام طور پر قتل و غارت کا بازار گرم کر دیا،

خارجیوں کا عقیدہ تھا کہ معاملات دین میں سرے سے حکم مقرر کرنا کفر ہے، پھر ان دونوں
حکموں نے جس طریقہ پر اس کا فیصلہ کیا اس کے لحاظ سے خود وہ دونوں اور ان کے انتخاب کرنے والے
کافر ہیں، نیز اس عقیدہ سے جسکو اتفاق نہ ہو وہ بھی گردن زدنی ہے، چنانچہ انھوں نے عبداللہ
بن خباب اور ان کی حاملہ بیوی کو نہایت بیدردی کے ساتھ قتل کر دیا، اسی طرح ام سنان صیداویہ
کو وحشیانہ ستم کا نشانہ بنایا، اور جو کوئی ملا اسکو یا تو اپنا ہم خیال بنا لیا یا تلوار کے گھاٹ اتار دیا، حضرت علیؓ کو ان
جگر خراش واقعات کی اطلاع ہوئی تو حارث بن مرہ کو دریافت حال کے لیے بھیجا، خارجیوں نے
اس غریب کا بھی کام تمام کر دیا،

جناب مرتضیٰؓ اس وقت نئے سرے سے شام پر فوج کشی کی تیاری کر رہے تھے لیکن جب
خارجیوں کی سرکشی اس قدر رعونت کی حد تک پہونچ گئی تو اس ارادہ کو ملتوی کر کے نہروان کا
قصد کرنا پڑا،

**معرکہ نہروان**

حضرت علیؓ نے نہروان پہونچ کر پہلے حضرت ابو ایوب انصاریؓ اور قیس بن سعد
بن عبادہ کو خارجیوں کے پاس بھیجا کہ بحث و مباحثہ سے اُن کو ان کی غلطی پر متنبہ کریں اور جب
ان دونوں کو ناکامی ہوئی تو خارجیوں کے ایک سردار ابن الکواء کو بلا کر خود ہر طرح سمجھایا
لیکن قلوب تاریک ہو چکے تھے، آنکھوں پر ضلالت و گمراہی کا پردہ پڑ چکا تھا، اس لیے ارشاد
و ہدایت کے تمام مساعی ناکام رہے، بالآخر جناب امیرؓ نے مجبوراً فوج کو تیاری کا حکم دیا، اور میمنہ پر

حجر بن عدی کو میمنہ پر شبث بن ربعی کو میسرہ پر حضرت ابو قتادہ انصاری کو سواروں پر حضرت
ابو ایوب انصاری کو متعین کر کے باقاعدہ صف آرائی کی۔

خارجیوں میں ایک جماعت ایسی بھی تھی جس کو حیدر کرار سے جنگ آزما ہونے میں
پس و پیش تھا، چنانچہ لڑائی شروع ہونے سے پہلے پانچ سو آدمیوں نے جنگ سے پہلو تہی
کر کے بندنیجین کی راہ لی، ایک بڑے گروہ نے کوفہ کا قصد کیا، ایک ہزار آدمیوں نے توبہ کر کے
علم حیدری کے نیچے پناہ لی، اس طرح عبداللہ بن وہب الراسبی کے ساتھ صرف چار ہزار
خارجی رہ گئے، لیکن اس قلیل جماعت نے دو گروہوں میں منقسم ہو کر میمنہ اور میسرہ پر
اس زور سے حملہ کیا کہ اگر جاں نثاران علی میں غیر معمولی ثبات و استقلال نہ ہوتا تو ان کا
روکنا سخت مشکل تھا، خارجیوں کی حالت یہ تھی کہ اعضاء کٹ کٹ کر جسم سے علیحدہ ہو جاتے
تھے لیکن ان کی حملہ آوری میں فرق نہیں آتا تھا، شریح بن ابی اوفی کا ایک پاؤں
کٹ گیا تو وہ صرف ایک ہی پاؤں پر کھڑا ہو کر لڑتا رہا، غرض نہایت گھمسان کی جنگ ہوئی،
خارجی ایک ایک کر کے مارے گئے۔ جنگ ختم ہونے کے بعد حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے
خارجی مقتولین میں اس شخص کو تلاش کرنا شروع کیا جس کے متعلق رسول اللہ صلعم نے پیشین گوئی
کی تھی چنانچہ تمام علامات کے ساتھ وہ نعش برآمد ہوئی تو فرمایا "اللہ اکبر! خدا کی قسم رسول اللہ
نے کس قدر صحیح ارشاد فرمایا تھا"۔

جنگ نہروان سے فارغ ہونے کے بعد حضرت علیؓ نے شام کی طرف کوچ کا حکم دیا،
لیکن اشعث بن قیس نے کہا امیر المومنین! ہمارے ترکش خالی ہو گئے ہیں، تلواروں کی دھاریں
مڑ گئی ہیں اور نیزوں کے پھل خراب ہو گئے ہیں اس لیے بہتر ہے دشمن پر فوج کشی کرنے سے
پہلے اسباب و سامان درست کر لینا چاہئے۔ جناب امیر نے اشعث کی رائے کے مطابق

نخیلہ میں پڑاؤ کرکے لوگوں کو تیاری کا حکم دیا۔ لیکن لوگ تیار ہونے کے بجائے آہستہ آہستہ
دس دس بیس بیس کرکے کوفہ جانے لگے یہاں تک کہ آخر میں تقریباً صرف ایک ہزار کی
جمعیت ساتھ رہ گئی۔ حضرت علیؑ نے یہ رنگ دیکھا تو سردست شام پر فوج کشی کا ارادہ ترک
کر دیا اور کوفہ واپس جا کر اقامت اختیار کی۔

**مصر کی بے چینی:** پہلے لکھا جا چکا ہے کہ جناب مرتضیٰؑ نے مسند خلافت پر متمکن ہونے کے ساتھ
عہد عثمانی کے تمام عمال کو معزول کرکے نئے عمال مقرر کیے۔ چنانچہ مصر کی ولایت حضرت
قیس بن سعد انصاری کے سپرد ہوئی۔ انہوں نے نہایت حکمت عملی سے کام لے کر تقریباً تمام
اہل مصر کو جناب امیر علیہ السلام کی خلافت پر راضی کرلیا۔ اور سب سے بیعت لی صرف
قصبہ خرتبا کے لوگوں نے پس و پیش کیا اور عرض کی کہ جب تک حالات کچھ درست نہ ہو جائیں
اس وقت تک ان سے بیعت کے لیے اصرار نہ کیا جائے۔ البتہ وہ والی مصر کی اطاعت و فرمانبرداری
میں کوتاہی نہ کریں گے۔ اور نہ ملک میں امن و سکون کو صدمہ پہنچائیں گے۔ قیس بن سعد
نہایت پختہ کار اور صاحب تدبیر تھے۔ انہوں نے اس بھڑ کے چھتے کو چھیڑنے کے بجائے
نہایت خوشی کے ساتھ انہیں امن و سکون کی زندگی بسر کرنے کی اجازت دے دی اور فرمایا کہ
میں ہرگز تمہیں بیعت کے لیے مجبور نہیں کروں گا۔ اس رواداری کا نتیجہ یہ ہوا کہ اہل خرتبا
مطیع و فرماں بردار ہو گئے اور خراج وغیرہ ادا کرنے میں انہوں نے کبھی کوئی جھگڑا نہیں کیا۔
جنگ صفین کی تیاریاں شروع ہوئیں تو امیر معاویہؓ کو خوف ہوا کہ اگر دوسری طرف
قیس بن سعد اہل مصر کو لے کر شام پر چڑھ آئیں گے تو نہایت دقت کا سامنا ہوگا۔ اس
بنا پر انہوں نے خود قیس بن سعد کو ایک خط لکھ کر اپنا طرفدار بنانا چاہا۔ قیس بن سعد نے
دنیا سازی کے طور پر نہایت گول مول جواب دیا۔ لیکن امیر معاویہ فوراً اس کو تاڑ گئے اور

کردیا اور اُن کے مکانوں کو نذرِ آتش کرکے خاک سیاہ کردیا، اہلِ بصرہ نے مجبور ہوکے سرِ اطاعت جھکایا اور امیر المومنین کے ترحم نے عفوِ عام کا اعلان کیا۔

**بغاوتوں کا استیصال** جنگِ نہروان میں گو خارجیوں کا زور ٹوٹ چکا تھا، تاہم اُن کی چھوٹی چھوٹی جماعتیں تمام ملک میں موجود تھیں اور اپنی ریشہ دوانیوں سے وقتاً فوقتاً فتنہ برپا کرتی رہتی تھیں، چنانچہ خریت بن راشد کا صرف یہ کام تھا کہ جو مسلمان مرتدوں اور ذمیوں کو اپنے دامِ تمرد میں پھنسا کر ملک میں ہر طرف لوٹ مار کرتا پھرتا تھا، وہ ہر جگہ ذمیوں کو بھڑکا کر بغاوت کرادیتا تھا، حضرت علیؓ نے زیاد بن خصفہ اور ایک دوسری روایت کے مطابق معقل بن قیس کو اس کی سرکوبی پر مامور کیا، انہوں نے مسلسل تعاقب کے بعد رامہرمز کی پہاڑیوں میں مقابلہ کرکے اُس سے اور اُس کی جماعت سے ملک کو پاک و صاف کردیا، معقل بن قیس نے باغی ذمیوں سے پھر اطاعت کا عہد لیا، نہایت لطف و ترحم کا سلوک کیا، جو مسلمان اور مرتدوں کے ساتھ بھی اسلام قبول کرنے کے بعد باوجود خریت کی معاونت کے تائب ہوگئے، اس لطف و نوازش کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ معقل بن قیس رامہرمز سے واپس ہوئے تو مسلمانوں نے ایک مختار بیت کی پذیرائی کی، وہ عورتوں سے جدا ہوگئے تھا، وہ سب اُن کی جدائی پر بے اختیار آنکھوں سے آنسو نکل آئے۔

**امیر معاویہ کا جارحانہ عمل** جنگِ صفین کے التوا اور مسئلۂ تحکیم نے اگر ایک طرف حضرت علیؓ کی جماعت میں تفریق و اختلاف کا رخنہ ڈال کر خارجیوں کا خطرناک وجود پیدا کردیا تو دوسری طرف سب سے بڑا نقصان یہ کیا کہ مخصوص ہمدردوں اور معاون ساتھیوں کے عزم و ارادے بھی پست کردیئے، جناب امیرؓ نے بار بار شام پر چڑھائی کا قصد کیا اور پُرجوش خطبوں سے اپنے ساتھیوں کو حمایتِ حق کی دعوت دی اور دشمن آمیز جملوں سے ان کی رگِ غیرت کو جوش دلایا، لیکن

شیعیانِ علی کے دل پژمردہ ہو گئے تھے اور انہیں بہت سی شکایتیں تھیں۔ انھوں نے ہمیشہ سرد مہری اور سکوت سے اس کا جواب دیا۔ اس موقع پر حضرت علیؑ کی طرف جو خطبے منسوب ہیں اور جو نہج البلاغہ میں موجود ہیں۔ ان سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علیؑ کو اپنے حامیوں اور طرفداروں کی اس سرد مہری کا کتنا صدمہ تھا۔ بہرحال امیر معاویہ اس حقیقت سے ناواقف نہ تھے۔ انھوں نے اب اپنے حریف کے تساہل سے فائدہ اٹھا کر مدافعت کے بجائے جارحانہ طریقِ عمل اختیار کیا اور ۳۹ھ میں اپنی فوج کے چھوٹے چھوٹے دستے بنا کر حجاز، عراق اور جزیرہ میں پھیلا دیے کہ قتل و غارت کر کے جنابِ مرتضیٰؑ کی پریشانیوں میں اضافہ کریں۔ چنانچہ نعمان بن بشیر نے دو ہزار کی جمعیت سے عین التمر پر، سفیان بن عوف نے چھ ہزار کی قوت سے انبار اور مدائن وغیرہ پر، عبداللہ بن مسعدہ فزاری نے ایک ہزار سات سو آدمیوں سے تیماء پر، ضحاک بن قیس نے واقصہ کے قریب عصر پر اور خود امیر معاویہ نے دجلہ کے ساحلی علاقوں پر حملہ کر کے بہت سی آبادیاں لوٹ لیں۔ شیعیانِ علی کو تہ تیغ کیا۔ اور لوگوں کو اپنی حکومت کے سامنے گردنِ اطاعت خم کرنے پر مجبور کیا۔

**ایران و فارس کی بغاوتوں کا فرو کرنا**

حیدرِ کرار کی ہمتِ مردانہ نے گو بہت جلد امیر معاویہ کے حملہ آور دستوں کو ملکِ مقبوضہ سے نکال دیا۔ تاہم اس سے ایک عام بدامنی اور بے دلی پیدا ہو گئی۔ ایران و فارس کے مجوسیوں نے بغاوت کر کے خراج ادا کرنے سے انکار کر دیا۔ اکثر صوبوں کے عمال نکال دیے گئے اور ذمیوں نے خود سری اختیار کر لی۔ حضرت علیؑ نے اس عام بغاوت کے فرو کرنے کے متعلق مشورہ طلب کیا، لوگوں نے عرض کی کہ زیاد بن ابیہ سے زیادہ اس کام کے لئے کوئی شخص موزوں نہیں ہو سکتا۔ غرض زیاد اس مہم پر مامور ہوئے اور انھوں نے نہایت جلد فارس اور تمام ایران میں بغاوت کی آگ فرو کر کے امن و سکون پیدا کر دیا۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے بغاوت فرو ہونے کے بعد ایرانی باغیوں کے ساتھ اس قدر لطف و مدارات کا سلوک کیا کہ ایران کا بچہ بچہ منت پذیری کے جذبات سے لبریز ہو گیا۔ ایرانیوں کا خیال تھا کہ امیر المومنین علی بن ابی طالب کے طریق جہانبانی نے نوشیروانی طرز حکومت کی یاد بھلا دی۔

فتوحات [گذشتہ اوراق پڑھنے کے بعد یہ معلوم ہو چکا ہوگا کہ حضرت علی مرتضیٰ کو خانگی اصلاحات اور خانگی جھگڑوں کے باعث میں جو مصروفیتیں رہیں ان کی بنا پر ان کو اتنی مہلت بمشکل مل سکتی تھی کہ اسلام کے فتوحات کے دائرہ کو وسیع کر سکتے، تاہم بعض سمتوں میں پیش قدمی کی گئی۔ ایک تو سیستان و کابل کی سمت میں جو بعض عرب خود مختار ہو گئے تھے ان کو زیر کر کے آگے قدم بڑھایا۔ دوسرے بحری طرف سنہ ۳۸ھ میں بعض مسلمانوں کو بحری راستہ سے ہندوستان پر حملہ کرنے کی اجازت دی۔ سو فیصدی کوکن بمبئی کا علاقہ سندھ میں شامل تھا، مسلمان عرب کا سب سے پہلے اسی عہد میں کوکن پر حملہ ہوا۔

حجاز و عرب کی بغاوت اور ابن عباس کی علیحدگی | امیر معاویہ نے سنہ ۴۰ھ میں بسر بن ارطاۃ کو حجاز پر چڑھائی کا حکم دیا۔ بسر بن ارطاۃ تین ہزار کی جمعیت کے ساتھ حجاز کی طرف روانہ ہوا، چنانچہ اس نے بغیر کسی مقابلہ کے مدینہ پر قبضہ کر لیا اور لوگوں سے زبردستی امیر معاویہ کے لیے بیعت لی، پھر وہاں سے یمن کی جانب بڑھا۔ حضرت ابو موسیٰ اشعری نے پہلے سے پوشیدہ طور پر یمن کے عامل عبید اللہ بن عباس کو بسر بن ارطاۃ کے حملہ کی اطلاع کر دی اور لکھا کہ جو لوگ معاویہ کی حکومت تسلیم کرنے میں پس و پیش کرتے ہیں ان کو وہ نہایت بے دردی کے ساتھ قتل کر رہا ہے۔ جب عبید اللہ بن عباس نے اپنے کو مقابلہ سے عاجز دیکھا تو عبد اللہ بن عبد المدان کو اپنا

۱ فتوح البلدان بلاذری صفحہ ۴۳۲ ۲ فتوح البلدان بلاذری ذکر فتح سندھ

سے قائم مقام کیا اور مدد یا رفاقت سے دو طلب کرنے کے لیے کوفہ کی راہ لی۔ بسر بن ابی ارطاۃ نے
یمن پہنچ کر نہایت بے رحمی کے ساتھ عبیداللہ بن عباس کے دو صغیر السن بچوں اور ہوا خواہانِ علیؓ
کی ایک بڑی جماعت کو قتل کر دیا۔

دوسری طرف شامی سواروں نے خود عراق پر ترکتاز شروع کی اور حجاز شام سپاہ کو شکست
دے کر انبار پر تسلط کر لیا۔ حضرت علیؓ نے جاریہ بن قدامہ اور وہب بن مسعود کو دو دو ہزار کی جمعیت
کے ساتھ بسر بن ابی ارطاۃ کی سرکوبی کے لیے یمن و حجاز کی طرف روانہ کیا اور کوفہ کی جامع مسجد
میں پرجوش خطبے دے کر لوگوں کو حدودِ عراق سے شامی فوج نکال دینے پر ابھارا۔ یہ تقریریں ایسی
مؤثر تھیں کہ اہلِ کوفہ کے مردہ قلوب میں بھی اس وقت تھوڑی دیر کے لیے ایک روح پیدا ہوگئی اور جوش
وخروش کے ساتھ ہر گوشہ سے صدائے لبیک بلند ہوئی۔ لیکن جب کوچ کا وقت آیا تو میدانِ
اجتماع میں صرف تین سو آدمی پہنچ سکے۔ جنابِ مرتضیٰ کو اہلِ کوفہ کی اس بے حسی پر نہایت
صدمہ ہوا۔ حجر بن عدی اور سعید بن قیس ہمدانی نے عرض کی امیر المومنین! بغیر تشدد کے
لوگ راہ پر نہ آئیں گے، عام منادی کرا دیجئے کہ بلا استثناء ہر شخص کو میدانِ جنگ کی طرف
چلنا پڑے گا، اور جو اس میں تساہل یا اعراض سے کام لے گا اس کو سخت سزا دی جائے گی۔ بجز اس
مشورہ پر عمل کرنے کے سوا چارہ نہ تھا۔ حضرت علیؓ نے حسب قرارداد اعلان عام کر دیا اور معقل
بن قیس کو رساتیق بھیجا کہ وہاں سے جس قدر سپاہی میسر ہو سکیں جمع کر کے لائیں، لیکن تیاریاں
ابھی حدِ تکمیل کو نہیں پہنچی تھیں کہ ابن ملجم کی زہر آلود تلوار نے جامِ شہادت پلا دیا۔ انا للہ وانا
الیہ راجعون۔

اس حادثۂ قتل و شہادت اور واقعۂ جانکاہ ساخرکی تفصیل یہ ہے کہ واقعۂ نہروان کے بعد چند
خارجیوں نے حج کے موسم میں مجتمع ہو کر مسائلِ حاضرہ پر گفتگو شروع کی اور بحث و مباحثہ کے بعد بالاتفاق

اس نے تمام مسلمانوں کے جذبۂ غیظ و غضب کو مشتعل کر دیا، یہاں تک کہ جو لوگ خلیفۂ ثالث
کے طرزِ حکومت کو ناپسند کرتے تھے انھوں نے بھی مفسدین کی اس حرکت کو نفرت کی نگاہ
سے دیکھا، یہی وجہ ہے کہ حضرت زبیرؓ حضرت طلحہؓ اور خود ام المومنین حضرت عائشہؓ حضرت
عثمانؓ کی حکومت سے کبیدہ خاطر ہونے کے باوجود مطالبۂ قصاص کا علم بلند کیا۔

دوسری طرف شام میں بنو امیہ امیر معاویہؓ کے زیرِ سیادت خلافتِ راشدہ کو
ایک مخصوص سلطنت میں تبدیل کر لینے کا خواب دیکھ رہے تھے، اور ان کے لیے اس سے زیادہ
بہتر موقع کیا ہو سکتا تھا، چنانچہ امیر معاویہؓ نے بہترین پالیسی کے ہر ممکن ذریعے سے تمام شام میں خلیفۂ
ثالث کے انتقام کا جوش پیدا کر کے حضرت علیؓ کے خلاف ایک عظیم الشان قوت پیدا کر لی
اور حسب ذیل وجوہ کو نقاب بنا کر میدانِ رزم میں آ گئے۔

(۱) حضرت علیؓ نے مفسدین کے مقابلہ میں حضرت عثمانؓ کو مدد نہیں دی۔

(۲) اپنی خلافت میں قاتلینِ عثمان سے قصاص نہیں لیا۔

(۳) محاصرہ کرنے والوں کو قوت بازو بنایا اور ان کو بڑے بڑے عہدے دیے۔

چونکہ یہ وجوہ تمام خانہ جنگیوں کی بنا قرار دیے گئے اس لیے ہم کو غور کرنا چاہیے کہ یہ کہاں تک
صحیح ہیں اور جناب مرتضیٰؓ ان میں کس حد تک معذور تھے، امر اول یعنی مفسدین کے مقابلہ میں مدد نہ دینے
کا الزام صرف حضرت علیؓ ہی پر نہیں بلکہ حضرت طلحہؓ، زبیرؓ، سعد بن وقاصؓ اور تمام اہلِ مدینہ پر عائد
ہوتا ہے، لیکن اصل یہ ہے کہ حضرت عثمانؓ کو منظور نہ تھا کہ ان کے عہد میں خانہ جنگی کی ابتدا ہو،
چنانچہ بعض اکابر بنو امیہ اور خود خلیفۂ ثالث کے چند دوستوں نے جاں نثاری
کے لیے اپنے کو پیش کیا تو انھوں نے نہایت سختی کے ساتھ کشت و خون سے منع کر دیا۔

جناب مرتضیٰؓ نے اس باب میں جو کچھ کیا ان کے لیے اس سے زیادہ ممکن نہ تھا

پہلے گذر چکا ہے کہ ولی و مفسدین کو حضرت علیؓ ہی نے راضی کرکے واپس کر دیا تھا لیکن جب دوسری مرتبہ واپس آئے تو مروان کی غداری نے ان کی آتش غیظ و غضب کو اس شدت سے بھڑکا دیا تھا کہ کسی قسم کی سفارش کارگر نہیں ہو سکتی تھی، ام المومنین ام حبیبہؓ نے محاصرہ کی حالت میں حضرت عثمانؓ کے پاس کھانے پینے کا کچھ سامان پہنچانا چاہا تو مفسدین نے ام المومنین ام حبیبہؓ کا پاس و لحاظ نہ کیا اور گستاخانہ مزاحمت کی اسی طرح حضرت علیؓ نے سفارش کی کہ آب رسانی بند نہ کی جائے تو ان شوریدہ سروں نے نہایت سختی سے انکار کر دیا جناب امیرؓ کو اپنی سفارش کے رد ہو جانے پر اس قدر صدمہ ہوا کہ عمامہ پھینک کر اسی وقت واپس چلے آئے اور تمام معاملات سے قطع تعلق کرکے عزلت نشین ہو گئے علاوہ اس نکتہ کو بھی ملحوظ رکھنا چاہیے کہ اگر حضرت عثمانؓ محصور تھے تو دوسرے بڑے بڑے صحابہ بھی آزاد نہ تھے، مفسدین نے ان لوگوں کی نقل و حرکت پر بھی سخت نگرانی قائم کر دی تھی چنانچہ ایک دفعہ حضرت امام حسنؓ نے اپنے پدر گرامی سے عرض کی کہ اگر آپ میری گذارش پر عمل کرکے محاصرہ کے وقت مدینہ چھوڑ دیتے تو آج مطالبہ قصاص کا جھگڑا آپ کے سر نہ پڑتا اس وقت جناب امیرؓ نے یہی جواب دیا تھا کہ تمہیں کیا معلوم کہ میں اس وقت آزاد تھا یا مقید؟[1]

امر دوم یعنی قاتلوں کو سزا نہ دینے کا الزام ایک حد تک لائق بحث ہے۔

اصل یہ ہے کہ اگر قاتل سے مراد وہ مخصوص اشخاص ہیں جنہوں نے براہ راست خونریزی میں حصہ لیا تو بیشک انہیں کیفر کردار تک پہنچانا فرض تھا لیکن پہلے گذر چکا ہے کہ باوجود تفتیش و تحقیق ان کا سراغ نہ ملا اور اگر قاتل کا لفظ تمام محاصرہ کرنے والوں پر مشتمل ہے جیسا کہ امیر معاویہؓ وغیرہ کے مطالبہ سے ظاہر ہوتا ہے تو ظاہر ہے کہ ایک شخص کے قصاص میں ہزاروں

---

[1] طبری ص ۳۰۱۰ [2] ابن اثیر ج ۳ ص ۱۴۱

آدمیوں کا خون نہیں بہایا جا سکتا تھا اور نہ شریعت اس کی اجازت دے سکتی تھی علاوہ بریں یہ بھی
سوال تھا کہ اس بڑی جماعت میں بعض صحابہ کرامؓ اور بہت سے صلحاء روزگار بھی شامل تھے
جن کا مطمح نظر صرف طلب اصلاح تھا، اس لیے ان لوگوں کو قتل کرا دینا جیسا کہ تقاضائے انتقام کے جوش میں بعض کی طرف
امر سوم یعنی محاصرہ کرنے والوں کو قوت بازو بنانے اور ان کو بڑے بڑے عہدے
دینے کا الزام اگر الزام ہے تو یہ ایک حد تک صحیح ہے، لیکن حضرت علیؓ اس کے لیے بالکل مجبور
تھے در حقیقت اس وقت دنیائے اسلام میں تین مختلف فرقے پیدا ہو گئے تھے، خلیفۂ مظلوم کی
حمایتی فرقہ جو علانیہ جناب امیر کا مخالف اور اپنی ایک مستقل سلطنت قائم کرنے کا خواب دیکھ رہا
تھا، دوسرا گروہ اکابر صحابہ کا تھا جو اگرچہ حضرت علیؓ کو برسر حق سمجھتا تھا لیکن اپنے ورع
و تقویٰ کے باعث خانہ جنگی میں حصہ لینا پسند نہیں کرتا تھا، چنانچہ جب حضرت علیؓ نے مدینے
کو ترک کا قصد کیا اور صحابہ کرام سے چلنے کے لیے کہا تو بعضوں نے صاف صاف معذرت کی۔ حضرت
سعد وقاصؓ نے کہا: مجھے ایسی تلوار دیجیے جو مسلم و کافر میں امتیاز کر سکے، میں ہمراہ رکاب چلنے
کیلیے حاضر ہوں۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے کہا خدا کیلیے مجھے ایک ناپسند فعل کیلیے مجبور نہ کیجیے۔ حضرت محمد بن مسلمہؓ نے
کہا مجھے اس سے کہ رسول اللہ نے کسی مسلمان کا خون گرانے سے منع فرمایا ہے اور ایک تلوار کو توڑ ڈالا ہے۔ حضرت
اسامہ بن زیدؓ نے عرض کی: یا امیر المومنین! مجھے معاف کیجیے، میں نے عہد کیا ہے کہ کسی کلمہ گو کے خون سے اپنی تلوار رنگین نہ کروں گا
غرض یہ گروہ عملی اعانت سے قطعی کنارہ کش تھا۔ تیسرا گروہ شیعیان علی کا تھا، اس میں ایک
بڑی جماعت ان لوگوں کی تھی جو یا تو خود محاصرہ میں شریک تھے یا ان کے طرفدار تھے، اس لیے
جناب امیر خواہ مخواہ بے رخی کر کے اس بڑی جماعت کو قصداً اپنا دشمن کیونکر بنا لیتے۔ تاہم
حضرت علیؓ نے ان ہی لوگوں کو اپنا خاص تقرب عطا کیا جو درحقیقت اس کے اہل تھے
حضرت عمار بن یاسرؓ ایک جلیل القدر صحابی اور مقبول بارگاہ نبوت تھے، محمد بن ابی بکرؓ خلیفہ

دوسری جماعت قرّاء اور حفاظ قرآن کی تھی جو ہر معاملہ میں قرآن پاک کی لفظی مطابقت چاہتی تھی معنے اور مفہوم سے اس کو چنداں سروکار نہ تھا یہی جماعت تحکیم کے بعد یہی جماعت خارجی فرقہ کی صورت میں ظاہر ہوئی،

حضرت علیؓ کے حاشیہ نشینوں میں کچھ لوگ ایسے بھی تھے جو درحقیقت جان نثار و وفا شعار تھے لیکن معرکۂ صفین میں کامل جدوجہد کے بعد مقصود تک پہونچکر قسمت کی چالوں سے محروم واپس آنا جماعت کے لئے سخت شکن واقعہ تھا، اس نے تمام جان نثاروں کے عزائم اور ارادے پست کردیئے تھے، بایں ہمہ جناب مرتضیٰ نے گذشتہ ناکامیوں کے باوجود نہایت ہمت و استقلال اور عدیم النظیر عزم و ثبات کے ساتھ آخری لمحۂ حیات تک مشکلات و مصائب کا مقابلہ کرکے دنیا کے سامنے بے نظیر تحمل و استقلال کا نمونہ پیش کیا، اور اپنی ناکامی کا مشاہدہ کرنے کے باوجود دیانتداری اور روح شریعت سے سر مو تجاوز کرنا پسند نہ فرمایا اگر ایسا نہ کرتے تو دنیا گو کامیاب ہو جاتی مگر دین ناکام ہو جاتا جسکا بچانا ایک خلیفۂ راشد اور جانشین رسول کا سب سے پہلا بلکہ اصلی فرض تھا،

**ملکی نظم و نسق**

حضرت علی کرم اللہ وجہہ انتظام مملکت میں حضرت عمرؓ کے نقش قدم پر چلنا چاہتے تھے اور اسی زمانہ کے انتظامات میں کسی قسم کا تغیر کرنا پسند نہیں فرماتے تھے ایک دفعہ نجران کے یہودیوں نے جن کو فاروق اعظمؓ نے حجاز سے جلاوطن کرکے نجران میں آباد کیا تھا، نہایت لجاجت کے ساتھ درخواست کی کہ ان کو پھر اپنے قدیم وطن میں واپس آنے کی اجازت دیجائے حضرت علیؓ نے صاف انکار کردیا اور فرمایا کہ عمرؓ سے زیادہ کون صحیح الرائے ہو سکتا ہے؟[1]

**عمال کی نگرانی**

ملکی نظم و نسق کے سلسلہ میں سب سے اہم کام عمال کی نگرانی ہے حضرت علیؓ کو

[1] کتاب الخراج قاضی ابو یوسف [illegible]

حضرت علیؓ کے ابن عم تھے اور بصرہ کے عامل تھے، انھوں نے ایک دفعہ بیت المال سے ایک بیش قرار رقم لے لی، حضرت علیؓ نے جشم نمائی کی تو جواب دیا کہ میں نے ابھی اپنا پورا حق نہیں لیا ہے لیکن اس جواب کے باوجود وہ خائف ہو کر بصرہ سے مکہ چلے گئے۔[1]

**محاصل**

حضرت علیؓ نے صیغۂ مال میں خاص خاص اصلاحات جاری کیں، اس سے پہلے جنگل سے کسی قسم کا مالی فائدہ نہیں حاصل کیا جاتا تھا، اس عہد میں جنگلات کو بھی محاصل ملکی کے ضمن میں داخل کیا گیا، چنانچہ برس کے جنگل پر چار ہزار درہم مالگذاری تشخیص کی گئی۔[2]

عہد نبوی میں گھوڑا زکوٰۃ سے مستثنیٰ تھا، لیکن عہد فاروقی میں عام طور پر اس کی تجارت ہونے لگی تو اس پر بھی زکوٰۃ مقرر ہو گئی، حضرت علیؓ نے اس کو موقوف کر دیا کیونکہ تمدنی اور جنگی فوائد کے لحاظ سے گھوڑوں کی افزائش نسل میں سہولت بہم پہنچانا نہایت ضروری تھا۔[3]

جناب امیرؓ محاصل ملکی کے وصول کرنے میں نہایت سخت تھے، لیکن اس کے ساتھ رعایا کی فلاح و بہبود کا بھی خاص خیال تھا، معذور اور نادار ذمیوں کے ساتھ کسی قسم کی سختی نہیں کی جاتی تھی، یہاں تک کہ محتاج ذمی اور غیر مذاہب کے دینی پیشوا بھی جزیہ سے مستثنیٰ کر دیے گئے تھے، قاضی ابو یوسف صاحب نے کتاب الخراج میں اس کے متعلق ایک مفصل فرمان درج کیا ہے، لیکن ہم طوالت کے خوف سے اس کو نظر انداز کرتے ہیں۔[4]

**رعایا کے ساتھ شفقت**

حضرت علیؓ کا وجود با جود رعایا کے لیے آیۂ رحمت تھا، بیت المال کے دروازے غربا و مساکین کے لیے کھلے ہوئے تھے اور اس میں جو رقم جمع ہوتی تھی نہایت فیاضی کے ساتھ مستحقین میں تقسیم کر دی جاتی تھی، ذمیوں کے ساتھ بھی نہایت شفقت آمیز برتاؤ تھا، ایران میں مجوسی سازشوں کے باعث بار بار بغاوتیں ہوئیں لیکن حضرت علیؓ نے ہمیشہ نہایت

---

[1] تاریخ طبری ص ۳۴۵۴ ۔ [2] کتاب الاموال ص ۴۰ ۔ [3] کتاب الخراج ص ۴۳ ۔ [4] کتاب الخراج ص ۷۲ ۔

سختی کے ساتھ ان کی سرکوبی کی چنانچہ ان میں سے اکثر تائب ہو کر پھر دائرۂ اسلام میں داخل ہو گئے۔

خارجیوں کی سرکوبی اور بعض سبائی جو غلو کر کے جناب مرتضیٰ کو خدا کہنے لگے تھے ان کو سزا دینا بھی در اصل مذہب کی ایک بڑی خدمت تھی۔

حضرت علیؓ نے قوم کی اخلاقی نگرانی کا بھی نہایت سختی کے ساتھ خیال رکھا، مجرموں کو عبرت انگیز سزائیں دیں، اور جرم کی نوعیت کے لحاظ سے نئی سزائیں ایجاد کیں جو ان سے پہلے اسلام میں رائج نہیں تھیں مثلاً زندہ جلانا، مکان مسمار کرا دینا، چوری کے علاوہ دوسرے جرم میں بھی ہاتھ کاٹنا وغیرہ وغیرہ لیکن اس سے یہ قیاس نہیں کرنا چاہیے کہ حضرت علیؓ حدود کے اجرا میں کسی اصول کے پابند نہیں تھے، زندہ جلا دینے کی سزا چند زندیقوں کو دی تھی، گو حضرت ابن عباسؓ نے آپ کو اس غلطی پر متنبہ کیا، اور کہا کہ آنحضرت صلعم نے اس سزا کی ممانعت فرمائی ہے، حضرت علیؓ نے جب یہ سنا تو ان کو اپنے اس فعل پر ندامت ہوئی۔ شرابیوں کی سزا میں کوڑوں کی مقدار متعین نہ تھی، حضرت علیؓ نے اس کے لیے اسی کوڑے تجویز کیے۔

کوڑے مارنے والوں کو ہدایت تھی کہ چہرہ اور شرمگاہ کے علاوہ تمام جسم پر کوڑا مار سکتے ہیں عورتوں کے لیے حکم تھا کہ ان کو بٹھا کر ماریں اور کپڑے سے تمام جسم کو اس طرح چھپا دیں کہ کوئی عضو بے ستر ہونے نہ پائے، اسی طرح رجم کی صورت میں عورت کو ناف تک زمین میں گاڑ دیا جاتا۔

اقرار جرم کی حالت میں صرف ایک دفعہ کا اقرار کر لینا کافی نہ تھا چنانچہ ایک مرتبہ ایک شخص نے بارگاہ خلافت میں حاضر ہو کر عرض کی "امیر المومنین! میں نے چوری کی ہے" حضرت علیؓ نے اس دفعہ صرف غضب آلود نگاہ ڈال کر اس کو واپس کر دیا، لیکن جب اس نے پھر کہ

؎ ترمذی ص ۲۰۰ و ترمذی کتاب الحدود ص ۱۱، سنن ابی داؤد کتاب الحدود ؎ کتاب الخراج ص ۲۰۵

حاضر ہو کر اقرار جرم کیا تو فرمایا اب تم نے اپنا جرم آپ ثابت کر دیا اسی وقت اس کے ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا۔[1]

جرم کا ارادہ یا اس کے لیے ابتدائی عمل قبل از وقوع جرم انسان کو مجرم نہیں بنا سکتا۔ چنانچہ ایک شخص نے ایک مکان میں نقب لگائی اور چوری کرنے سے قبل پکڑا گیا، حضرت علیؓ کے سامنے پیش کیا گیا تو آپ نے اس پر کسی قسم کی حد نہیں جاری کی۔[2]

دس درہم سے کم کی چوری میں ہاتھ کاٹنے کا حکم نہ تھا۔ اسی طرح اگر مجرم نشہ کی حالت میں ہو تو نشہ اترنے کا انتظار کیا جاتا تھا۔[3]

اسی طرح جو عورتیں ناجائز حمل سے حاملہ ہوتی تھیں ان پر حد جاری کرنے کے لیے وضع حمل کا انتظار کیا جاتا تھا، تاکہ بچہ کی جان کو نقصان نہ پہنچے جس کا درحقیقت کوئی گناہ نہیں۔

عام قیدیوں کو بیت المال سے کھانا دیا جاتا تھا لیکن جو لوگ محض اپنے فسق و فجور کے باعث نظر بند کیے جاتے تھے وہ اگر مالدار ہوتے تھے تو خود ان کے مال سے ان کے کھانے پینے کا انتظام کیا جاتا تھا ورنہ بیت المال سے مقرر کر دیا جاتا تھا۔[4]

**تعزیری سزا** حضرت علیؓ نے جو بعض غیر معمولی سزائیں تجویز کیں وہ دراصل تعزیری سزائیں تھیں۔[5] حضرت عمرؓ نے بھی اس قسم کی تعزیری سزائیں جاری کی تھیں چنانچہ ان کے عہد میں ایک شخص نے رمضان میں شراب پی تو اسی کوڑے کے بجائے سو کوڑے لگوائے کیونکہ اس نے بادہ نوشی کے ساتھ رمضان کی بے حرمتی بھی کی تھی۔[6]

---

[1] کتاب الخراج صفحہ ۱۰۳ [2] ایضاً ص ۱۰۴ [3] ایضاً ۱۰۰ [4] ایضاً ص ۸۵

[5] ایضاً ص ۱۰۰

# فضل و کمال

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو بچپن ہی سے درسگاہِ نبوت میں تعلیم و تربیت حاصل کرنے کا موقع ملا، اور یہ سلسلہ ہمیشہ قائم رہا، خود مسند میں اُن سے روایت ہے کہ میں روزانہ صبح کو ایک خاص وقت میں سرورِ کائنات کی خدمت میں حاضر ہوا کرتا تھا، اور تقرب کا یہ درجہ میرے سوا کسی اور کو حاصل نہ تھا، ایک اور روایت سے ثابت ہوتا ہے کہ رات دن میں دو مرتبہ حاضری کا موقع حاصل ہوتا تھا، سفر میں بھی آپ کی رفاقت کا شرف حاصل ہوتا تھا، اور اس حالت میں بہت سے شرعی احکام سے واقف ہونے کا موقع حاصل ہوتا تھا، چنانچہ شریح بن ہانی نے حضرت عائشہؓ سے مسح علی الخفین کے متعلق سوال کیا تو انہوں نے اس کے لیے حضرت علیؓ کا نام بتایا اور اس کی وجہ بیان کی کہ وہ آپ کے ساتھ سفر کیا کرتے تھے۔ شاہ ولی اللہ صاحب نے ازالۃ الخفا میں اسی تقرب و تربیت کو اُن کے فضل و کمال کی اصل بنیاد قرار دیا ہے، چنانچہ پہلے امام احمد بن حنبل کی مسند سے ایک حدیث روایت کی ہے جسکا مفہوم یہ ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے جس قدر فضائل مذکور ہیں کسی صحابی کو یہ شرف حاصل نہیں ہے، اس کے بعد اس حدیث کی تشریح اس طرح کی ہے

مترجم گوید سبب این ہمہ اختصاص محبت است، مرتضیٰ رضی اللہ عنہ
مجتہد مستقل و رسوائی استنباط بود ہم قرب قرابت او با آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
و انجذاب علیہ الصلوٰۃ والسلام و ملازمت با ایشان در عامہ اوقات اس بحول الٰہی ظاہر بود در ذہن
مزید آنکی مساعدت نمود حضرت مرتضیٰ را بکمال تربیت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

علم ناسخ و منسوخ میں آپ کو کمال حاصل تھا، اور اسمیں آپ کو بڑا اہتمام مدِ نظر تھا،
اُن لوگوں کو جن کو اس میں درک نہ ہوتا، آپ درس و وعظ سے روک دیتے تھے چنانچہ
کوفہ میں آپ کی جامع مسجد میں جو شخص وعظ و تذکیر کرنا چاہتا تھا، آپ دریافت فرماتے تھے
کہ تم کو ناسخ و منسوخ کا بھی علم ہے جب نفی میں جواب دیتا تو اس کو زجر و توبیخ فرماتے تھے
اور درس و وعظ کی اجازت نہیں دیتے تھے،

آیات کی تفسیر و تاویل کے متعلق آپ سے اسقدر تفسیری روایتیں ہیں کہ اگر ان کا استقصا
کیا جائے تو ایک مستقل ضخیم کتاب تیار ہو جائے، اسی لیے یہاں اُن کو نقل کرنے کی گنجائش نہیں
بعض لوگوں کو خیال تھا کہ آنحضرت صلعم نے حضرت علی مرتضیٰ کو ان ظاہری علوم کے
سوا کچھ خاص باتیں اور بھی بتائی ہیں اُن کے شاگردوں نے اُن سے پوچھا کیا قرآن کے
سوا کچھ اور بھی آپ کے پاس ہے؟ فرمایا قسم ہے اس کی جو دانہ کو پھاڑ کر درخت اگاتا ہے اور
جو جان کو جسم کے اندر پیدا کرتا ہے، کہ قرآن کے سوا کچھ اور نہیں لیکن قرآن کے سمجھنے کی قوت
و فہم یہ دولت خدا جسکو چاہے دیدے، اور چند حدیثیں میرے پاس ہیں، اس موقع پر علی مرتضیٰ نے
جو قسم کھائی ہے میرے خیال میں اس میں بھی ایک خاص نکتہ ہے۔ یعنی قرآن کی آیتوں کی
مثال تخم اور جسم کی ہے، اور اس کے معنی و مقصود کی مثال درخت کی ہے جو اسی تخم سے پیدا
ہوتا ہے، اور روح کی ہے جو جسم میں پوشیدہ رہتی ہے کہ جس طرح ایک چھوٹے تخم کے اندر سے
اتنا بڑا عظیم الشان درخت پیدا ہو جاتا ہے جو درحقیقت اسی کے اندر مخفی تھا، اور جس طرح
روح بھی اسی جسم میں چھپی رہتی ہے اور تمام اعمالِ انسانی اسی سے ظاہر ہوتے ہیں اسی طرح
قرآن پاک کے ان ظاہری الفاظ کے معانی و مطالب ہر صاحبِ فہم اپنی استعداد کے مطابق پیدا کرتا ہے

---

۱؎ صحیح بخاری کتاب الدیات و ابن حنبل جلد اول صفحہ ۷۹ و صفحہ ۱۰۰

**مرتضویہ** جناب مرتضیٰ نے آنحضرت صلعم کی آغوش تعلیم میں تقریباً تیس برس کی زندگی پائی اور یہ تمام عرصہ زمانہ رفاقت نبوی میں بسر ہوا۔ اس لیے احکام و فرائض اور ارشادات نبوی کے خزانہ کا حضرت ابوبکر صدیقؓ کو چھوڑ کر آپ سے زیادہ واقف کون ہو سکتا ہے۔ مگر چونکہ تمام اکابر صحابہ میں وفات نبوی کے بعد سب سے زیادہ عمر پائی یعنی آنحضرت صلعم کے بعد تقریباً تیس برس تک۔ خود دو [illegible] خلافت کی مسند پر متمکن رہے اگرچہ خلفائے سابقین کے عہد میں بھی آپ کے سپرد یہ خدمت رہی۔ ان کے بعد جب آپ خود منصب خلافت پر مامور ہوئے تو یہ فیض برابر جاری رہا۔ اس لیے تمام خلفا میں احادیث کی روایت کا زمانہ آپ کو سب سے زیادہ ملا۔ گو خلفائے سابقین کے مقابلہ میں آپ کی روایتوں کی تعداد بہت زیادہ ہے تاہم اس قدر احادیث کی روایت میں آپ بھی دیگر خلفا اور اکابر صحابہ کی طرح محتاط و متشدد تھے۔ تاہم کثیر الروایہ صحابہ کے مقابلہ میں آپ کی روایتیں بہت کم ہیں چنانچہ آپ سے کل ۵۸۶ حدیثیں مروی ہیں جن میں سے بیس حدیثوں پر بخاری و مسلم دونوں کا اتفاق ہے اور نو حدیثیں صرف بخاری میں ہیں۔ مگر پندرہ حدیثیں اور دوسری حدیثیں صرف مسلم میں ہیں۔ ان میں [illegible] تحقیق میں آپ کی [illegible] حدیثیں ہیں۔

آپ نے آنحضرت صلعم سے براہ راست جو حدیثیں نقل فرمائی ہیں ان کے علاوہ اپنے رفقاء اور ہم عصروں سے بھی روایتیں کی ہیں چنانچہ حضرت ابوبکرؓ حضرت عمرؓ حضرت مقداد بن اسود اور بیوی جگر گوشہ رسول فاطمہ بتول یعنی رضی اللہ عنہا سے بھی روایتیں کی ہیں جن لوگوں نے آپ سے روایتیں کی ہیں ان میں آپ کی ذات خاص مطہرہ اولاد میں حسب ذیل اصحاب ہیں حضرت حسنؓ حضرت حسینؓ محمد بن حنفیہ فرزند عمر صاحبزادے اور صاحبزادیاں محمد بن عمر بن علی علی بن حسین بن علی پوتے عبداللہ بن جعفر بن ابی طالب بھتیجے

کے متعلق سب سے زیادہ روایتیں حضرت مرتضیٰ رض ہی سے آئی ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ ہر وقت خدمت نبوی میں رہتے تھے اور ان کو ان دونوں سے خاص شغف تھا۔

احادیث کو صورت تحریر میں لانے کا شرف جن چند صحابہ کو حاصل ہوا ان میں حضرت علی مرتضیٰ بھی داخل ہیں۔ فہم قرآن کے سلسلہ میں جو روایت اوپر گذری ہے اس میں چند حدیثوں کا ذکر ہے جو دینی امور میں آنحضرت صلعم سے سنکر آپ نے ایک ورق پر لکھ لیا تھا یہ تحریر ہمیشہ آپ کی تلوار کے نیام میں لٹکی رہتی تھی۔ اسی کا نام آپ نے صحیفہ رکھا تھا اس صحیفہ کا ذکر حدیث کی کتابوں میں آیا کرتا ہے، یہ حدیثیں چند فقہی احکام سے متعلق تھیں۔

**فقہ و اجتہاد** حضرت علی مرتضیٰ رض کو فقہ و اجتہاد میں بھی کمال دسترس حاصل تھی بلکہ علم و اطلاع کی وسعت کی حیثیت سے دیکھا جائے تو آپ کی استعداد و قوت سب سے اعلیٰ پائی گئی بڑے بڑے صحابہ یہاں تک کہ حضرت عمر اور حضرت عائشہ کو بھی کبھی کبھی حضرت مرتضیٰ رض کے فضل و کمال کا ممنون ہونا پڑا۔

فقہ و اجتہاد کے لیے کتاب و سنت کے علم کے ساتھ غیر معمولی فہم و تدقیق اور استقلال ذہنی اور کثرت معلومات کی ضرورت ہے اور حضرت علی مرتضیٰ رض کو یہ دولت وافر حاصل تھی۔ مشکل سے مشکل اور پیچیدہ سے پیچیدہ واقعہ پیش آتا تھا اور حضرت علی مرتضیٰ رض اس کی تہ تک پہنچ جاتے تھے، اور صحیح جواب دیتے تھے، شاہ ولی اللہ صاحب نے ازالۃ الخفا میں آپ کی قابلیت کے واقعات بہت سے نقل کیے ہیں لیکن ہم طوالت کے خوف سے

---

۱؎ ازالۃ الخفا صفحہ ۲۶۷۔ ۲؎ صحیح بخاری کتاب العلم باب کتابۃ العلم و جلد دوم کتاب الاعتصام و باب اثم من انتمی الی غیر موالیہ صفحہ ۱۰۸۰۔

ان کو منکرات قرار دیتے ہیں۔

ایک دفعہ حضرت عمرؓ کے سامنے ایک مجنون زانیہ عورت پیش کی گئی حضرت عمرؓ نے اس پر حد جاری کرنے کا ارادہ کیا، حضرت علیؓ نے کہا یہ ممکن نہیں کیونکہ مجنون حدود شرعی سے مستثنیٰ ہیں۔ یہ سنکر حضرت عمرؓ اپنے ارادہ سے باز آ گئے۔ ایک بار حضرت عمرؓ نے حضرت عبد اللہ بن جعفرؓ کو احرام کی حالت میں زعفرانی لباس پہنے دیکھا تعجب سے پوچھا کہ یہ لباس کیسا؟ حضرت علیؓ نے برملا جواب دیا کہ میں نہیں سمجھتا کہ کوئی شخص ہم لوگوں کو سنت کی تعلیم دے سکتا ہے، حضرت عمرؓ خاموش ہو گئے۔[1]

ایک دفعہ حج کے موسم میں حضرت عثمانؓ کے سامنے کسی نے شکار کا گوشت پکا کر پیش کیا، لوگوں نے بحالت احرام اس کے کھانے کے جواز اور عدم جواز میں اختلاف کیا۔ حضرت عثمانؓ اس کے جواز کے قائل تھے، انہوں نے کہا کہ یہ بات تو ممنوع ہے کہ خود شکار کر کے کھایا جائے لیکن جب کسی دوسرے غیر محرم نے شکار کیا ہے تو احرام کی حالت میں ہم لوگوں کے کھانے میں کیا حرج ہے، دوسروں نے اس سے اختلاف کیا۔ حضرت عثمانؓ نے دریافت کیا کہ اس مسئلہ میں قطعی فیصلہ کس سے معلوم ہو گا؟ لوگوں نے کہا علیؓ سے، چنانچہ وہ آپ کے پاس گئے اور مسئلہ کی صورت پیش کی، حضرت مرتضیٰؓ کام میں مشغول تھے، اسکو چھوڑ کر فوراً متوجہ ہو گئے اور فرمایا جن لوگوں کو یہ واقعہ یاد ہو وہ شہادت دیں کہ ایک دفعہ آنحضرت صلعم کی خدمت میں جب آپ احرام کی حالت میں تھے ایک گورخر شکار کر کے پیش کیا گیا تھا تو آپ نے فرمایا ہم لوگ تو احرام کی حالت میں ہیں یہ ان لوگوں کو کھلا دو جو احرام میں نہیں ہیں، حاضرین میں سے بارہ آدمیوں نے اٹھ کر اس کی شہادت دی، اسی طرح آپ نے دوسرے واقعہ کا حوالہ دیا۔

[1] مسند ابن حنبل جلد اول صفحہ ۱۰۰۔ [2] مسند ابن حنبل ص ۹۹ جلد اول۔

جس میں کسی نے آپ کے سامنے اسی حالت احرام میں شتر مرغ کے انڈے بھون کر پیش کیے تھے، آپ نے اُن کے کھانے سے بھی احتراز فرمایا۔ اس کی بھی کچھ لوگوں نے گواہی دی۔ یہ سنکر حضرت عثمانؓ وہاں کے رفقاء نے اُس کے کھانے سے پرہیز کیا۔[1]

ایک دفعہ ام المومنین حضرت عائشہؓ سے کسی نے آکر یہ مسئلہ پوچھا کہ ایک بار وضو کرنے کے بعد کتنے دن تک موزوں پر مسح کر سکتے ہیں، فرمایا علی سے جا کر دریافت کرو، اُن کو معلوم ہوگا کیونکہ وہ سفر میں آنحضرت صلعم کے ساتھ رہا کرتے تھے۔ چنانچہ وہ سائل حضرت علیؓ کے پاس گیا، انہوں نے بتایا کہ مسافر تین دن تین رات تک اور مقیم ایک دن ایک رات۔[2]

حضرت علیؓ کی اجتہادی قوت اور وسعت نظر کا اس سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ اُن کے حریف بھی دقیق اور مشکل مسائل میں ان کی طرف رجوع کرنے کے لیے مجبور ہوتے تھے، چنانچہ ایک دفعہ امیر معاویہؓ نے خط لکھ کر دریافت کیا کہ خنثیٰ مشکل کے لیے وراثت کی کیا صورت ہے یعنی وہ مرد قرار دیا جائے یا عورت؟ حضرت علیؓ نے فرمایا خدا کا شکر ہے کہ ہمارے دشمن بھی علم دین میں ہمارے محتاج ہیں، پھر جواب دیا کہ پیشاب گاہ سے اندازہ کرنا چاہیے کہ وہ مرد ہے یا عورت۔[3]

فقہی مسائل میں حضرت علیؓ کی وسعت نظر کی ایک اور وجہ یہ ہے کہ وہ جو باتیں نہیں جانتے تھے، بے تکلف آنحضرت صلعم سے دریافت کیا کرتے تھے، بعض ایسے مسئلے جو شرم و حیا اور بزرگی کے رشتہ کے باعث وہ براہ راست نہیں پوچھ سکتے تھے تو کسی دوسرے کو فرماتے تھے وہ جا کر

[1] مسند ابن حنبل جلد اول صفحہ ۱۰۰۔ فقہاء میں یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے، بہت سے لوگ حضرت عثمانؓ کے استدلال کو صحیح کہتے ہیں اور بعض احادیث سے بھی اس کا ثبوت ملتا ہے، بہرحال حضرت علیؓ کا فتویٰ [illegible] ہے کہ حضرت عثمانؓ نے اس کو قبول کرلیا۔ [2] مسند ابن حنبل جلد اول صفحہ ۹۶۔ [3] [illegible] جلد ۲ صفحہ ۱۰۰۔ تاریخ الخلفاء سیوطی بحوالہ السنن سعید بن منصور [illegible]

باتیں ابھی نازل نہیں ہوئی تھیں ایک عورت کا مقدمہ پیش ہوا جس سے ایک ہی ماہ کے اندر تین مرد خلوت
کر چکے تھے اور اب بعد اس کے لڑکا ہوا۔ اب یہ تنازع ہوئی کہ وہ لڑکا کس کا قرار دیا جائے ہر ایک نے
اس کے باپ ہونے کا دعویٰ کیا۔ حضرت علیؓ نے یہ فیصلہ کیا کہ اس لڑکے کی دیت کے تین حصے کئے
پھر قرعہ ڈالا جس کے نام قرعہ نکلا لڑکا اس کے حوالہ کیا اور بقیہ دونوں کو دیت کے تین حصوں میں سے
دو حصے اس سے لیکر دلا دیئے گویا غلام کے مسئلہ پر اس کو قیاس کیا۔ آنحضرت صلعم نے جب
حضرت علیؓ کا یہ فیصلہ سنا تو آپ نے تبسم فرمایا۔[1]

یمن میں ایک اور واقعہ پیش آیا چند لوگوں نے شیر کے پھنسانے کے لیے ایک گڑھا کھودا
تھا شیر اس میں پھنس گیا چند تماشائی ہجوم میں ایک دوسرے کو دھکیل رہے تھے کہ اتفاق سے ایک کا
پاؤں پھسلا اور وہ اس گڑھے میں گرا اس نے اپنی جان بچانے کے لیے بدحواسی میں دوسرے کی کمر
پکڑ لی وہ بھی سنبھل نہ سکا۔ اور گرا۔ اور گرتے گرتے اس نے تیسرے کو پکڑ کر تھام لیا تیسرے نے چوتھے کو
پکڑ لیا۔ غرض چاروں اس میں گرے اور شیر نے چاروں کو مار ڈالا۔ ان مقتولین کے ورثا آمادۂ جنگ
ہوئے حضرت مرتضیٰؓ نے کہا کہ جنگ و فساد سے رک جاؤ اور فرمایا کہ ایک رسول کی موجودگی میں یہ
فتنہ و فساد مناسب نہیں میں فیصلہ کرتا ہوں اگر وہ فیصلہ نامنظور ہو تو دربار رسالت میں جا کر مقدمہ
پیش کر سکتے ہو۔ لوگوں نے رضامندی ظاہر کی۔ آپ نے یہ فیصلہ کیا کہ جن لوگوں نے یہ کنواں کھودا
ان کے قبیلوں سے ان مقتولین کے خون بہا کی رقم اس طرح وصول کی جائے کہ ایک پوری ایک
ایک تہائی ایک ایک چوتھائی اور پہلے آدمی پہلے مقتول کے ورثہ کو ایک چوتھائی خون بہا دوسرے کو
ثلث تیسرے کو نصف اور چوتھے کو پورا خون بہا دلایا۔

لوگ اس نہایت عجیب و غریب فیصلہ سے راضی ہوئے اور حجۃ الوداع کے موقع پر حاضر ہو کر

[1] مستدرک حاکم جلد ۳ صفحہ ۱۳۵

اس فیصلہ کا مرافعہ دربار نبوی میں پیش کیا، آنحضرت صلعم نے اس فیصلہ کو برقرار رکھا[1]

روایت میں یہ مذکور نہیں کہ یہ فیصلہ کس اصول پر کیا گیا تھا، صرف پہلے شخص کے متعلق یہ بیان کیا ہے کہ اس کو چوتھائی اس لیے ملا کہ وہ فوراً دب کے مر گیا تھا، ہمارا خیال ہے کہ حضرت علی مرتضیٰ نے اس فیصلہ میں اس اصول کو پیش نظر رکھا ہے کہ یہ حادثہ قتل بالقصد قتل اور اتفاقی قتل کے درمیان یعنی قصد اور عدم قصد کے بیچ بیچ کی شکل ہے، اس لیے عدم قصد و اتفاق اور قصد و ارادہ ان دونوں میں جس کا حصہ جس مقتول میں زیادہ ہے اتنا ہی اس کو حصہ دیا گیا، اس کے بعد وراثت کا اصول پیش نظر رہا، چونکہ یہ معاملہ چار آدمیوں کا تھا، اس لیے کم سے کم رقم ایک چوتھائی مقرر کی، اس کے نکل جانے کے بعد تین آدمی رہ گئے تو اس کو تہائیوں میں تقسیم کر کے تیسرا حصہ یعنی ایک تہائی اس کو دیا، باقی دو بچے تو دو حصے کر کے نصف تیسرے کا مقرر کیا، اب غور کیجئے کہ اصل جرم ان لوگوں کا تھا جنھوں نے آبادی کے قریب گڑھا کھود کر شیر پھنسانے کی غلطی کی، اس لیے کسی معین قاتل نہ ہونے کے سبب سے قسامت کے اصول سے خون بہا تو ان کے کھودنے والوں اور ان کے ہم قبیلوں پر عائد کیا، پہلا شخص گو اتفاقی گرا مگر ایک دوسرے کے ڈھکیلنے کے نتیجہ کا بھی اسی کا عمل تھا، اس لیے پہلے شخص کے گرنے میں اتفاق کا زیادہ اور قصد کو بہت کم دخل تھا، اس لیے وہ خون بہا کا کم سے کم مستحق ٹھہرا یعنی ایک چوتھائی، پہلے نے دوسرے کو گو بالقصد کھینچا، مگر بہت ہی تو اس میں خود اس کو اپنے فعل کے نتیجہ سے بچ نکلنے کا بالکل موقع نہیں ملا، اس لیے پہلے کے مقابلہ میں اسمیں اتفاق کا عنصر کم اور قصد کا کچھ زیادہ ہے، اس لیے وہ تہائی کا مستحق ہوا، دوسرے کو پہلے شخص کا حال دیکھ کر اپنے فعل کے نتیجہ سے بچ نکلنے کا موقع زیادہ ملا، اس لیے اسمیں اتفاق کے مقابلہ میں قصد کا عنصر زیادہ تھا، اس لیے اس کو نصف دیا گیا، تیسرے نے چوتھے کو جو کھینچا، حالانکہ وہ سب سے

[1] مسند ابن حنبل جلد اول صفحہ ۷۷

اور گذشتہ نکاح کو تیسرے نے جواب خوب دیکھ لیا تھا اس لیے وہ تمام مقصد ادا ہو سے گزر گیا
تیسرے کو اس نے اپنے پہلے رفقا کی طرح کسی اور کے گرانے کا جرم بھی نہیں کیا اس لیے وہ پوری
دیت کا مستحق تھا۔ والسلام

ایک اور مقدمہ کا اس سے بھی زیادہ دلچسپ فیصلہ آپ نے فرمایا۔ دو صاحب [illegible] مسافر
تھے ایک صاحب کے پاس پانچ روٹیاں تھیں اور دوسرے کے پاس تین روٹیاں تھیں دونوں
مل کر ایک ساتھ کھانے کو بیٹھے تھے کہ راستے میں ایک تیسرا مسافر بھی آ گیا وہ بھی کھانے میں شریک ہوا
کھانے سے جب فراغت ہوئی تو اس نے آٹھ درہم اپنے حصہ کی روٹیوں کی قیمت ان دونوں کو دے گیا
جن صاحب کی پانچ روٹیاں تھیں انہوں نے یہ حساب کیا کہ اپنی پانچ روٹیوں کی قیمت
پانچ درہم لی اور دوسرے صاحب کو ان کی تین روٹیوں کی قیمت تین درہم دینے چاہے مگر وہ
راضی نہ ہوئے اور نصف کا مطالبہ کیا۔ یہ معاملہ عدالت مرتضوی میں پیش ہوا۔ آپ نے دوسرے
صاحب کو نصیحت فرمائی کہ تمہارا رفیق جو فیصلہ کرتا ہے اس کو قبول کر لو اس میں زیادہ فائدہ
ہے۔ لیکن انہوں نے کہا کہ حق کے ساتھ جو فیصلہ ہو مجھے منظور ہے۔ حضرت مرتضیٰ نے فرمایا کہ حق تو یہ ہے
کہ تم کو صرف ایک درہم اور تمہارے رفیق کو سات درہم ملنے چاہئیں اس عجیب فیصلہ سے وہ متحیر ہو گیا
آپ نے فرمایا کہ تین آدمی تھے تمہاری تین روٹیاں تھیں اور تمہارے رفیق کی پانچ تم دونوں نے
برابر کھائیں اور ایک تیسرے کو بھی برابر کا حصہ دیا۔ تمہاری تین روٹیوں کے تین تین حصے کیے جائیں تو
نو ٹکڑے ہوتے ہیں تمہارے رفیق کی پانچ روٹیوں کے تین تین ٹکڑے کیے جائیں تو پندرہ ٹکڑے ہوتے
ہیں تم اپنے نو ٹکڑوں اور اس کے پندرہ ٹکڑوں کو جمع کرو تو چوبیس ٹکڑے ہوتے ہیں انہوں میں سے ہر ایک نے
برابر ٹکڑے کھائے یعنی آٹھ آٹھ۔ تم نے اپنے نو میں سے آٹھ خود کھائے اور ایک تیسرے
مسافر کو دیا اور تمہارے رفیق نے اپنے پندرہ ٹکڑوں میں سے آٹھ خود کھائے اور سات تیسرے کو دیے اس لیے

صحیح بخاری کی تعلیقات میں ہے کہ ایک دفعہ حضرت علی مرتضیٰؓ نے فرمایا:

| | |
|---|---|
| حدثوا الناس بما یعرفون اتحبون ان | لوگوں سے وہی کہو جو وہ سمجھ سکتے ہوں کیا تم پسند کرتے ہو کہ |
| یکذب اللہ ورسولہ (کتاب العلم) | خدا اور خدا کا رسول جھٹلایا جائے |

مقصود یہ ہے کہ لوگوں سے ایسی باتیں کی جائیں جو اُن کے فہم سے بالاتر ہوں تو وہ اپنی بیوقوفی سے وہ ان باتوں کو غلط سمجھیں گے اور اس طرح وہ نافہمی سے گویا نعوذباللہ خدا اور رسول کی تکذیب کے مرتکب ہوں گے اس لیے لوگوں سے اُن کی عقل کے مطابق گفتگو کرنی چاہیے کہ معارف و حقائق ہر شخص کی سمجھ میں نہیں آسکتے ہیں۔

اسی طرح اگر روایت کے بعض الفاظ اگر متعدد معنوں کو محتمل ہوں تو آپ فرماتے ہیں کہ ان میں سے وہی معنی صحیح ہوں گے جو رسالت اور نبوت کی شان کے مناسب ہوں مسند ابن حنبل کے مطابق اس روایت کے اصل الفاظ یہ ہیں آپ نے فرمایا:۔

| | |
|---|---|
| اذا حدثتم عن رسول اللہ صلعم حدیثا | جب تم سے رسول اللہ صلعم کی کوئی حدیث بیان کی جائے تو |
| فظنوا بہ الذی ھو اھدی والذی ھو اتقی | اس کے معنی وہ سمجھو جو زیادہ درست، زیادہ پرہیزگارانہ |
| والذی ھو اھنأ (مسند ج ۱) | اور زیادہ بہتر ہو |

موزوں پر مسح کرنا سنت ہے لیکن یہ مسح نچلے حصوں پر نہیں بلکہ اوپر کے حصوں پر کیا جاتا ہے حضرت علی مرتضیٰؓ فرماتے ہیں جیسا کہ سنن ابی داؤد میں ہے:

| | |
|---|---|
| لو کان الدین بالرأی لکان باطن القدمین | اگر دین عقل کی رو سے ہوتا تو موزے کا نچلا حصہ |
| احق بالمسح من ظاہرھما وقد مسح النبی صلعم | اوپر کے حصہ سے مسح کے زیادہ مستحق ہوتے لیکن آنحضرت صلعم |
| علی ظاہر خفیہ (باب کیف المسح) | نے موزوں کی پشت پر مسح فرمایا |

حضرت مرتضیٰؓ کا مقصود یہ ہے کہ چلنے کی وجہ سے اگر گرد وغبار کے دور کرنے کو مسح کی غرض

امانت و دیانت | سب کو معلوم ہے کہ مکہ میں آنحضرت صلعم کے پاس اہل قریش کی امانتیں جمع
رہتی تھیں جب آپ نے ہجرت فرمائی تو اس منصب امانت کی جانشینی پر حضرت علی کو مامور فرمایا
اور حکم دیا کہ سب کی امانتیں واپس کرکے میرے پاس چلے آنا چنانچہ انھوں نے اس فرض کو بلا
انجام دیا خلافت کے عہد میں بیت المال کی دیانت و امانت کے ساتھ دیکھ بھال بھی کچھ کم اہم
فرض نہ تھا حضرت علی مرتضیٰ نے اس فرض کو اس طرح ادا کیا کہ حضرت ام کلثوم کا بیان ہے کہ
ایک دفعہ نارنگیاں آئیں امام حسن اور امام حسین نے ایک نارنگی اٹھالی جناب امیر نے
دیکھا تو چھین کر لوگوں میں تقسیم کردی

مال غنیمت تقسیم فرماتے تھے تو برابر حصے لگا کر فرماتے تھے کہ اگر کچھ کمی بیشی ہو تو وہ اس سے
بری ہوجائیں ایک دفعہ اصفہان سے مال آیا اس میں ایک روٹی بھی تھی حضرت علی نے تمام
مال کے ساتھ اس روٹی کے بھی سات ٹکڑے کیے اور قرعہ ڈال کر تقسیم فرمادیا ایک دفعہ بیت المال کا
تمام اندوختہ تقسیم کرکے اس میں جھاڑو دی اور دو رکعت نماز ادا فرمائی کہ وہ اُن کی امانت و دیانت
کی شاہد رہے

زہد | دنیا کی جھوٹی نمائش اور اس کے چند روزہ عیش کو حضرت علی مرتضیٰ نے ہمیشہ حقارت کی نظر
سے دیکھا، کوفہ تشریف لائے تو دارالامارت کے بجائے ایک میدان میں فروکش ہوئے اور فرمایا
کہ عمر بن خطاب نے ہمیشہ ان عالیشان محلات کو حقارت کی نگاہ سے دیکھا، مجھے بھی اس کی
حاجت نہیں میدان میرے لیے بس ہے

حضرت علی نے شروع سے آخر تک زاہدانہ زندگی بسر کی کبھی کپڑا وغیرہ جیسا بہتر کی فکر

سلہ اسد الغابہ جلد ۴ صفحہ ۲۰ سلہ ناسخ التواریخ بحوالہ ابن ابی شیبہ سلہ مسند جلد ۱ صفحہ ۰ سلہ ازالۃ الخفا

بحوالہ ابو عمر ابن عبدالبر صفحہ ۲۰۰

آنحضرتؐ کے ساتھ رہے ان سے ظاہر ہے کہ شہنشاہ اقلیم زہد و قناعت کے ساتھ عیش دنیوی کا کہاں موقع میسر ہوگا، حضرت فاطمہؓ کے ساتھ شادی ہوئی تو علیحدہ مکان میں رہنے لگے لیکن زہد کا اس سے اندازہ ہوگا کہ سیدۂ جنتؓ ساز و سامان اپنے میکے سے لائی تھیں، جس میں ایک چیز کا بھی اضافہ نہ ہو سکا، بچے بیٹے حضرت فاطمہؓ کے بطن سے کئی ہو گئے تھے، گھر میں اوڑھنے کی صرف ایک چادر تھی وہ بھی اس قدر مختصر کہ پاؤں چھپاتے تو سر برہنہ ہو جاتا اور سر چھپاتے تو پاؤں کھل جاتے، معاش کی یہ حالت تھی کہ جن دنوں عسرت رہی ان میں اکثر فاقہ ہوتا، محنت کی خدمت ہوتی تو پیٹ پر پتھر باندھ لیتے، ایک دفعہ شدت گرسنگی میں کاشانۂ اقدس سے باہر نکلے کہ مزدوری کر کے کچھ کما لاویں، عوالی[1] مدینہ میں دیکھا کہ ایک ضعیفہ کچھ اینٹ پتھر جمع کر رہی ہے، خیال ہوا کہ شاید اپنا باغ سیراب کرنا چاہتی ہے، اس کے پاس جا کر اجرت طے کی اور پانی کھینچنے لگے یہاں تک کہ ہاتھوں میں آبلے پڑ گئے، غرض بڑی محنت و مشقت کے بعد ایک مٹھی کھجوریں اجرت میں ملیں لیکن تنہا خوری کی عادت نہ تھی، کھجوریں لئے ہوئے بارگاہ نبوت میں حاضر ہوئے، آنحضرتؐ نے تمام کیفیت سنکر نہایت شوق سے ساتھ کھانے میں ساتھ دیا۔[2]

ایام خلافت میں بھی زہد کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹا، موٹا جھوٹا لباس اور روکھا پھیکا کھانا ان کے لیے دنیا کی سب سے بڑی نعمت تھی، ایک دفعہ عبداللہ بن زریر نامی ایک صاحب شریک طعام تھے، دستر خوان پر کھانا نہایت معمولی اور سادہ تھا، انھوں نے کہا امیر المومنین آپ کو پرندوں کے گوشت سے شوق نہیں ہے؟ فرمایا ابن زریر! خلیفۂ وقت کو مسلمانوں کے مال میں صرف دو پیالوں کا حق ہے، ایک خود کھائے اور اہل و عیال کو کھلائے اور دوسرا خلق خدا کے سامنے پیش کرے۔[3]

[1] مدینہ کے قرب و جوار کی آبادی کا نام عوالی تھا۔ [2] مسند احمد بن حنبل صفحہ [illegible]۔ [3] مسند جلد [illegible] صفحہ [illegible]۔

دربدولت پر نہ کوئی حاجب تھا نہ دربان نہ امیرانہ کروفر تھا بلکہ ترک واحتشام،
خود عین اس وقت جب کسریٰ کی شہنشاہی مسلمانوں کے لیے زر وجواہر اگل رہی تھی اسلام کا
خلیفہ ایک معمولی غریب کی طرح زندگی بسر کرتا تھا، اور اس کی بدولت کبھی فقر وفاقہ کی نوبت
بھی آجاتی تھی، ایک دفعہ منبر پر خطبہ دیتے ہوئے فرمایا کہ میری تلوار کا کون خریدار ہے؟ خدا کی قسم اگر
میرے پاس ایک تہبند کی قیمت ہوتی تو اس کو فروخت نہ کرتا، ایک شخص نے کھڑے ہو کر کہا
امیرالمومنین! میں تہبند کی قیمت قرض دیتا ہوں۔[1]

گھر میں کوئی خادمہ نہ تھی، سیدۂ پاک نے کاشانۂ نبوت پر حاضر ہو کر اپنی یہ مصیبت بیان کرنا چاہی
لیکن سرور کائنات موجود نہ تھے اس لیے واپس آگئیں، تھوڑی دیر کے بعد حضرت عائشہؓ
کی اطلاع پر آنحضرت صلعم خود تشریف لائے اور ارشاد فرمایا کیا میں تم کو ایک ایسی بات نہ بتادوں
جو ایک خادم سے کہیں زیادہ تمہارے لیے مفید ہو، اس کے بعد آپ نے تسبیح کی تعلیم دی۔[2]

عبادت

حضرت علی کرم اللہ وجہہ نہایت عبادت گزار بندے تھے، انھوں نے تیرہ سال
کے سن سے رسول اللہ صلعم کے ساتھ خدائے تعالیٰ کے آگے سر جھکایا اور اس کے بعد ہمیشہ یہ ذوق
قائم رہا، جس کی بڑی شہادت قرآن مجید کا ایک ارشاد ہے، قرآن مجید میں صحابہ کرامؓ کے فضائل میں
ایک نہایت جامع آیت یہ نازل ہوئی ہے

| | |
|---|---|
| مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللّٰہِ وَالَّذِیْنَ مَعَہٗ اَشِدَّآءُ | محمد رسول اللہ اور وہ لوگ جو ان کے ساتھ ہیں کافروں پر سخت |
| عَلَی الْکُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیْنَھُمْ تَرٰىھُمْ رُکَّعًا | باہم رحمدل ہیں تم ان کو دیکھتے ہو کہ رکوع اور سجدہ |
| سُجَّدًا یَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰہِ وَرِضْوَانًا | کر رہے ہیں اور خدا کا فضل اور اس کی رضامندی کی جستجو کر رہے ہیں |

[1] ازالۃ الخفا جلد دوم صفحہ ۲۷۳

[2] بخاری کتاب الدعوات باب التسبیح والتکبیر عند المنام

انفاق فی سبیل اللہ | حضرت علیؓ گو دولت دنیاوی سے متمتع نہ تھے تاہم دل غنی تھا کوئی سائل یا
اہل حاجت نظر آجاتا تو دولت کا پورت ہی دیدیتے ایک مرتبہ رات بھر باغ سینچکر تھوڑے سے
جو مزدوری میں حاصل کیے صبح کے وقت گھر تشریف لائے تو ایک ثلث پسوا کر حریرہ پکوانے کا
انتظام کیا ابھی پک کر تیار ہی ہوا تھا کہ ایک مسکین نے صدا بلند کی حضرت علیؓ نے سب اٹھا کر
مسکین کو دیدیا اور پھر بقیہ میں سے دوسرے ثلث کے پکنے کا انتظار کیا لیکن جیسے تیار ہوا کہ ایک یتیم
نے دست سوال بڑھایا اسے بھی اٹھا کر اس کے نذر کیا غرض اسی طرح تیسرا حصہ بھی جو پک رہا تھا
پکنے کے بعد ایک مشرک قیدی کے نذر ہو گیا اور یہ بزرگ خود رات بھر کی مشقت کے باوجود ان کو
فاقہ مست رہا خدا سے پاک کو یہ ایثار کچھ ایسا بھایا کہ اہل بیت کی ستائش میں ان کے متعلق ایک خاص آیت
نازل فرمائی وَيُطْعِمُونَ الطَّعَامَ عَلَىٰ حُبِّهِ مِسْكِينًا وَيَتِيمًا وَأَسِيرًا

تواضع | سادگی اور تواضع حضرت علیؓ کی دستار فضیلت کا سب سے خوشنما طرہ ہے اپنے ہاتھ سے
محنت و مزدوری کرنے میں ان کو کچھ عار نہ تھا لوگ مسائل پوچھتے تو وہ عموماً کبھی جوتا گانٹھتے
کبھی اونٹ چراتے اور کبھی زمین کھودتے ہوئے پائے جاتے مزاج میں بے تکلفی اس قدر تھی کہ فرش
خاک پر سو جاتے ایک دفعہ آنحضرت صلعم انھیں ڈھونڈتے ہوئے مسجد تشریف لائے دیکھا کہ بے تکلفی
کے ساتھ زمین پر سو رہے ہیں چادر جسم کے نیچے سے سرک گئی ہے اور جسم گرد و غبار کے اندر کندن
کی طرح چمک رہا ہے سرور کائنات کو یہ سادگی نہایت پسند خاطر ہوئی اور خود دست اقدس سے
ان کا بدن صاف کر کے محبت آمیز لہجہ میں فرمانے لگے اجلس یا ابا تراب (یعنی مٹی والے اب
اٹھ بیٹھو) چنانچہ حضرت علیؓ کو یہ کنیت اس قدر محبوب تھی کہ جب کوئی اس سے مخاطب کرتا تو
خوشی سے ہونٹوں پر تبسم کی لہر دوڑ جاتی[1]

[1] بخاری کتاب المناقب باب مناقب علیؓ

ایسی تلوار ماری کہ سر کے دو ٹکڑے ہو گئے۔ رسول اللہ صلعم کو اس کی خبر ہوئی تو مسرور ہوئے اور تکبیر کا
نعرہ مارا اور مسلمانوں نے بھی تکبیر کے نعرے لگائے

غزوۂ خندق میں بھی وہ تمام صحابہ میں پیش پیش رہے، چنانچہ عرب کے مشہور پہلوان عمرو بن عبد ود
نے جب مبارزت طلب کی تو حضرت علی مرتضیٰ نے رسول اللہ صلعم سے میدان میں آنے کی اجازت
چاہی، آپ نے ان کو اپنی تلوار عنایت فرمائی، ان کے سر پر عمامہ باندھا اور دعا کی کہ خداوندا
تو اس کے مقابلہ میں ان کا مددگار رہیو۔ اس کے بعد باہم تیغ آزمائی شروع ہوئی تو حضرت علی نے
تکبیر کا نعرہ مارا جس سے مسلمانوں کو معلوم ہوا کہ انہوں نے اپنے حریف پر کامیابی حاصل کی

غزوۂ خیبر کا میدان ان کی شجاعت کے اظہار کا مخصوص میدان ہے۔ اس غزوہ میں آپ نے
فرمایا کہ میں جھنڈا ایسے شخص کو دوں گا جو خدا اور رسول کو محبوب رکھتا ہے اور خدا اور رسول
اس کو محبوب رکھتے ہیں۔ اس کے بعد آپ نے ان کو جھنڈا عنایت فرمایا۔ اور مرحب تلوار ہلاتا ہوا
اور رجز پڑھتا ہوا مقابلہ میں آیا تو اس کے جواب میں حضرت علی مرتضیٰ رجز خوانی کرتے بڑھے اور
مرحب کے سر پر ایسی تلوار ماری کہ سر پھٹ گیا اور فتح خیبر ان کے جنگی کارناموں میں شمار ہوئی۔

غزوات نبوی میں غزوۂ حنین خاص اہمیت رکھتا ہے جس میں تمام قبائل عرب کی متحدہ قوت
مسلمانوں کے خلاف صف آرا تھی، لیکن اس غزوہ میں بھی حضرت علی مرتضیٰ ہر موقع پر ثابت قدم رہے۔
رسول اللہ صلعم نے جن اکابر صحابہ کو جھنڈے عنایت فرمائے ان میں حضرت مرتضیٰ بھی شامل تھے
اس کے بعد جنگ شروع ہوئی اور کفار نے دفعۃً تیروں کا مینہ برسایا تو مسلمانوں کے پاؤں اکھڑ گئے
صرف چند نامور صحابہ رسول اللہ صلعم کے ساتھ ثابت قدم رہے جن میں ایک حضرت مرتضیٰ بھی تھے
عہد نبوت کے بعد خود ان کے زمانہ میں بھی جو معرکے پیش آئے ان میں بھی کبھی ان کے پائے ثبات
کو لغزش نہیں ہوئی۔

دشمنوں کے ساتھ سلوک: حدیث میں آیا ہے کہ بہادر وہ نہیں ہے جو دشمن کو پچھاڑ دے بہادر وہ ہے جو
اپنے نفس کو زیر کرے۔ حضرت علی مرتضیٰ اس بہادری میں بھی تنہا ان سے تھے ان کی زندگی کا اکثر حصہ مخالفین
کی معرکہ آرائی میں صرف ہوا، لیکن انہوں نے ہمیشہ اُن کے ساتھ حسن برتاؤ کیا، ایک دفعہ
ایک لڑائی میں جب اُن کا حریف گر کر برہنہ ہوگیا تو اس کو چھوڑ کر الگ کھڑے ہوگئے کہ اسکو خفت کی
نہ اٹھانی پڑے، جنگ جمل میں حضرت عائشہؓ اُن کی حریف تھیں لیکن جب ایک شخص نے اُن کے
اونٹ کو زخمی کر کے گرا دیا تو خود حضرت علیؓ نے آگے بڑھ کر اُن کی خیریت دریافت کی، اور اُن کو اُنکے
ایک طرفدار بصری رئیس کے گھر میں اتارا، حضرت عائشہؓ کی ذات کے تمام زخمیوں نے بھی اسی گھر کے
ایک ایک گوشے میں پناہ لی تھی، اس کے بعد حضرت علیؓ شے کو آئے تو اگرچہ ان کو معلوم ہوگیا تھا
کہ تمام زخمی اسی گھر میں پناہ گزین ہیں مگر انہوں نے ان سے کچھ تعرض نہیں کیا، اس کے بعد بحفاظت
تمام محمد بن ابی بکر کی معیت میں چالیس معزز عورتوں کے ساتھ اُن کو حجاز کی طرف رخصت کیا،
عام مسلمانوں نے اور خود حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے دور تک ان کی مشایعت کی۔

اس موقع پر جو لوگ شریک جنگ تھے ان کی نسبت بھی عام منادی کرادی کہ بھاگنے والوں
کا تعاقب نہ کیا جائے، زخمیوں کے اوپر گھوڑے نہ دوڑائے جائیں، مال غنیمت نہ لوٹا جائے، جو ہتھیار
ڈال دے اسکو امان ہے۔

حضرت زبیرؓ نے ایک حریف کی حیثیت سے ان کا مقابلہ کیا تھا، اور جنگ جمل کے بیچ سے لوٹ
گئے، مگر ان کا قاتل ابن جرموز ان کا مقتول سر اور تلوار لیکر حضرت علیؓ کے پاس آیا تو آبدیدہ
ہوگئے، فرمایا فرزند صفیہ کے قاتل کو جہنم کی بشارت دیدو، پھر حضرت زبیرؓ کی تلوار ہاتھ میں لیکر فرمایا
"یہ وہی تلوار ہے جس نے کئی دفعہ آنحضرت صلعم کے چہرے سے مشکلات کا بادل ہٹا دیا ہے"
مستدرک میں ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے پاس ان کا سر آیا تو فرمایا کہ فرزند صفیہ کے

قاتل کو جہنم کی بشارت دو، میں نے رسول اللہ صلعم سے سنا ہے کہ ہر نبی کے حواری ہوتے ہیں
اور میرا حواری زبیر ہے۔[1]

جنگ جمل کے میدان میں جب فریق مخالف کی لاشوں کا معائنہ کر رہے تھے طلحہ کی لاش کو
دیکھ کر افسوس کرتے تھے اور جب حضرت علی کے لڑکے محمد کی لاش پر نظر پڑی تو آہ سرد بھر کر فرمایا
ہائے قریش کا شکرہ!

ان کا سب سے بڑا دشمن ان کا قاتل ابن ملجم ہو سکتا تھا لیکن انھوں نے اس کے
متعلق آخری وصیت جو کی تھی وہ یہ تھی کہ اس سے معمولی طور پر قصاص لینا مثلہ نہ کرنا یعنی
اس کے ہاتھ پاؤں اور ناک کان نہ کاٹنا، ابن سعد میں ہے کہ جب وہ ان کے سامنے لایا گیا
تو انھوں نے فرمایا کہ اس کو اچھا کھانا کھلاؤ اور اس کو نرم بستر پر سلاؤ اگر میں زندہ بچ گیا
تو اس کے معاف کرنے یا قصاص لینے کا مجھے اختیار حاصل ہوگا اور اگر میں مر گیا تو اس کو مجھ سے
ملا دینا میں خدا کے سامنے اس سے جھگڑوں گا۔[2]

دشمنوں کے ساتھ حسن سلوک کی اس سے عمدہ مثال کیا ہو سکتی ہے۔

امیر معاویہ جنھوں نے سب سے بڑھ کر ان سے سرکشی کی اور ان کے تمام عزیزوں کو برباد
کیا، ان کی مذمت کے لیے جو کچھ کیا، ان کے خلاف لڑنے کے لیے ابھارتے رہے لیکن حضرت
علی مرتضیٰ کبھی ان کے خلاف ایک کلمہ ناسزا بھی زبان پر نہیں لائے حالانکہ وہ ان کے متعلق
بہت سی صحیح اور درست باتیں کہہ سکتے تھے۔

**صداقت** حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی اصابت رائے پر عہد نبوت ہی سے اعتماد کیا جاتا تھا
اس لیے تمام مہمات امور میں شریک مشورہ کیے جاتے تھے، واقعہ افک میں رسول اللہ صلعم نے

[1] مستدرک حاکم صفحہ ۳۰ [2] طبقات تذکرہ علی بن ابی طالب

اپنے گھر کے رازداروں میں جن لوگوں سے مشورہ طلب کیا ان میں ایک حضرت علی کرم اللہ وجہہ بھی تھے، غزوۂ طائف میں آپ نے اُن سے اتنی دیر تک سرگوشی کی کہ لوگوں کو رشک ہونے لگا اُس کے بعد تمام خلفاء نے اُن سے اہم معاملات میں مشورہ لیا، چنانچہ حضرت ابوبکرؓ نے مہاجرین و انصار کی جو مجلس شوریٰ قائم کی تھی اس کے ایک رکن حضرت علی کرم اللہ وجہہ بھی تھے، حضرت عمر فاروقؓ نے اس مجلس کے ساتھ مہاجرین کی جو مخصوص مجلس شوریٰ قائم کی تھی اُس کے اراکین کے نام اگرچہ ہم کو معلوم نہیں ہیں لیکن حضرت علی کرم اللہ وجہہ قطعی طور پر اس کے ایک رکن رہے ہوں گے، کیونکہ حضرت عمرؓ کو ان کی رائے پر اس قدر اعتماد تھا کہ جب کوئی مشکل معاملہ پیش آجاتا تھا تو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے مشورے کے بغیر اس کے فیصلہ کرنے سے پناہ مانگتے تھے، اسی قسم کے موقعوں پر انھوں نے فرمایا ہے:

لولا علی لهلك عمر — اگر علی نہ ہوتے تو عمر ہلاک ہو جاتا

مذہبی اور تمدنی معاملات کے علاوہ بہت سے سیاسی واقعات مذکور ہیں جن میں حضرت عمرؓ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی رائے کو ترجیح دی ہے، چنانچہ معرکۂ نہاوند میں جب ایرانیوں کی کثرت نے حضرت عمرؓ کو بہت مشوش کر دیا تو انھوں نے مسجد نبوی میں تمام صحابہؓ کو جمع کر کے رائے طلب کی، حضرت طلحہؓ نے کہا امیر المومنین آپ خود ہم سے زیادہ سمجھ سکتے ہیں، البتہ ہم لوگ تعمیل حکم کے لیے تیار ہیں، حضرت عثمانؓ نے مشورہ دیا کہ شام و یمن وغیرہ سے فوجیں طلب کی جائیں اور آپ خود سپہ سالار ہو کر میدان جنگ کی طرف تشریف لے جائیں، اب تک حضرت علی کرم اللہ وجہہ خاموش تھے، لیکن حضرت عمرؓ نے ان کی طرف دیکھا تو بولے کہ شام سے اگر فوجیں ہٹیں تو مفتوحہ مقامات پر دشمنوں کا تسلط ہو جائیگا، اور آپ نے مدینہ چھوڑا تو عرب میں بغاوت پیدا ہو جائے گی، اس لیے میری رائے یہ ہے کہ آپ یہاں سے نہ ہلیں اور شام و یمن وغیرہ میں

اُن کے محاسنِ اخلاق یہ تھے کہ نہایت سخت اور دلیر تھے، کسی کی پروا نہیں کرتے تھے، اور لوگوں کی خاطر مدارات کیلیئے اپنی خواہش سے باز نہیں آتے تھے، بعض راوی سے انہی اخلاق سے نہی عن المنکر اور بیت المال کی حفاظت میں کام لیا، حاکم نے حضرت ابوسعید خدری سے روایت کی ہے کہ لوگوں نے رسول اللہ صلعم سے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی شکایت کی تو آپ ہم لوگوں کے درمیان خطبہ دینے کے لیے کھڑے ہوئے اور فرمایا کہ لوگو علی کی شکایت نہ کرو، خدا کی قسم، خدا کی ذات اور اس کی راہ میں وہ کسی قدر سخت ہے، حضرت بُریدہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ خدا کی ذات میں علی سخت ہے۔

اُن کے تمام محاسنِ اخلاق میں ایک چیز یعنی قوم اور اپنے چچا زاد بھائی کی محبت تھی جسکے وہ اُن کے منصب کی تکمیل میں نہایت اہتمام کرتے تھے اور اُن کی مدد میں نہایت ہمت سے کام لیتے تھے، اور یہ وہ وصف ہے جو اکثر شریف لوگوں میں پیدا ہوتا ہے، اور جب بعض راوی نے اعلاء کلمۃ اللہ کا جذبہ اُن کے دل میں پیدا کیا تو اس خلق سے کام لیا اور اس خلق یعنی کی تشریح تفسیر کی جس سے ایک ایسا عجیب مقام پیدا ہوا جسکی تعبیر اخوتِ رسول، مواخاتِ رسول، وصی اور وارث وغیرہ متعدد الفاظ سے کی جاتی ہے، حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلعم نے ہر شخص سے فرمایا کہ دنیا و آخرت میں تم میں سے کون میرا ولی ہوگا؟ آپ نے لوگوں کہا نہیں ہوا یہانتک کہ ان میں سے اکثر لوگوں سے گذر گئے، تو حضرت علیؓ نے فرمایا کہ میں دنیا و آخرت میں آپ کی موالات کروں گا، آپ نے فرمایا کہ دنیا و آخرت میں تم میرے ولی ہو، حاکم نے حضرت ابن عباسؓ سے روایت کی ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ رسول اللہ صلعم کی زندگی میں فرماتے تھے کہ خداوند تعالیٰ فرماتا ہے

اَفَائِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰى اَعْقَابِکُمْ — اگر وہ مرگئے یا قتل کر دیئے گئے تو الٹے پاؤں پھر جاؤ گے

خدا کی قسم جب ہم کو فرصت نہ ہونے دیتی تو اس کے بعد ہم بیٹھے رہیں گے خدا کی قسم اگر
رسول اللہ صلعم کا وصال ہوا یا آپ شہید ہو گئے تو جس چیز کے لیے آپ جنگ کرتے تھے ہم بھی اس کے
لیے لڑیں گے یہاں تک کہ مر جائیں خدا کی قسم میں آپ کا بھائی ہوں آپ کا ولی ہوں آپ کے
چچا کا لڑکا ہوں اور آپ کے علم کا وارث ہوں تو مجھ سے زیادہ آپ کا حقدار کون ہے اسی سے
ان دونوں فریق کی جو افراط و تفریط کرتے ہیں غلطی بھی ظاہر ہو گئی ایک کہتا ہے کہ قوم کی حمایت
کے لیے خلیفہ کا خواستگار رہنا خلوص نہیں دوسرا کہتا ہے کہ استحقاق خلافت میں اخوت ہی شرط ہے

ان کے دوسرے اخلاق میں ایک زہد اور شہوات نفسانی سے اجتناب ہے حضرت امیر معاویہ
نے ضرار بن ضمرہ سے کہا مجھ سے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے اوصاف بیان کرو انھوں نے
کہا کہ اے امیر المومنین مجھے معاف فرمائیے انھوں نے کہا کہ ضرور بیان کرو بولے اگر ضروری ہے
تو وہ بلند حوصلہ اور نہایت قوی تھے فیصلہ کن بات کہتے تھے اور عادلانہ فیصلہ کرتے تھے ان کے
ہر جانب سے علم کا چشمہ پھوٹتا تھا اور ان کے تمام اطراف سے حکمت ٹپکتی تھی دنیا اور دنیا کی
شادابی سے وحشت کرتے اور رات اور رات کی وحشت سے انس کرتے تھے نہایت رونے
والے اور بہت زیادہ غور و فکر کرنے والے تھے چھوٹا لباس اور موٹا جھوٹا کھانا پسند تھا اور ہم میں
بالکل ہماری طرح رہتے تھے جب ہم ان سے سوال کرتے تھے تو ہمارا جواب دیتے تھے اور
جب ہم ان سے انتظار کی درخواست کرتے تھے تو وہ ہمارا انتظار کرتے تھے باوجودیکہ ہم کو وہ
اپنے آپ سے قریب کر لیتے تھے اور خود ہم سے قریب ہو جاتے تھے لیکن خدا کی قسم ہم ان کی
ہیبت سے ان سے گفتگو نہیں کر سکتے تھے وہ اہل دین کی عزت کرتے تھے غریبوں کو مقرب
بناتے تھے قوی کو اس کے باطل میں حرص کرنے کا موقع نہیں دیتے تھے اور ان کے انصاف سے
ضعیف ناامید نہیں ہوتا تھا میں شہادت دیتا ہوں کہ میں نے ان کو بعض معرکوں میں دیکھا کہ

ولا تعثوا فی الارض مفسدین بقیت اللہ خیر لکم — اور زمین میں فساد نہ پھیلاؤ خدا کا ثواب تمہارے لیے بہتر ہے

ان کنتم مؤمنین وما انا علیکم بحفیظ — اگر تم ایمان رکھتے ہو اور میں تمہارا نگران نہیں ہوں

اور جب تمہارے پاس میرا یہ خط پہنچے تو تمہارے ہاتھ میں ہمارا جو کام ہے اُسکی حفاظت کرو یہاں تک کہ ہم تمہارے پاس اُس شخص کو بھیجیں جو تم سے اُسکو لے لے۔ پھر اپنی نگاہ کو آسمان کی طرف اُٹھائے اور کہتے کہ خدا وندا تو جانتا ہے کہ میں نے ان کو تیری مخلوق پر ظلم کرنے اور تیرے حق کے چھوڑنے کا حکم نہیں دیا۔

مجمع التیمی سے روایت ہے کہ بیت المال میں جو کچھ تھا اُسکو حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے مسلمانوں میں تقسیم کر دیا پھر حکم دیا کہ اس میں جھاڑو دیدی جائے۔ پھر اس میں نماز پڑھی تاکہ وہ قیامت کے دن اُن کے لیے شہادت دے۔

حضرت کلیب سے روایت ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے پاس اصفہان سے مال آیا تو اُنھوں نے اس کے سات حصے کیے اور اس میں ایک روٹی پائی تو اس کے سات ٹکڑے کیے اور ہر حصے پر ایک ایک ٹکڑا تقسیم کیا پھر قرعہ ڈالا کہ ان میں کس کو کون حصہ دیا جائے۔

اُن کے تمام محاسن اخلاق میں ایک چیز یہ ہے کہ وہ معاش کی تنگی پر صبر کرتے تھے اور اُسکو اپنے اوپر گوارا کر لیتے تھے۔ خود اُن سے روایت ہے کہ حضرت فاطمہؓ جب میرے گھر میں آئیں تو بچھانے کے لیے صرف مینڈھے کی ایک کھال تھی۔ عکرمہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلعم نے گھر کا کام حضرت اپنی صاحبزادی فاطمہؓ سے متعلق کیا اور بیرونی خدمات حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے سپرد کئے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ صلعم نے اُن سے حضرت فاطمہؓ کا نکاح کیا تو ان کے ساتھ ایک چادر، چمڑے کا ایک گدا جس میں کھجور کی پتیاں بھری ہوئی تھیں، ایک چکی، ایک مشک، دو گھڑے روانہ کیے، ایک ن

حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے حضرت فاطمہؓ سے کہا کہ پانی بھرتے بھرتے میرا سینہ درد کو
رسول اللہ صلعم کے پاس لونڈی غلام آئے ہیں جاؤ اور آپ سے ایک خادم طلب کرو،
انھون نے کہا کہ آٹا پیستے پیستے میرے ہاتھوں میں بھی آبلے پڑگئے، چنانچہ وہ آپ کی خدمت
میں حاضر ہوئیں آپ نے فرمایا بیٹی کس غرض سے آئی ہو، بولیں سلام عرض کرنے لیکن لو
کرنے سے ان کو شرم آئی اور واپس گئیں حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے پوچھا کہ تم نے کیا کیا؟
بولیں آپ سے سوال کرنے میں مجھے شرم آئی اب آپ کی خدمت میں دونوں حاضر ہوئے
حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے کہا کہ پانی بھرتے بھرتے میرا سینہ درد کرنے لگا اور حضرت فاطمہ
نے کہا کہ آٹا پیستے پیستے میرے ہاتھوں میں چھالے پڑگئے، خدا نے آپ کے پاس لونڈی غلام
اور مال بھیجا ہے ہم کو ایک خادم عنایت فرمائیے، آپ نے فرمایا نہیں یہ نہیں کہ تم کو دوں اور
اہل صفہ کو فاقہ مستی کی حالت میں چھوڑ دوں بلکہ میں ان لونڈی غلاموں کو فروخت کرونگا
اور ان کے اوپر ان کی قیمت صرف کرونگا اب دونوں واپس آئے اس کے بعد رسول اللہ صلعم
حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور حضرت فاطمہ چادر اوڑھ کر سو چکی تھیں لیکن جب دونوں
سر ڈھکتے تھے تو پاؤں اور جب پاؤں ڈھکتے تھے تو سر کھل جاتا تھا، رسول اللہ صلعم کے آنے
سے دفعۃً دونوں اٹھ گئے، آپ نے فرمایا کہ اپنی جگہ پر ٹھہرے رہو کیا تم کو میں ایسی چیز نہ بتلا دوں
جو اس چیز سے بہتر ہے جسکو تم مجھ سے مانگتے ہو، دونوں نے کہا ہاں فرمایا مجھ کو جبریل نے چند
کلمے سکھائے ہیں اور کہا کہ دونوں ہر نماز کے بعد دس بار تسبیح، دس بار تحمید اور دس بار تکبیر
کہہ لیا کریں اور تم دونوں جب سوؤ تو ۳۳ بار تسبیح، ۳۳ بار تحمید اور ۳۴ بار تکبیر کہہ لیا کرو حضرت
علی کرم اللہ وجہہ کا بیان ہے کہ جب سے رسول اللہ صلعم نے مجھ کو یہ کلمے سکھائے ہیں تو تب سے
میں نے ان کو نہیں چھوڑا، ابن کوا نے کہا کہ صفین کی رات میں بھی نہیں انھون نے کہا کہ نہیں

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا بیان ہے کہ میں ایک بار مدینہ میں سخت بھوک میں مبتلا تھا اس لیے عوالی مدینہ میں مزدوری کی تلاش میں نکلا تو دیکھا ایک عورت ملی جس نے ڈھیلے اکٹھے کیے تھے میں نے خیال کیا کہ وہ ان کو بھگونا چاہتی ہے چنانچہ میں نے ہر ڈول پر ایک کھجور اجرت طے کی اور سولہ ڈول پانی کھینچے جس سے میرے ہاتھوں میں چھالے پڑ گئے اس نے مجھے سولہ کھجوریں گن کر دیں میں رسول اللہ صلعم کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے ان کھجوروں میں سے میرے ساتھ کھایا[له]۔

**خانگی زندگی**

حضرت علیؓ کی مستقل خانہ داری اس وقت سے شروع ہوئی جبکہ سیدہ جنت حضرت فاطمہؓ کے ساتھ ایک علحدہ مکان میں رہنے لگے کیونکہ اس سے پہلے وہ آنحضرت صلعم کے ساتھ رہتے تھے اور کسب معاش کے لیے انھیں کسی جدوجہد کی ضرورت نہ پڑتی تھی البتہ ہجرت کے بعد حضرت فاطمہؓ سے شادی قرار پائی تو ولیمہ کی فکر دامنگیر ہوئی اور قرب وجوار کے جنگل سے اونٹ پر گھاس لا کر بیچنے کا ارادہ کیا لیکن حضرت حمزہؓ نے ایک روز ان کی اجازت کے بغیر اس اونٹ کو ذبح کرکے لوگوں کو کھلا دیا حضرت علیؓ نے دیکھا تو نہایت صدمہ ہوا کیونکہ آپ کے پاس صرف دو اونٹ تھے آخر زرہ بیچ کر سامان کیا اس زرہ کی قیمت بھی چار سو روپیہ سے زیادہ نہ تھی۔

شادی کے بعد علحدہ مکان میں رہنے لگے تو حصول معاش کی فکر لاحق ہوئی چونکہ شروع سے اس وقت تک تمام زندگی سپاہیانہ کاموں میں بسر ہوئی اس لیے کسی قسم کا سرمایہ بھی نہ تھا حضرت کسب مزدوری اور جہاد کے مال غنیمت پر گذر اوقات تھا خیبر فتح ہوا تو آنحضرت صلعم نے آپ کو ایک قطعہ زمین جاگیر کے طور پر عنایت کی حضرت عمرؓ نے اپنی خلافت میں

له ابو داؤد کتاب الخراج والامارۃ باب فی بیان مواضع قسم الخمس

باغ فدک کا انتظام بھی اُن کے حوالہ کر دیا اور دوسرے صحابہؓ کی طرح اُن کے لیے بھی پانچ ہزار
درہم و ایک ہزار روپیہ سالانہ کا وظیفہ مقرر کر دیا۔ خلیفۂ ثالث کے بعد مسند نشین خلافت ہوئے
تو بیت المال سے بقدر کفاف روزینہ مقرر ہو گیا اور اسی پر آخری لمحۂ حیات تک قانع رہے۔

مسند کی ایک روایت میں ہے کہ حضرت مرتضیٰ نے فرمایا ایک وہ زمانہ تھا کہ میں رسول اللہ
کے ساتھ بھوک کی شدت سے پیٹ پر پتھر باندھتا تھا اور آج میرا یہ حال ہے کہ چالیس ہزار سالانہ
میری زکوٰۃ کی رقم ہوتی ہے۔ اس واقعہ میں اور آپ کی ترشی و تنگی رفقر و فاقہ کی روایتوں میں
کوئی تضاد نہیں ہے۔ آپ کی اس آمدنی کا بڑا حصہ خدا کی راہ میں صرف ہوتا تھا اور ذاتی امور
خانگی فقر و فاقہ کا وہی عالم رہتا تھا

کبھی کبھی خانہ داری کے معاملات میں حضرت فاطمہؓ سے رنجش بھی ہو جاتی تھی لیکن آنحضرت صلعم
ہمیشہ دونوں میں بڑی صفائی کرا دیتے تھے ایک مرتبہ حضرت علیؓ نے ان پر کچھ سختی کی وہ آنحضرت صلعم
کے پاس شکایت لیکر چلیں پیچھے پیچھے حضرت علیؓ بھی آئے حضرت فاطمہؓ نے شکایت کی تو آپ نے
فرمایا بیٹی! تم کو خود سمجھنا چاہیے کہ کون شوہر اپنی بی بی کے پاس خاموش چلا آتا ہے؟ حضرت
علی نہایت متاثر ہوئے اور انہوں نے حضرت فاطمہؓ سے کہا اب میں تمہارے خلاف مرضی کوئی بات نہ کرونگا

آنحضرت صلعم نے رحلت فرمائی تو حضرت فاطمہ کو اس قدر غم ہوا کہ اُس کے بعد صرف
چھ مہینے زندہ رہیں اور اس عرصہ میں ایک لمحہ کے لیے بھی ان کا دل پژمردہ شگفتہ نہ ہوا حضرت علیؓ
بھی اُن کی دلجوئی اور تسلی کے خیال سے خانہ نشین رہے اور جب تک وہ زندہ رہیں گھر سے باہر قدم نہ رکھا

حضرت فاطمہ کے بعد متعدد شادیاں کیں اور ان بی بیوں سے بھی لطف و محبت کے ساتھ پیش آئے
اُن کو اپنے صاحبزادہ محمد بن حنفیہ سے بھی نہایت محبت تھی چنانچہ وفات کے وقت حضرت
امام حسن سے اُن کے ساتھ لطف و محبت سے پیش آنے کی خاص طور پر وصیت فرمائی تھی